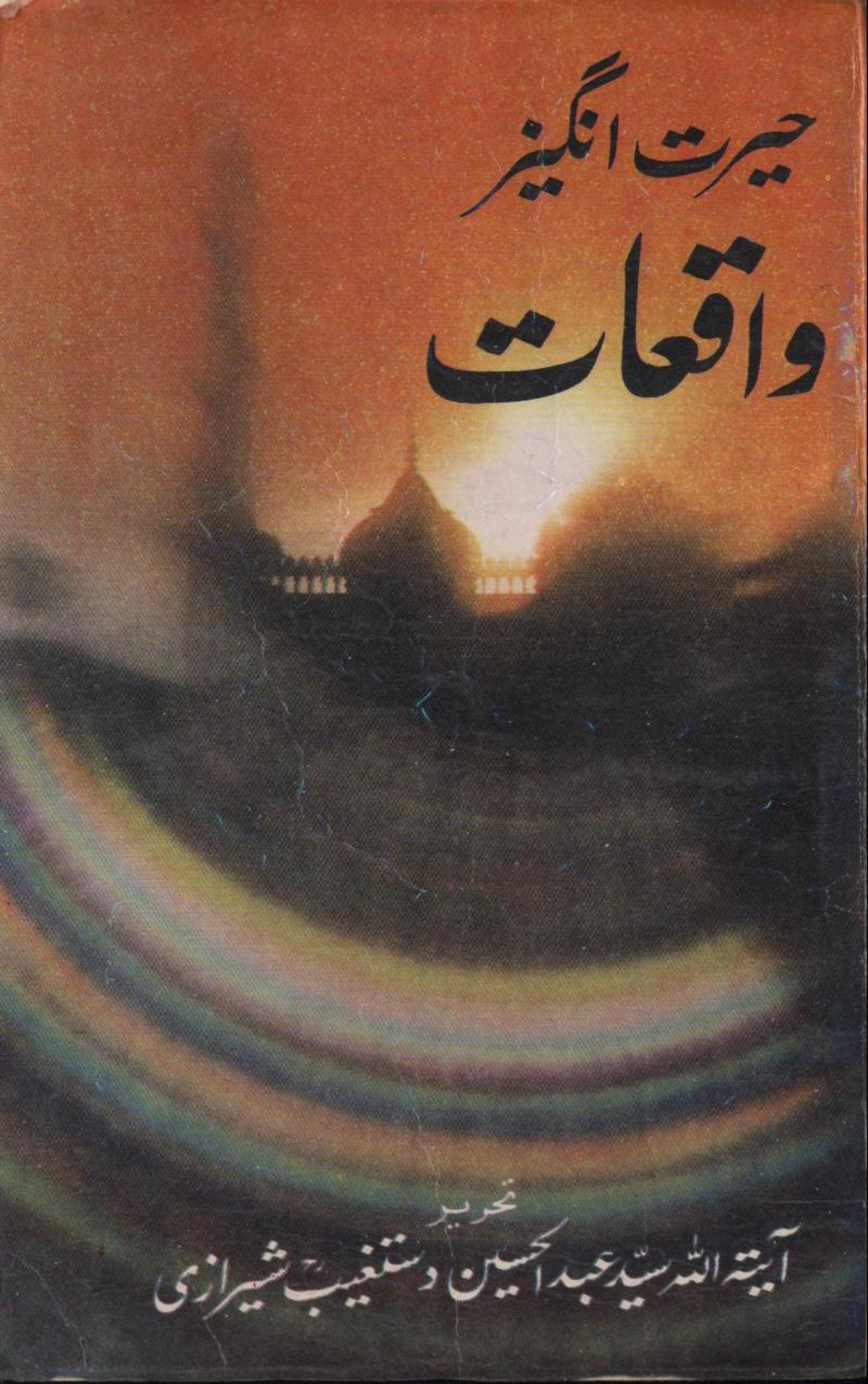

حیرت انگیز واقعات

تحریر

آیۃ اللہ سید عبدالحسین دستغیب شیرازی

حیرت انگیز واقعات

ترجمۂ کتاب " داستانہائے شگفت "

مؤلّفہ

شہیدِ محراب آیتہ اللہ سید عبد الحسین دستغیب طاب ثراہ

مترجم

الحاج مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ باقری جوراسی

ناشر

ادارۂ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

فون ۲۶۱۹۵۴ قیمت ۶۰ روپئے

مرکز تبلیغاتِ اسلامیہ
حیدری کتب خانہ
۱۴/۱۵ مرزا علی اسٹریٹ، امام باڑہ روڈ، ممبئی - ۴۰۰۰۰۹
Tel: 374 3445 Resi.: 371 1929 Fax No. 372 9541 (Attn. Haideri)

(حقوق طبع محفوظ ہیں)

نام کتاب: حیرت انگیز واقعات
ترجمہ: داستانہائے شگفت
مؤلف: آیۃ اللہ سید عبدالحسین دستغیبؒ شیرازی
مترجم: الحاج مولانا سید محمدؐ باقر صاحب قبلہ جوراسی
مطبوعہ: اے بی سی آفسٹ پریس حوض قاضی دہلی
صفحات: ۳۹۲
قیمت: ۶۰ روپئے
پہلا اڈیشن: جولائی ۱۹۹۷ء
کتابت: مرزا شہنشاہ عالم لکھنوی
باہتمام: طٰہٰ پبلشنگ سینٹر درگاہ حضرت عباسؑ رستم نگر لکھنؤ ۳، فون ۲۶۰۷۵۶
ناشر: ادارۂ اصلاح مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ فون ۲۶۱۹۵۴

(ملنے کا پتہ)

دفتر اصلاح مسجد دیوان ناصر علی، مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۳ یوپی

مولف کتاب

کتاب ہٰذا کے مولف آیۃ اللہ سید عبدالحسین دستغیبؒ ۱۹۱۳ء میں شیراز کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے ابھی بارہ سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے پدر بزرگوار حجۃ الاسلام سید حکیم دستغیبؒ کا سایہ سر سے اٹھ گیا یتیمی کے سخت حالات سے گزرے ماں کے سایۂ عاطفت میں ابتدائی تعلیم شیراز ہی میں حاصل کی پھر حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں اس وقت کے جلیل القدر علماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن اصفہانیؒ آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد کاظم شیرازیؒ اور آیۃ اللہ العظمیٰ اصطہباناتیؒ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے ہوئے تعلیم کا تکملہ فرمایا۔

وطن واپسی پر آپ نے زبردست دینی خدمات انجام دیئے قدیم مدارس کی تجدید فرمائی، جدید دینی مدارس قائم کئے مساجد و عزاخانے کی تعمیر نو پر خصوصی توجہ دی جن میں جامع مسجد بھی شامل ہے۔ آپ کے خطبے اور تقاریر بہت زیادہ پُراثر ہوتے عشق اہلبیتؑ میں ڈوبے ہوئے آپ کے جملے دلوں میں حرارت پیدا کرتے اور آخرت کو یاد دلانے والی باتوں سے آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔

۱۹۶۲ء میں آیۃ اللہ دستغیبؒ، آیۃ اللہ العظمیٰ سید روح اللہ الخمینیؒ کی تحریک انقلاب میں شامل ہو گئے۔ اور اپنی تقریروں میں شاہ کی ظالمانہ روشنی پر تنقید کرتے رہے آپ شہر بدر کئے گئے۔ قید کئے گئے آپ پر سختیاں بھی ہوئیں لیکن آپ کی ہمت نے ساتھ نہ چھوڑا، انقلاب کی کامیابی کے بعد آپ مجلس خبرگان میں فارس کے نمائندے مقرر ہوئے اور آیۃ اللہ العظمیٰ خمینیؒ نے انھیں شیراز کا امام جمعہ مقرر فرمایا آپ کے خطبہائے جمعہ دشمنوں کی سازشوں کو چاک کرنے والے ہوتے بالآخر ۲۰ آذر ۱۳۶۰ھ شمسی کو جب آپ نماز جمعہ کے لئے جا رہے

تھے تو منافقین نے آپ کو شہید کر دیا۔ اس دردناک شہادت پر آیۃ اللہ العظمیٰ رح خمینی نے فرمایا۔

"امریکی ایجنٹوں نے ایک قیمتی شخصیت کو ملّتِ ایران سے چھین لیا ہے۔ حضرت آیۃ اللہ دستغیب رح ایک عظیم مربّی، عالمِ دین، معلّم اخلاق، مہذّبِ نفوس اور اسلام و جمہوری اسلامی کے زبردست حامی تھے"۔

آیۃ اللہ دستغیب رح کی زندگی کی اساس تقویٰ تھا اور آپ نے اپنی کتابوں میں سب سے زیادہ زور اسی پر دیا ہے۔ ان کے قلمی آثار بہت ہیں منجملہ ان کے ذیل کی کتابیں کئی زبانوں میں شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

۱۔ گناہانِ کبیرہ (۲ جلد اس کے مقدمہ کا ترجمہ اصلاح کے صفحات پر شائع ہو چکا ہے)

۲۔ داستانہائے پراگندہ (سچے واقعات کے نام سے اس کا ترجمہ اصلاح سے شائع ہو چکا ہے)

۳۔ داستانہائے شگفت (کتاب ہذا حیرت انگیز واقعات) ۴۔ برزخ (عالمِ برزخ کے نام سے اس کا ترجمہ اصلاح سے شائع ہو چکا ہے) ۵۔ مہدی موعودؑ (امام قائمؑ کے نام سے اصلاح نے ترجمہ شائع کیا ہے)

۶۔ معاد (۲ جلد) ۷۔ قلب سلیم ۸۔ تفسیر سورۂ یٰسین ۹۔ حاشیۂ کفایہ

۱۰۔ حاشیۂ رسائل ۱۱۔ حاشیۂ مکاسب ۱۲۔ صلوٰۃ الخاشعین ۱۳۔ توبہ

۱۴۔ قلبِ قرآن ۱۵۔ معارف از قرآن ۱۶۔ حقائق از قرآن ۱۷۔ پیغمبرؐ و قرآن

۱۸۔ تفسیر سورۂ حمد ۱۹۔ معراج ۲۰۔ استعاذہ ۲۱۔ فاطمۃ الزہراؑ اور زینبؑ کبریٰ

۲۲۔ سیّد الشہداء ۲۳۔ خطبۂ شعبانیہ ۲۴۔ ہزار سوال ۲۵۔ بہتر سوال

۲۶۔ ایمان ۲۷۔ بندگی راز آفرینش، وغیرہ!

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لاهله والصّلوٰۃ علی اهلها

"سچے واقعات" کی مقبولیت کے بعد ایک اور کتاب جو حیرت انگیز واقعات پر مشتمل ہے نذرِ ناظرین ہے۔ گزشتہ کتاب کے واقعات دلچسپ اور سبق آموز تھے جب کہ اس کتاب کے واقعات کچھ مختلف ہیں۔ یہ کتاب روحِ ایمان کو تازہ کرنے والے کرامات پر مشتمل ہے جن کا مطالعہ انتہائی مفید اور اہم ہے۔ آج کل بچّوں اور نوجوانوں میں کامکس اور افسانے اور ناولوں کے پڑھنے کا رواج عام ہے۔ جو غیر مفید ہوتے ہیں اور بیشتر مخربِ اخلاق ہوتے ہیں۔ لہٰذا والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے بچّوں کو ان کتابوں کے پڑھنے سے روکیں۔ اور "سچے واقعات" و "حیرت انگیز واقعات" جیسی کتابوں کو خود بھی پڑھیں اور اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں۔

کتابوں کی اشاعت ایک مسئلہ ضرور ہے لیکن بحمد اللہ ادارۂ اصلاح ایک صدی سے زائد عرصے سے سرگرم عمل ہے۔ ادارے کے ہمدردوں کی حیات ایمان میں اضافہ کی دعا ہے۔ تاکہ وہ کسی مرحلہ میں تعاون سے غافل نہ ہوں۔ خداوند عالم کارکنانِ ادارہ کو حضرت ولی عصر علیہ السّلام کے حضور سرخروئی کا شرف کرامت فرمائے۔ اللّٰھمّ عجّل فرجہُ الشّریف،

احقر

سیّد محمّد جابر جوراسی

مدیر ماہنامہ اصلاح، لکھنؤ

۹ر صفر المظفّر ۱۳۵۸؁ شہادتِ حسینی

۷۸۶

عرضِ مترجم

شہید محراب آیۃ اللہ سیّد عبدالحسین دستغیب طاب ثراہ نے اپنی کتاب "داستانہائے شگفت" میں معتبر اور باوثوق ذرائع سے جو عبرت خیز، حیرت انگیز، سبق آموز اور ایمان افروز واقعات اور معجزات و کرامات جمع فرمائے ہیں ان کا ترجمہ اس توقع کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں کہ مومنین کرام ان کے مُطالعے سے دلچسپی لیں گے اور ان کے مطالب سے پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔ انشہ

ساتھ ہی اپنے پروردگار کی بارگاہِ فضل و کرم میں دست بہ دعا ہوں کہ اپنے اس حقیر اور گنہگار بندے کو بھی اس کتاب کے برکات سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس خدمت کو اسکی مغفرت کا وسیلہ قرار دے۔ آمین

والسلام

عاصی محمدؐ باقر باقری جوراسی

۱۵ شعبان المعظمؐ

۱۳۵۷ شہادت حسینیؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

(از مؤلفؒ)

میں نے اپنی مدتِ عمر میں خدا کے صالح بندوں اور یقین و تقویٰ کے حامل افراد سے ایسے واقعات سُنے اور دیکھے ہیں جن میں سے ہر ایک واقعہ ظہور کرامات، استجابت دعوات، بلند درجات اور سعادات پر فائز ہونے، نیز قرآن مجید اور ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے توسل کے اثرات کے پیش نظر الطاف خداوندی پر ایک عادِل گواہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس موقع پر جب کہ میری زندگی کا دور اپنی آخری منزل کی طرف بڑھتا ہوا پینسٹھ سال سے تجاوز کر چکا ہے اور قوائے جسمانی کے ضعف اور امراض کے ہجوم جیسے موت کے قاصد مجھے جوار الٰہی کی جانب سفر اور اجداد طاہرین اور دیگر مومنین سے ملاقات کی بشارت دے رہے ہیں میں نے سوچا کہ ان داستانوں میں سے جسقدر میرے حافظے میں محفوظ ہیں انھیں ذیل کے چند مقاصد کے تحت ان اوراق میں درج کر دوں۔

(۱) ہر چند میں خدا کے صالح بندوں میں سے نہیں ہوں لیکن انھیں دوست ضرور رکھتا ہوں اور یہی آرزو رکھتا ہوں کہ انھیں کے بارے میں سُنوں اور انھیں کو دیکھوں۔ بقولے "تم اگر انمیں سے نہیں ہو تو ان کا تذکرہ ہی کرو۔"

(۲) جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، خدا کے نیک بندوں کو یاد کرنے سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے[۱]۔ لہٰذا امید ہے کہ یہ مؤلف اور محترم ناظرین، ہم سب کے سب اس

[۱] عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ (سفینۃ البحار جلد ۱ ص۲۲۷)

رحمت سے فیضیاب ہوں گے۔

(۳) چونکہ ان میں سے ہر داستان ایمان بالغیب کی تقویت، عالم اعلیٰ کی طرف قلوب کی رغبت، اور بارگاہِ خداوندی کی جانب توجّہ کی موجب ہے۔ لہٰذا میں نے انھیں یکجا کر دیا ہے۔ تاکہ میری اولاد اور دیگر پڑھنے والے ان سے فائدہ اٹھائیں۔ بالخصوص شدائد اور مشکلات میں مایوسی کے شکار نہ ہوں، اپنے پروردگار پر پورا بھروسہ رکھیں، اور جان لیں کہ دُعا اور توسّل کے اثرات یقینی اور حتمی ہیں۔ چنانچہ تقویٰ اور یقین کے مراتب کی تحصیل میں سعی و کوشش کے لئے ایسے مقامات اور درجات ہیں جو انسان کے فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔

(۴) ہو سکتا ہے کہ میرے بعد کوئی عزیز و محترم شخص ان کا مطالعہ کر کے اپنے پروردگار سے شناسائی حاصل کرے اور اسے یاد کرے، جس سے اُسے خوشحالی نصیب ہو تو خدا اپنے فضل و رحمت کے ساتھ اس گنہگار کو بھی یاد فرمائے۔

(۱)

صدقہ موت کو ٹال دیتا ہے

میں نے آقائے سیّد محمد رضوی سے سُنا کہ ایک مرتبہ ہمارے بزرگوار ماموں، آقائے میرزا ابراہیم محلاّتی مرحوم ایک ایسے سخت مرض میں مبتلا ہوئے کہ اطبّا نے ان کے علاج سے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے تاکید کی کہ جناب میرزا کی عقیدت و ارادت کے مرکز عالم ربّانی حاج شیخ محمد جواد بید آبادی کو ان کی علالت کی خبر دی جائے چنانچہ ہم نے اصفہان میں مرحوم بید آبادی کو ٹیلیگرام کے ذریعے ان کی شدید بیماری سے مطلع کیا۔ اُدھر سے فوراً جواب آیا کہ مبلغ دوسَو تومان صدقہ دیدو تاکہ خدا انھیں شفا عطا فرمائے۔

اگرچہ اس زمانے میں اتنی رقم بہت تھی لیکن کسی طرح سے فراہم کر کے فقراء میں تقسیم کی گئی اور اس کے ساتھ ہی میرزا کو صحت حاصل ہوگئی۔

دوسری مرتبہ میرزائے محلاّتی پھر سخت بیمار ہوئے اور اطبّا نے مایوسی کا اظہار کیا تو میں نے سب سے پہلے مرحوم بید آبادی کو ٹیلیگرام کر کے باخبر کیا۔ اور باوجودیکہ میں نے جوابی تار دیا تھا اور جواب کی درخواست بھی کی تھی لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا یہاں تک کہ اسی مرض میں میرزا کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت میں نے جانا کہ مرحوم بید آبادی کی جانب سے جواب نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ میرزا کی حتمی موت کا وقت آچکا تھا جسے صدقے کے ذریعے روکا نہیں جاسکتا تھا۔

اس داستان سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ صدقے کے ذریعے مریض کی شفا میں تعجیل ممکن ہے، بلکہ اس سے مدت میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے۔ اور مریض کی شفا، موت میں تاخیر، طول عمر، اور ستّر قسم کی بلائیں دفع ہونے کے لئے صدقے کی تاثیر کے بارے میں اہلبیت علیہم السّلام سے کافی روایتیں اور بہت سے واقعات منقول ہیں۔!

شائقین کتاب لئالی الاخبار مرحوم تویسرکانی اور کتاب کلمۂ طیبہ مرحوم نوری کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ جب موت حتمی ہو اور کسی شخص کی مزید زندگی خدا کی قطعی حکمت کے خلاف ہو تو ایسے موقع پر دعا اور صدقہ بے اثر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ دنیوی اور اُخروی اعتبار سے انسان اس کے دیگر نیک اثرات سے بہرہ مند بھی ہوتا ہے۔ یہاں اس مطلب کی تائید میں ایک دوسری داستان نقل کی جاتی ہے۔

(۲)

حتمی موت کا کوئی علاج نہیں

مجھ سے مرحوم حاج غلام حسین معروف بہ تمباکو فروش نے بیان کیا ہے کہ میں نے مرحوم آقائے حاج شیخ محمّد جعفر محلّاتی سے سُنا ہے کہ حجۃ الاسلام حاج میرزا محمّد حسن شیرازی مرحوم کی علالت کے موقع پر چند جلیل القدر علماء ان کے بستر کے گرد جمع تھے اور کہہ رہے تھے کہ تمام مشاہد مشرّفہ بالخصوص حرم سیّد الشہداء اور دیگر مقامات مقدسہ میں نیز خاص طور پر مسجد کوفہ میں بہت سے نیک اور متقی اشخاص نے اعتکاف کیا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کی صحت کے لئے دست بہ دُعا ہیں اس کے علاوہ آپ کی سلامتی کے لئے کثرت سے صدقہ بھی دیا گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ دُعاؤں اور صدقات کی برکت سے خدا آپ کو شفا بخشے گا او مُسلمانوں کو فیض پہونچانے کے لئے آپ کو محفوظ رکھے گا مرحُوم میرزا نے یہ الفاظ سُننے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ "یَا مَنْ لَا یَرُدُّ حِکْمَتَہُ الُوُ سَائِلْ" گویا کہ آپ کو الہام ہو چکا تھا کہ آپ کی حتمی موت آپہونچی ہے۔ اور اب اس دُنیا سے کُوچ کرنا لازمی ہے۔ لہٰذا ارشاد فرمایا کہ یہ وسیلے خدا کی حتمی حکمت کو روک نہیں سکتے۔

(۳)

موت کے وقت قرآن کی تلاوت

چونکہ پہلی داستان میں میرزائے محلّاتی مرحوم کے مرض الموت کا ذکر ہو چکا ہے لہٰذا چاہتا ہوں کہ ان کی موت کی داستان بھی نقل کر دوں۔

مرحوم حاج میرزا اسمٰعیل کازرونی فرماتے تھے کہ میرزائے محلّاتیؒ نے نزع کے عالم میں سورۂ حشر کی آخری آیتوں کی تلاوت شروع کی اور انھیں دُہراتے رہے یہاں تک کہ آخری آیت "هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ[۱]" کے وسط میں پہونچتے ہی ان کی روح مقدس عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔

درحقیقت مکمل سعادت اور نیک بختی یہی ہے کہ زندگی کے آخری لمحے میں زبان اور دل خدا کی یاد میں مشغول ہو اور اسی حالت میں موت آجائے اور تمام اہلِ ایمان کی یہی آرزو ہے۔ "وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ[۲]" اللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَاتِمَةَ اَمْرِنَا خَيْرًا بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

۱۔ سورۂ حشر آیت ۲۳

۲۔ سورۂ مطففین آیت ۲۶

(۴)

جنابت باطنی گندگی ہے

آقائے رضوی نے فرمایا کہ سابق الذکر مرحوم بید آبادی زیارت مدینۂ منوّرہ کے قصد سے بوشہر کے راستے شیراز تشریف لائے اور تقریباً دو ماہ اس شہر میں قیام فرمایا۔ آپ آقائے علی اکبر مغازہ ای کے مہمان تھے اور اسی مکان میں نماز جماعت نیز آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کے لئے تینوں وقت خواص اور مومنین کی ایک جمعیت حاضر ہوتی تھی۔ ایک شب مجھ پر غسل جنابت واجب تھا لہٰذا اذان صبح کے بعد حمّام جانے کے لئے گھر سے باہر نکلا۔ ناگاہ حاج شیخ محمّد باقر شیخ الاسلام کو دیکھا کہ آقائے بید آبادی کی خدمت میں جا رہے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا کیا تم میرے ساتھ نہیں چل رہے ہو؟ مجھے یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ میں حمّام جا رہا ہوں۔ لہٰذا ان کے ساتھ ہو لیا اور اپنے دل میں کہا کہ ابھی وقت زیادہ ہے آقائے بید آبادی کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد حمّام چلا جاؤں گا۔ جب ہم دونوں ان کے سامنے حاضر ہوئے تو پہلے آقائے شیخ الاسلام نے ان سے مصافحہ کیا انھوں نے آہستہ سے میرے کان میں فرمایا، "حمّام زیادہ ضروری تھا۔"

میں اُن کی یہ روشن ضمیری دیکھ کے لرز اُٹھا اور خجالت و ندامت کے ساتھ واپس ہونے لگا۔ مرحوم شیخ الاسلام نے کہا، آقائے رضوی کہاں جا رہے ہو؟ مرحوم بید آبادی نے فرمایا، انھیں جانے دو انھیں ایک ضروری کام درپیش ہے۔

اس داستان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حدث جنابت اور دیگر احداث محض اعتباری امور نہیں ہیں جن کے لئے شارع مقدّس نے کچھ احکام مقرّر فرما دیئے ہیں۔ جیسا کہ بعض اہلِ علم نے تصوّر کیا ہے۔ بلکہ تمام حدث یعنی غسل و وضو کے تمام موجبات خصوصاً جنابت سب کے سب حقیقی اور واقعی امور ہیں۔ یعنی ان کی وجہ سے روح میں ایک طرح کی

گندگی، کثافت، اور تیرگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی موجودگی میں اُسے نماز سے کوئی مناسبت نہیں رہتی اور نماز باطل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ عمل بارگاہِ خداوندی میں حاضری اور مناجات کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس باطنی گندگی کے باعث اس حالت میں کوئی چیز کھانا، سونا، قرآن مجید کی سات آئیتوں سے زیادہ تلاوت کرنا، اور ایسے شخص کے قریب جانا جو احتضار اور نزع کے عالم میں ہو کروہ ہے۔ (کیونکہ اس موقع پر محتضر ملائکہ رحمت کی ملاقات کا سخت محتاج ہوتا ہے اور ملائکہ جنابت و حیض کی کثافت سے شدید نفرت کرتے ہیں) علاوہ اُنکے جنابت اور حیض کی حالت میں دیگر محرّمات و مکروہات جو سب کے سب اسی باطنی گندگی کی بنیاد پر ہیں۔ چنانچہ جن مخلص شیعہ اور پیروانِ اہلبیتؑ علیہم السّلام کو مجاہدات نفسانیہ اور ریاضات شرعیہ کی وجہ سے خداوند عالم نے ایک روشن دِل عنایت فرمایا ہے اور وہ ماورائے حِس امور کا ادراک کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ اس گندگی کو بھی سمجھ لیں جیساکہ مرحوم بید آبادی نے معلوم کر لیا۔

اس داستان کی مثالیں بہت سی ہیں منجملہ اُن کے مرحوم تنکابنی کی کتاب قصص العلماء میں مرحوم آقا سیّد عبدالکریم ابنِ سیّد زین العابدین لاہجی کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ میرے والد ماجد بتاتے تھے کہ میں عتبات عالیات میں تحصیل علم کر رہا تھا اور یہ مرحوم آقا باقر وحید بہبہانی علیہ الرحمہ کا آخری زمانہ تھا۔ آقا اپنی ضعیفی اور پیرانہ سالی کی وجہ سے درس نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ان کے شاگرد یہ کام انجام دیتے تھے۔ البتہ آقا اپنے گھر میں تبرکاً ایک مجلس درس منعقد فرماتے تھے جس میں شرح لمعہ کا سطحی درس دیا کرتے تھے۔ اور ہم چند تلامذہ بقصد تبرّک اسمیں حاضر ہوتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز مجھے غُسل جنابت کی حاجت ہو گئی اور نماز بھی قضا ہو گئی تھی اور آقا کے درس کا وقت آچکا تھا میں نے دل میں کہا کہ میں پہلے آقا کے یہاں حاضری دوں گا تاکہ درس میں خلل نہ پڑے۔ اور اس کے بعد اسی طرف سے حمام جا کر غسل کر لوں گا۔ جب میں مجلسِ درس میں پہونچا تو اس وقت تک آقا تشریف نہیں لائے تھے۔ جب آپ وارد ہوئے تو انتہائی بہجت و بشاشت کے ساتھ حاضرین مجلس پر نظر ڈال رہے تھے۔ یکایک ان کے بشرے پر غم و اندوہ کے تاثرات وارد ہوئے۔ اور فرمایا، آج درس نہ ہوگا۔ آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو

جائیے لوگ اُٹھ کے جانے لگے لیکن جب میں نے جانے کا قصد کیا تو مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا جب سب لوگ چلے گئے اور کوئی باقی نہیں رہا تو فرمایا، جس جگہ تم بیٹھے ہوئے ہو وہاں فرش کے نیچے کچھ پیسے رکھّے ہوئے ہیں۔ اُنھیں اُٹھاؤ اور جاکے غسل کرو اب اس کے بعد کبھی جنابت کی حالت میں ایسی مجلس میں نہ آنا۔

اسی نہج کا ایک واقعہ کتاب مستدرک الوسائل جلد ۳ صہ ۱۴۰ میں بسلسلۂ حالات عالمِ بزرگوار صاحبِ مقامات و کرامات جناب سیّد محمّد باقر قزوینیؒ سے منقول ہے کہ ۱۲۴۶ھ میں نجف اشرف کے اندر ایسا شدید طاعون پھیلا کہ اس میں تقریباً چالیس ہزار جانیں تلف ہوئیں اور جس شخص کے لئے ممکن ہوا اس نے یہاں سے فرار اختیار کیا سوا جناب سیّد موصُوف کے جنھیں طاعون پھیلنے سے قبل ہی شب میں حضرت امیرالمومنینؑ نے عالمِ خواب میں خبر دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ "بِكَ يُخْتَمُ يَا وَلَدِيْ" یعنی طاعون سے مرنے والوں میں تم آخری شخص ہوگے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی یعنی سیّد کے انتقال کے بعد طاعون ختم ہو گیا اور اس تمام مدّت میں روزانہ صُبح سے رات تک سیّد کا شغل صحن مُقدّس میں نمازِ میّت پڑھنا تھا آپ نے چند لوگوں کو غسل و کفن کے لئے، اور چند لوگوں کو دفن کے لئے مامور فرمایا تھا۔

یہاں تک کہ کہتے ہیں مجھے سیّد مُرتضیٰ نجفی نے خبر دی کہ انھیں اوقات میں ایک روز میں سیّد کے پاس موجود تھا ایک بوڑھا عجمی شخص جو نجف اشرف کے مجاورین میں بہت ہی نیک خصلت انسان تھا آیا اور سیّد کو دیکھ دیکھ کے گریہ کرنے لگا جیسے کہ اس کو سیّد سے کوئی کام ہو لیکن سیّد تک پہونچ نہ سکتا ہو جب جناب سیّد نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو مجھ سے فرمایا کہ اس سے پوچھو، کہ کیا کوئی ضرورت ہے؟ میں اس کے قریب گیا اور دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اگر ان دنوں میں مُجھ کو بھی مَوت آجائے تو میری تمنّا ہے کہ جناب سیّدؒ تنہا میرے جنازے پر انفرادی طور سے نماز پڑھیں (اس لئے کہ جنازوں کی کثرت کی وجہ سے سیّدؒ متعدد میّتوں پر ایک ہی نماز پڑھتے تھے۔) میں نے پلٹ کے اس کی حاجت بیان کی تو سیّدؒ نے اسے قبول فرمالیا۔ وہ پیرمَرد واپس چلا گیا۔ دوسرے روز ایک جوان شخص روتا ہوا آیا اور کہا

میں انھیں پیرِ مرد کا بیٹا ہوں اور آج ان پر طاعون کا حملہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے مجھے بھیجا
ہے کہ جناب سیدؒ ان کی عیادت فرمائیں۔ سیدؒ تیار ہو گئے اور جنازوں پر نماز پڑھنے کے لئے
اپنی جگہ پر ایک باعمل سید کو معین کر کے خود اس مرد صالح کی عیادت کے لئے روانہ
ہوئے مومنین کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ ہو گئی اثنائے راہ میں ایک مرد مومن اپنے گھر
سے برآمد ہوا۔ جب اس نے جناب سیدؒ اور ان کے ہمراہیوں کو دیکھا تو پوچھا کہ آپ لوگ
کہاں جا رہے ہیں۔؟ میں نے کہا فلاں شخص کی عیادت کو، اس نے کہا میں بھی آپ کے
ساتھ چل رہا ہوں تاکہ عیادت کا شرف حاصل کر سکوں۔ جب سیدؒ اس مریض کے پاس پہونچے
تو وہ بہت ہی شاد و مسرور ہوا۔ اور ہم میں سے ہر شخص کے ساتھ محبّت و اخلاص کا اظہار کرنے
لگا یہاں تک کہ وہ نیک انسان جو راستے میں ہمارے ساتھ شامل ہوا تھا سامنے پہونچا
اور سلام کیا تو دفعتاً مریض کی حالت متغیر ہو گئی اور وحشت و اضطراب کے عالم میں اپنے ہاتھ
اور سر سے اس کو اشارہ کرنے لگا کہ واپس جاؤ اور باہر نکلو نیز اپنے فرزند کو اشارہ کیا کہ انھیں
گھر سے باہر لے جاؤ۔ اس کیفیت پر تمام حاضرین متعجب اور حیرت زدہ ہو گئے کیونکہ اس
مریض اور اس شخص کے درمیان تو پہلے سے کوئی شناسائی بھی نہیں تھی۔ وہ شخص باہر چلا
گیا تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا اس مرتبہ مریض نے اُسے دیکھ کے تبسّم کیا اور رضامندی
و خوشنودی کا اظہار کیا۔

جب ہم سب گھر سے باہر نکلے تو اس شخص سے اس صورتحال کا راز دریافت کیا۔
اس نے کہا میں جنابت سے تھا اور گھر سے حمّام جانے کے لئے نکلا تھا جب آپ لوگوں کو دیکھا
تو سوچا کہ پہلے عیادت کر لوں اس کے بعد حمّام چلا جاؤں گا۔ لیکن جب وہاں پہونچا اور مریض
کے شدید تنفّر کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ میری جنابت کا اثر ہے۔ چنانچہ باہر گیا اور غسل کر کے
واپس آیا اور آپ نے دیکھا کہ اس بار اس نے کس طرح محبّت و خوشحالی کا مظاہرہ کیا۔

صاحب مستدرک یہ عجیب داستان لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں ایک وجدان کی
تصدیق ہے۔ اسی بنا پر شرعِ مقدّس میں اسرارِ غیب کے طور پر وارد ہے کہ جنب اور حائض ،
حالتِ احتضار میں قریب نہ جائیں۔

(۵)

طیّ الارض کی کرامت

فاضل محقق جناب آقائے میرزا محمود مجتہد شیرازی مقیم سامرہ رحمت اللہ علیہ
نے مرحوم سید محمّد علی رشتی سے جنھوں نے اپنی عُمر کا بڑا حصّہ ریاضات شرعیّہ اور مجاہدات
نفسانیہ میں گزارا تھا۔ نقل فرمایا کہ جس زمانے میں مَیں مدرسۂ حاج قوام نجف کا طالبِ علم
اور تحصیلِ علم میں مشغول تھا طلّاب کے درمیان مشہور تھا کہ ایک پارہ دوز (یعنی لباس یا
جوتیوں میں پیوند لگانے والا) شخص جو باب طوسی کے پھاٹک پر بیٹھتا ہے طے الارض کی
کرامت رکھتا ہے۔ اور ہر شب جمعہ میں نماز مغرب وادی السّلام کے اندر مقام مہدیؑ
میں اور نماز عشاء حرم حضرت سیّدالشہداءؑ میں بجالاتا ہے۔ درحالیکہ نجف اشرف
اور کربلائے معلّٰی کے درمیان تیرہ۱۳ فرسخ سے زیادہ (تقریباً پچاس۵۰ میل) کا فاصلہ اور
پا پیادہ چلنے والے کے لئے تقریباً دو روز کا راستہ ہے۔ میں نے چاہا کہ اس امر کی تحقیق
کروں تاکہ اس اطلاع پر یقین حاصل ہو سکے۔ چنانچہ اس پارہ دوز مرد صالح کے پاس آمد و
رفت شروع کر کے اس سے دوستی قائم کی۔ جب ہم دونوں کی دوستی اور رفاقت پختہ ہو
گئی تو چہارشنبہ کے روز ایک طالبِ علم سے جس کے ساتھ میرے مذاکرے کا سلسلہ تھا ،
اور جس پر مجھ کو پورا اعتماد تھا کہا کہ آج کربلائے معلّٰی کے لئے روانہ ہو جاؤ اور شبِ جمعہ حرم
مبارک میں بسر کر کے دیکھو کہ میرا پارہ دوز رفیق وہاں نظر آتا ہے یا نہیں۔ جب وہ چلا گیا
تو پنجشنبہ کے روز وقت غروب میں اُداس چہرے کے ساتھ پارہ دوز کے پاس پہونچا اور
اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ اس نے کہا تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا ایک اہم معاملہ ہے جسکی
اطلاع اسی وقت اپنے رفیق فلاں طالبِ علم کو پہونچانا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ کربلائے
معلّٰے جا چکا ہے اور فی الحال اس کے پاس رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس نے کہا پوری بات
بتاؤ، خدا اس پر قادر ہے کہ تمھارا پیغام آج ہی شب میں اس کو پہونچ جائے۔ میں نے وہ

خط جو پہلے سے لکھ رکھا تھا اس کے سُپرد کیا اور وہ خط لے کر وادی السّلام کی طرف چلا گیا، اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا یہاں تک کہ شنبے کے روز میرا رفیق آیا۔ اور وہ خط مجھے دیتے ہوئے کہا کہ شب جمعہ میں نمازِ عشاء کے وقت وہ پارہ دوز حرم میں آیا اور یہ خط مجھے دیا۔

جب میں نے یہ ماجرا دیکھا تو یقین کر لیا کہ پارہ دوز کو طیّ الارض کی کرامت حاصل ہے اور یہ قصد کر لیا کہ اس سے درخواست کروں گا کہ ایسی کوئی صورت بتائے جس سے مجھ کو بھی یہ صفت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اپنے گھر میں اس کی دعوت کی چونکہ فضا گرم تھی اس لئے ہم لوگ مکان کی چھت پر چلے گئے جہاں سے حضرت۔۔ امیر المومنین علیہ السّلام کے روضۂ اقدس کا گنبد نظر آ رہا تھا۔ رات کا مختصر کھانا کھانے کے بعد میں نے اس سے کہا کہ اس دعوت سے میرا مقصد یہ ہے کہ مجھکو یقین ہو چکا ہے کہ تم کو طیّ الارض کی کرامت حاصل ہے، اور وہ خط جو میں نے تمھیں دیا تھا اسی کا یقین حاصل کرنے کے لئے تھا۔ چنانچہ اب میں تم سے یہی خواہش رکھتا ہوں کہ میری رہنمائی کرو کہ میں کیا تدبیر کروں جس سے مجھے بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔

جب اس نے یہ بات سُنی اور سمجھ لیا کہ اس کا راز فاش ہو چکا ہے تو ایک چیخ ماری اور خشک لکڑی کے مانند گر پڑا۔ یہ دیکھ کے میں گھبرا گیا اور سمجھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تھوڑی دیر کے بعد جب وہ ہوش میں آیا تو کہا کہ اے سیّد جو کچھ بھی ہے وہ انھیں آقا کے ہاتھوں میں ہے اور گنبد مطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، کہ جو کچھ بھی چاہتے ہو انھیں سے مانگو اس کے بعد میرے پاس سے چلا گیا اور دوبارہ نجف اشرف میں نظر نہیں آیا۔ اور جہاں تک میں نے تحقیق کی کسی اور نے بھی اسے نہیں دیکھا۔ یہ داستان میں نے دیگر چند عُلمائے اعلام سے بھی سُنی ہے اور سب نے اسے رحمتی مرحوم کی زبانی نقل کیا ہے۔

اس کا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص تعجب نہ کرے اور اسے اس واقعے پر یقین کرنے میں تامّل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آئمہ طاہرین علیہم السّلام کے لئے اپنے کسی دوست کو طیّ الارض کی طاقت عطا کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اور اس مطلب کے ثبوت

کے لئے روایات کی کتابوں میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ منجملہ ان کے بحار الانوار جلد گیارہ کے اندر امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے حالات کے ذیل میں علی ابنِ یقطین سے جو ہارون رشید کے وزیر اعظم اور خالص شیعوں میں سے تھے منقول ہے کہ ابراہیم جمّال کوفی کو ان سے سخت شکایت اور رنج تھا۔ چنانچہ جب یہ مدینہ منوّرہ میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؑ نے ان سے بے اعتنائی فرمائی اور فرمایا کہ جب تک ابراہیم تم سے راضی نہ ہوں گے میں بھی تم سے راضی نہ ہوں گا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ابراہیم کوفے میں ہیں اور میں مدینے میں۔ پس حضرتؑ نے انھیں یہ اعجاز ایک لمحے میں مدینے سے کوفے ابراہیم کے گھر کے دروازے پر پہونچا دیا۔ انھوں نے ابراہیم کو آواز دی، وہ گھر سے باہر آئے تو علی ابنِ یقطین کو حیران و پریشان دیکھا، علی نے اُن سے صورتِ حال بیان کی اور انھیں اپنے سے راضی کیا بلکہ اپنا چہرہ زمین پر رکھ کے انھیں قسم دی کہ اپنا پاؤں میرے مُنھ پر رکھو تاکہ امامؑ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد اسی لحظے مدینے واپس ہو گئے۔ اور امامؑ ان سے خوش ہو گئے۔ اسی طرح امام محمد تقی علیہ السّلام کا دمشق کی مسجد الحرام میں پہونچانا اور پھر اپنی جگہ پر واپس لانا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر نظیریں بھی ہیں لیکن ان کا ذکر اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے کیونکہ اس میں صرف وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جو مُعتبر اور موثق حضرات سے سُنے یا یاد رکھّے گئے ہیں۔ البتہ تائید کے لئے کہیں کہیں کتابوں کے حوالے بھی دے دیئے گئے ہیں۔

(۶)

موت کے بعد زندہ ہونا

نیز میں نے اُنھیں مرحوم یعنی آقا میرزا محمود سے سُنا کہ نجف اشرف میں مرحوم آقا شیخ محمد حسین قمشرای جو فضلاء اور مرحوم سید مرتضیٰ کشمیری کے شاگردوں میں سے تھے اُن کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ وہ قبر سے بھاگے ہوئے ہیں اور اس شہرت کا سبب جیسا کہ خود میں نے اُنھیں مرحوم سے سُنا یہ تھا کہ وہ اٹھارہ سال کے سن میں قمشہ کے اندر چیچک کے مرض میں مُبتلا ہوئے اور ان کا یہ مرض روز بروز سخت ہوتا گیا۔ اتفاق سے وہ انگور کی فصل تھی اور جس کمرے میں ان کا قیام تھا اس میں کثرت سے انگور جمع کئے جاتے تھے چنانچہ وہ بغیر کسی کو بتائے ہوئے ان میں سے انگور کھاتے رہے اور مرض بڑھتا رہا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

جو لوگ وہاں موجود تھے وہ گریہ وزاری کرنے لگے اور جب ان کی ماں پہونچیں اور اپنے فرزند کو مُردہ دیکھا تو کہا جب تک میں واپس نہ آجاؤں کوئی شخص میرے بیٹے کے جنازے کو ہاتھ نہ لگائے۔ اس کے بعد فوراً قرآن مجید اٹھایا اور مکان کی چھت پر جا کے بارگاہ خداوندی میں تضرّع وزاری شروع کی اور قرآن مجید اور سیّد الشہداء امام حُسین علیہ السّلام کو شفیع اور وسیلہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ جب تک میرا بیٹا واپس نہ ملے گا میں آپ سے دستبردار نہ ہوں گی۔

ابھی چند ہی منٹ گُزرے ہوں گے کہ آقا محمد حُسین کے جسم میں جان واپس آگئی انھوں نے چاروں طرف دیکھا تو اپنی ماں کو نہیں پایا تو کہا، میری والدہ سے کہو کہ آئیے خدا نے مُجھے حضرت عبد الحسینؑ کو بخش دیا ہے۔ میری ماں کو خبردار کر دو کہ تمھارا بیٹا زندہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی سرگذشت بیان کی کہ جب میری مَوت کا وقت آیا تو دُو سفید پوش نورانی

شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ تمھیں کیا پریشانی ہے؟ میں نے کہا میرے تمام اعضا درد کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے میرے پاؤں پر ہاتھ پھیرا تو پاؤں کی تکلیف دور ہو گئی۔ اسی طرح جسقدر اوپر کی طرف ہاتھ بڑھاتا رہا بدن کا درد ختم ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ گھر کے سب لوگ رو رہے ہیں۔ میں نے ہر چند انھیں سمجھانا چاہا کہ اب مجھ کو آرام ہے لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ بالآخر دونوں نے مجھے عالم بالا کی جانب حرکت دی۔ اس وقت میں بہت خوش وخُرّم تھا۔ اثنائے راہ میں ایک نورانی صورت بزرگ تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ میں نے اس شخص کو مزید تیس۳۰ سال کی زندگی عطا کی ہے۔ اور چونکہ اس کی ماں نے میرا وسیلہ اختیار کیا ہے لہذا اسے واپس لے جاؤ۔ وہ لوگ مجھے تیزی کے ساتھ واپس لائے۔ اب میں نے آنکھیں کھولیں تو میرے گرد و پیش لوگوں کو روتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ آپکا توسّل مقبول ہوا۔ اور مُجھے تیس سال کی عمر عطا ہوئی ہے۔ نجف اشرف کے اکثر حضرات جنھوں نے خود اُن سے یہ آپ بیتی سُنی تھی۔ تیس سال پورے ہونے پر ان کی مَوت کے منتظر تھے، اور یہی مُقرّرہ مُدّت تمام ہونے پر نجف اشرف میں ان کا انتقال ہوا۔ اسی سے مِلتا جُلتا ہوا واقعہ وہ ہے جو کتاب دارالسلام کے آخر میں کربلائے معلّی کے مُجاور مرد صالح اور متّقی ملا عبد الحسین سے منقول ہے۔ یہ ایک طولانی داستان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملّا عبد الحسین کا لڑکا گھر کے بالا خانے سے گر کر ہلاک ہو گیا اس کا باپ اس پریشانی میں نالہ وفریاد کرتا ہوا بے اختیار حرم حضرت سیّد الشہداءؑ میں پناہ گیر ہوا، اپنے بیٹے کی زندگی طلب کی اور عرض کیا کہ جب تک آپ مجھکو میرا بیٹا نہ دیں گے میں حرم سے باہر نہ جاؤں گا۔ بالآخر جب ہمسائے انتظار کے بعد باپ کے آنے سے مایوس ہو گئے تو آپس میں طے کیا کہ اب جنازے کو اس سے زیادہ روکا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ مجبوراً میّت کو غسلخانے لے گئے اثنائے غسل میں شفاعت حضرت سیّد الشہداءؑ سے اس کی روح جسم میں واپس آگئی اور وہ اپنا لباس پہن کے اور اپنے پاؤں چل کے حرم میں واپس آیا اور اپنے باپ کے ساتھ گھر واپس آیا۔ ائمہ طاہرین علیہم السّلام کے ایسے معجزات کثرت سے ہیں جن میں سے کچھ کتاب مدینۃ المعاجز میں بھی مذکور ہیں۔

(۷)

دشمن سے نجات

نیز نقل فرمایا ہے کہ شیخ محمد حسین قمشہ ای موصوف نے عراق کے اندر مدفون ائمہ طاہرین علیہم السّلام کی زیارت کے قصد سے ایک تیز رو اُلاغ (سواری کا گدھا) خریدا اور لباس و خوراک اور چند کتابوں پر مشتمل سامان سفر خورجین میں رکھ کے اُلاغ کے زین سے باندھ دیا۔ منجملہ اس کے ایک کتابچہ بھی تھا جس میں مناسب اور لازمی مطالب لکھ لئے تھے۔ اور ضمناً کچھ ایسی باتیں بھی درج تھیں جو تقیّہ کی منافی اور مخالفین کی لعن اور قدح کے بارے میں تھیں۔ قافلہ روانہ ہو کر بغداد کی چوکی پر پہونچا تو ایک تفتیش کرنے والا دو سپاہیوں کے ساتھ آیا اور کہا کہ شیخ کی خورجین کی تلاشی لی جائے اتفاق سے مفتش نے تمام کتابوں کے درمیان سے وہی کتابچہ اٹھا کے کھولا اور وہی صفحہ پڑھا جس میں تقیّہ کے برخلاف مطالب تحریر تھے۔ پھر شیخ پر خشم آلود نظر ڈالتے ہوئے سپاہیوں سے کہا کہ شیخ کو بڑی عدالت میں لے جاؤ اس نے شیخ کو گرفتار کرنے کے بعد دیگر تمام زائرین کو بغیر تفتیش کے رہا کر دیا۔ اور خود بھی چلا گیا۔

پہلے اس چوکی اور شہر کے درمیان ایک لمبی مسافت ایسی تھی جو آبادی سے خالی تھی۔ اُن دونوں سپاہیوں نے شیخ کے سامان کو اُلاغ پر بار کیا اور انھیں چوکی سے نکال کے آگے روانہ ہوئے۔

تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُلاغ اس طرح سے راستہ چلنے سے عاجز ہو گیا کہ وہ دونوں سپاہی سخت پریشان ہو گئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو تھک گیا ہوں یہ شیخ کہیں بھاگ تو سکتے نہیں۔ میں آگے چل رہا ہوں تم پیچھے سے آنا۔ تھوڑی مُسافت طے کرنے کے بعد بالآخر تیز دھوپ اور گرم ہوا کے باعث دوسرا سپاہی بھی خستہ حال اور پیاس کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور شیخ سے کہا کہ میں آگے چل رہا ہوں تاکہ سائے اور پانی تک پہونچ سکوں، تم پیچھے سے آکے مجھ سے مل جانا۔

شیخ نے جب اپنے کو تنہا اور قید سے آزاد پایا اور خستہ بھی ہو چکے تھے لہٰذا اُلاغ پر سوار ہو گئے۔ ان کے سوار ہوتے ہی اُلاغ کی حالت بدل گئی اُس نے اپنی دونوں کنوتیاں کھڑی کیں اور عربی گھوڑے کی مانند انتہائی تیزی سے دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ پہلے سپاہی کے پاس پہونچ گیا۔ جونہیں شیخ نے اس سے کہنا چاہا کہ اُلاغ ٹھیک ہو گیا ہے آؤ تم بھی سوار ہو جاؤ تو معلوم ہوا کہ کسی نے ان کا منھ دبا دیا ہے اور یہ کچھ بھی نہ کہہ سکے چنانچہ اُسی تیزی کے ساتھ سپاہی کے پہلو سے گُزر گئے۔ اور وہ بھی کچھ سمجھ نہیں سکا۔ شیخ نے سمجھ لیا کہ یہ لُطفِ خداوندی ہے۔ اور انھیں نجات ملنے والی ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے سپاہی کے پاس بھی پہونچ گئے۔ لیکن اس سے کچھ کہا نہیں، اور وہ بھی اندھا بہرہ ہو گیا۔ اور شیخ کو دیکھ نہیں سکا اس مقام سے آگے بڑھنے کے بعد انھوں نے اُلاغ کی لگام چھوڑ دی تاکہ یہ جہاں خدا چاہتا ہے لے جائے۔ اُلاغ بغداد کے اندر پہونچا اور سرعت کے ساتھ شہر کے کوچوں سے گزرتا ہوا کاظمین علیہ السّلام میں وارد ہوا پھر اس کی گلیوں کو طے کرتا ہوا اپنے کو اس گھر تک پہونچایا جس میں شیخ کے رفقاء موجود تھے اور اپنے سر کو دروازے سے ٹکرانا شروع کیا۔ اپنے رفیقوں سے ملنے کے بعد یہ عجلت کے ساتھ کاظمینؑ سے روانہ ہو گئے اور اس عظیم شر سے نجات پر خدا کا شکر ادا کیا۔

(۸)

ضریحِ امیر المومنینؑ کی نور افشانی اور دروازۂ نجف کا کھلنا

نیز جناب شیخ محمد حسین موصوف سے نقل فرمایا ہے کہ ایک شب دو گھنٹے رات گئے میں ترشی (اچار) خریدنے کے لئے گھر سے باہر نکلا اور ترشی فروش کی دوکان شہر کی دیوار سے قریب ہی تھی۔ (سابق زمانے میں شہر نجف اشرف کے گرد حصار اور اس میں ایک دروازہ تھا یہ دروازہ بڑے بازار سے متصّل، بڑا بازار صحن مقدّس کے دروازے سے متصّل اور صحن مقدّس کا دروازہ اس طرح سے ایوان طلا اور دروازۂ رواق کے مقابل تھا کہ اگر تمام دروازے کھلے ہوتے تو ایک شخص اس دروازۂ شہر سے ضریح اقدس کو دیکھ سکتا تھا۔) شیخ کہتے ہیں، میں نے وہاں سے گزرتے ہوئے سُنا کہ چند اشخاص دروازے کے پیچھے سے دروازہ پیٹ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، "یَا عَلِیؑ اَنْتَ فُلْقَ الْبَابَ"، یعنی یا علیؑ آپ دروازہ کھول دیجئے۔ اور پہرہ دار لوگ اس پر کوئی توجہ نہیں کر رہے تھے۔ کیونکہ جب وہ رات شروع ہوتے ہی دروازہ بند کر دیتے تھے تو صبح تک اس کا کھولنا ممنوع تھا۔ شیخ موصوف آگے بڑھ گئے اور ترشی خریدنے کے بعد واپس ہوتے ہوئے دروازے کے پاس پہونچے تو اس بار سُنا کہ جو زائرین دروازے کی پُشت پر تھے سخت نالۂ وفریاد کر رہے تھے اور پاؤں کو شدّت سے زمین پر ٹپکتے ہوئے عرض کر رہے تھے کہ یا علیؑ دروازہ کھولئے۔ شیخ اپنی پُشت دیوار سے لگا کر آنکھ کی داہنی جانب سے دروازے کو دیکھ رہے تھے ایکبار دیکھتے ہیں کہ قبر مُبارک کی طرف سے نارنگی کے برابر آبی رنگ کا ایک نور خارج ہوا اس میں دو طرح کی حرکت تھی ایک اپنے گرد اور دوسری صحن اور بڑے بازار کی جانب، اور وہ پورے سکون و وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اور شیخ بھی پوری کوشش سے اس پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی آرام کے ساتھ آہستہ آہستہ شیخ کے سامنے سے گزرتا ہوا دروازے سے ٹکرایا۔ دفعتاً دروازہ اور اس کا چوکھٹا دیوار سے اکھڑ کر زمین پر گر پڑا۔ اور وہ عرب لوگ انتہائی مسرّت اور شادمانی

کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں داستان سے اکثر اہلِ نجف بالخصوص اہلِ علم حضرات واقف ہیں۔ اور ابھی بعض علماء جنھوں نے مرحوم محمد حسینؒ کو دیکھا اور ان مطالب کو بلاواسطہ ان کی زبان سے سُنا ہے بقید حیات ہیں۔ اگر اُن نقل کرنے والوں کے نام نقل کئے جائیں تو بلا ضرورت طول دینا پڑے گا۔

(۹)

امام رضاؑ کا معجزہ، بیمار کی شفا

نیز جناب میرزا مرحوم جناب شیخ محمد حسین موصوف سے نقل کرتے ہیں کہ وہ مشہد مقدّس میں امام رضا علیہ السّلام کی زیارت کے لئے عراق سے روانہ ہوئے جب مشہد مقدّس پہونچے تو ان کے ہاتھ کی انگلی میں ایک دانہ نکل آیا جس سے انھیں شدید تکلیف پیدا ہو گئی۔ چند اہلِ علم افراد انھیں شفا خانے لے گئے۔ نصرانی جرّاح نے کہا کہ اس انگلی کا فوراً کاٹ دینا ضروری ہے۔ ورنہ یہ مادّہ اوپر کی طرف سرایت کر جائے گا۔

جناب شیخ نے اُسے قبول نہیں کیا اور انگلی کٹوانے پر تیار نہیں ہوئے۔ طبیب نے کہا اگر کل آؤ گے تو گٹّے پر سے ہاتھ کاٹنا ہو گا شیخ واپس آ گئے درد بڑھتا رہا اور یہ رات بھر نالۂ فریاد کرتے رہے۔ صُبح کو انگلی کاٹنے پر راضی ہوئے چنانچہ جب اُنھیں۔۔ شفا خانے لے گئے تو جرّاح نے معائنہ کر کے کہا کہ اب گٹّے پر سے ہاتھ کاٹنا ہو گا۔ یہ آمادہ نہیں ہوئے اور کہا میں صرف انگلی کٹوانے پر راضی ہوں۔ جرّاح نے کہا اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اور اگر آج ہاتھ گٹّے پر سے نہ کاٹا گیا تو زہر اور اوپر تک سرایت کرے گا اور کل

ہاتھ کو شانے پر سے کاٹنا پڑے گا۔ شیخ واپس آئے اور درد اتنا بڑھا کہ یہ صبح کو ہاتھ کاٹنے پر راضی ہو گئے۔ جب اُنھیں پھر جرّاح کے پاس لے گئے تو اس نے دیکھ کے کہا کہ اب زہر اوپر پہونچ چکا ہے۔ اور ہاتھ شانے پر سے کاٹنا لازمی ہو گیا ہے۔ اب گٹّے پر سے کاٹنے سے کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ اور اگر آج شانے سے نہ کاٹا گیا تو کل تک تمام اعضاء میں پھیل جائے گا یہاں تک کہ قلب تک پہونچ جائے گا اور ہلاکت واقع ہو جائے گی۔ شیخ نے شانے سے ہاتھ کاٹنے کی اجازت نہیں دی اور واپس آ گئے۔ درد شدّت پکڑتا گیا۔ یہ صبح تک چیختے اور نالہ کرتے رہے۔ اور بالآخر شانے سے ہاتھ کٹوانے کو منظور کر لیا۔ ان کے رفقاء اسی مقصد سے انھیں جراح کے پاس لے کر چلے۔ اثنائے راہ میں شیخ نے کہا۔ دوستو! ہو سکتا ہے کہ میں شفاخانے میں ہی مر جاؤں لہٰذا مجھے پہلے حرم مطہّر میں لے چلو۔

لوگوں نے انھیں حرم اقدس کے ایک گوشے میں بٹھا دیا۔ شیخ نے شدّت سے گریہ و زاری کی، اور امامؑ کی خدمت میں شکایت کرتے ہوئے کہا۔ آیا یہ مناسب ہے کہ آپ کا زائر ایسی بلا میں گرفتار ہو اور آپ اس کی فریاد کو نہ پہونچیں؟ وَ اَنْتَ الْاِمَامُ الرَّؤُوْفُ؟ (حالانکہ آپ بہت مہربان امامؑ ہیں۔) بالخصوص اپنے زائر کے حق میں"۔ اس کے بعد ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی عالم میں انھوں نے امام رضا علیہ السّلام کی زیارت کی، حضرتؑ نے اپنا، دستِ مُبارک اُن کے شانے سے انگلیوں تک کھینچا اور فرمایا "تم نے شفا پائی"۔ شیخ اپنے ہوش میں آئے تو دیکھا کہ اُن کے ہاتھ میں قطعاً درد نہیں ہے ان کے رفقاء اگر انھیں شفاخانے لے گئے انھوں نے اپنے رفیقوں سے بھی حضرتؑ کے دستِ مُبارک کی برکت سے اپنی صحت کا حال بیان نہیں کیا۔ جب انھیں نصرانی جرّاح کے سامنے پیش کیا اور جرّاح نے ان کے ہاتھ پر نظر ڈالی تو اس دانے کا کوئی بھی نشان نہیں ملا۔ اس نے اس احتمال سے کہ شاید دوسرا ہاتھ ہو اس ہاتھ کو بھی دیکھا۔ تو اُسے بھی صحیح و سالم پایا۔ اس نے کہا اے شیخ! آیا تم نے حضرت مسیحؑ سے ملاقات کی ہے؟۔

اُنھوں نے فرمایا، میں نے انھیں دیکھا ہے جو مسیح سے بھی بالاتر ہیں۔ اور انھیں نے مجھے شفا بخشی ہے۔ اس کے بعد امامؑ کے شفا دینے کا ماجرا بیان کیا۔

(۱۰)

امام رضاؑ کی عنایت اور صلہ

میں نے عالم عامل اور فاضل کامل جناب حاج شیخ محمد رازی مؤلف کتاب آثار الحجۃ وغیرہ سے سُنا، کہ میں نے جناب سید العلماء مرحوم حاج آقا یحیٰی (امام جماعت مسجد حاج سید عزیز اللہ تہران) اور دیگر اہلِ علم سے سُنا ہے جنھوں نے مرحوم حاج شیخ ابراہیم مشہور بہ صاحب الزمانی سے نقل کیا ہے کہ میں نے گیارہ ذیقعدہ یوم ولادت امام علی رضا علیہ السّلام میں ایک قصیدہ ان حضرت کی ولادت اور مدح کے بارے میں کہا۔ اور اس ارادہ کے ساتھ گھر سے باہر نکلا کہ نائب التولیہ سے ملاقات کر کے یہ قصیدہ سُناؤں گا۔ جب میں صحن مقدّس سے گزر رہا تھا تو اپنے دل میں کہا کہ نادان! حقیقی بادشاہ تو یہیں ہیں۔ تو کہاں جا رہا ہے۔ اپنا قصیدہ خود انھیں حضرتؑ کے سامنے کیوں نہیں پڑھتا۔؟

چنانچہ اپنے پہلے قصد سے پشیمان اور تائب ہو کر حرم مطہر میں مشرّف ہوا اور ضریح اقدس کے پاس اپنا قصیدہ پڑھا۔ اس کے بعد عرض کیا کہ اے آقا میں اپنے معاشی حالات سے بہت دلتنگ ہوں، آج بھی روزِ عید ہے اگر آپ کچھ صلہ عنایت فرما دیں تو بہتر ہے ناگاہ داہنی جانب سے کسی نے دسؔ تومان میرے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ میں نے انھیں لے لیا اور عرض کیا کہ یا مولا! یہ کم ہیں، فوراً بائیں طرف سے کسی نے مزید دسؔ تومان میرے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ کم ہیں، تو سہ بارہ دسؔ تومان میرے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ خلاصہ یہ کہ یکے بعد دیگرے چھ مرتبہ اضافے کی درخواست کی اور ہر مرتبہ دسؔ تومان عطا ہوئے۔ (درحقیقت اس دور میں دسؔ تومان کی رقم کافی وزن اور قدر و قیمت رکھتی تھی) جب میں نے ساٹھ تومان اپنی ضرورت کے لحاظ سے کافی پائے تو مزید مطالبہ کرنے میں شرم محسوس ہوئی۔ چنانچہ یہ روپئے اپنی جیب میں رکھ کے شکر ادا کیا اور حرم مطہر سے باہر آ گیا کفش داری میں عالم ربّانی مرحوم حاج شیخ حسن علی تہرانی کو دیکھا کہ حرم اقدس سے مشرّف ہونے کا قصد رکھتے ہیں جیسے

ہی میرے اوپر انکی نظر پڑی مجھے اپنی بغل میں لے لیا اور فرمایا، حاج شیخ! تم بہت ہوشیار ہو گئے ہو۔ امام رضا علیہ السّلام کے پاس پہونچ گئے اور براہ راست حضرتؑ سے ملاقات کی تم شعر کہتے ہو اور حضرتؑ تمھیں انعام عنایت فرماتے ہیں۔ یہ بتاؤ تم نے صلے میں کتنی رقم حاصل کی ہے۔ میں نے کہا ساٹھ تومان (ایرانی روپئے) فرمایا، کیا تم تیار ہو کہ ساٹھ تومان دیکر ان کی دوگنی رقم حاصل کرو؟ میں نے اس پیشکش کو منظور کیا۔ اور ساٹھ تومان دیکر ان کو ایک سو بیس تومان لے لئے۔ بعد کو پشیمان ہوا کہ امامؑ نے جو پیسے مجھے عنایت فرمائے تھے وہ کچھ اور ہی چیز تھے چنانچہ شیخ کی خدمت میں واپس گیا۔ اور بہت کچھ اصرار کیا لیکن وہ معاملہ فسخ کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔

(۱۱)

اِمام حُسینؑ علیہ السّلام کی عِنایت

زاہد عابد اور واعظ متعظ مرحوم حاج شیخ غلام رضا طبسی تقریباً ۳۵ سال قبل شیراز تشریف لائے اور چند ماہ مدرسہ آقا باباخاں میں قیام فرمایا میں بھی ان سے شرف ملاقات کے لئے پہونچا تو انھوں نے فرمایا کہ میں چند دوستوں کے قافلے کے ساتھ عتبات عالیات سے مشرّف ہوا۔ جس روز ایران سے واپس ہونا تھا اس کی شب میں خیال آیا کہ میں نے اس شب میں مشاہد مشرّفہ اور مقامات متبرّکہ کی زیارت کی سوا مسجد براثا کے۔ اور افسوس ہے کہ ہمارے حال پر اگر ہم اس مکان مقدّس کا فیض حاصل کرنے سے محروم رہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ آؤ مسجد براثا چلیں۔ لیکن وہ تیار نہیں ہوئے اور کہا کہ ہمارے پاس موقع نہیں ہے۔ جب انھوں نے ساتھ نہیں دیا تو میں تنہا کاظمین سے روانہ ہو کر مسجد پہونچا، دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور معلوم ہوا کہ لوگ دروازے کو اندر سے بند کر کے چلے گئے ہیں اور کوئی یہاں موجود نہیں ہے۔ میں حیران ہوا کہ کیا کروں کیونکہ بڑی امید کے ساتھ یہ راستہ طے کیا تھا مسجد کی دیوار پر غور کیا تو دیکھا کہ دیوار کے ذریعے اوپر جا سکتا ہوں بہر حال جس طرح ممکن ہوا دیوار پر چڑھ کے مسجد میں داخل ہوا۔ اور اس خیال سے اطمینان کے ساتھ نماز اور دُعاؤں میں مشغول ہو گیا کہ دروازہ اندر سے بند کیا گیا ہے اس کا کھولنا آسان ہے جب کہ مسجد کے اندر کوئی دوسرا شخص موجود بھی نہیں تھا۔ اعمال سے فراغت کے بعد میں دروازہ کھولنے کے لئے بڑھا تو دیکھا کہ ایک بہت مضبوط قفل لگانے کے بعد لوگ سیڑھی یا کسی دوسری چیز کے ذریعے باہر نکل گئے ہیں۔ میں بہت حیرت زدہ تھا کہ کیا کروں اس لئے کہ اندر کی طرف سے دیوار بھی ایسی تھی کہ اس پر چڑھنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے امام حُسینؑ علیہ السّلام کا دم بھرتے ہوئے ایک عُمر گذاری ہے۔ اور اُمید رکھتا ہوں کہ جب بہشت کے دروازے پر پہونچوں گا تو وہ حضرتؑ کی

برکت سے کُھل جائے گا۔ باوجودیکہ بہشت کا دروازہ یقیناً اس دروازے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کا کُھلنا بھی حضرت امام حسینؑ کی برکت سے آسان ہے اس کے بعد پورے یقین کے ساتھ قفل پر ہاتھ رکھّا اور یا حسینؑ کہہ کے اسے کھینچا تو فوراً کُھل گیا۔ میں دروازہ کھول کے مسجد سے باہر نکلا اور شکرِ خدا بجا لایا۔ اس کے بعد قافلے والوں کا ساتھ بھی مِل گیا۔

مَسجدُ بَراثا

محدث قمی علیہ الرحمہ نے مفاتیح میں فرمایا ہے کہ مسجد براثا مشہور و معروف متبرک مساجد میں سے ہے۔ اور بغداد و کاظمین کے درمیان زائرین کے راستے میں واقع ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس کے فیض سے محروم رہتے ہیں اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اس کے فضائل و کرامات کثرت سے منقول ہیں۔

(۱۲)

دو عجیب واقعے

میں نے مدرسۂ سیّد نجف اشرف میں مرحوم حاج شیخ مرتضیٰ طالقانی سے سُنا کہ میں نے مرحوم آقائے سیّد محمد کاظم یزدی کے زمانے میں اسی مدرسے کے اندر دو عجیب اور متضاد واقعے دیکھے۔ ایک یہ گرمی کے موسم میں کچھ طالب علم صحن میں اور کچھ عمارت کی چھت پر سوتے تھے ایک رات طلّاب کے شور و غل کی آوازوں سے میری آنکھ کُھل گئی تو دیکھا کہ سارے طالبِ علم صحن کی طرف جا رہے ہیں۔ اور ایک شخص کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو بتایا کہ فلاں خراسانی طالبِ علم (میں اس کا نام بھول گیا ہوں) چھت کے اوپر سو رہا تھا اور کروٹ بدل کے نیچے گر پڑا۔

میں بھی اس کے سرہانے پہونچا تو دیکھا کہ بالکل صحیح سالم ہے۔ اور اب نیند سے بیدار ہو رہا ہے۔ میں نے کہا اسے یہ نہ بتانا کہ چھت سے نیچے گرا ہے۔ خُلاصہ یہ کہ ہم اُسے حُجرے میں لے گئے۔ اور اسے تھوڑا گرم پانی پلایا۔ یہاں تک کہ صُبح ہو گئی۔ اور ہم اس کے ساتھ مرحوم سیّد کے درس میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ ماجرا بیان کیا۔ سیّد بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ ایک بھیڑ خرید کر مدرسہ میں ذبح کی جائے۔ اور اس کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔

چند روز کے بعد اسی مدرسہ میں وہی طالبِ علم یا کوئی دوسرا (یہ شبہہ میری طرف سے ہے) عمارت کے تہہ خانے میں ایک ایسے تخت پر سو رہا تھا جس کی بلندی دو بالشت بھی نہیں تھی۔ وہ نیند کی حالت میں کروٹ بدل کر زمین پر گرا اور فوراً مر گیا۔ اس کا جنازہ تہہ خانے سے نکالا گیا۔

یہ دو اور انھیں جیسے دیگر صدہا عجیب واقعات ہمیں سبق دیتے ہیں کہ ہر سبب کی

تاثیر اُسی خدا کی مرضی پر موقوف ہے جس نے اسباب کو مؤثر قرار دیا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قوی سبب کے تحت جس کی تاثیر یقینی ہے جیسے مدرسۂ سیّد کی دو منزلہ عمارت کی چھت سے نیچے گِرنا، قاعدے کے مُطابق ہڈّیاں پسلیاں چور ہو جانا چاہیئے اور گرنے والے کو مر جانا چاہیئے۔ لیکن اس کا ہلکا سا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ خداوند عالم نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کے برعکس صِرف ایک بالشت بلند چھوٹے سے تخت سے گِرنا موت کا سبب بن جاتا ہے۔ جبکہ قاعدے کی بنا پر اس سے کوئی صدمہ نہ پہونچنا چاہیئے۔

(۱۳)

ہلاکت سے ہزاروں افراد کی نجات

تین سال قبل مجھ کو تہران میں چند روز تک جناب آقائے حاج سیّد محمّد علی قاضی تبریزی کی زیارت اور ان کی مصاحبت سے بہرہ اندوزی کی توفیق حاصل رہی۔ میں نے اُن بزرگوار سے چند واقعات سُنے جن میں سے ایک یہ ہے۔

تبریز کی مسجد ششش گلاں جس کی امامت جناب آقائے میرزا عبداللہ مجتہدی سے متعلق ہے چار سال قبل جب ماہِ مُبارک کی شب بیداری کی رات (شبِ قدر) میں مجمع کی کثرت سے چھلک رہی تھی تو آقائے مجتہدی نے بے اختیار اور بغیر کسی توجہ کے دو گھنٹے کے قبل ہی شب بیداری تمام کر دی اور مزید ٹھہرنے کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے مسجد کے حال سے باہر چلے گئے۔ اُن کے جانے سے تمام اہلِ مجلس بھی باہر آ گئے جب مجمع کی آخری فرد بھی باہر نکل گئی تو دفعتاً اُس کی پوری طویل و عریض چھت نیچے آ گئی۔ اور کسی ایک شخص کو بھی کوئی صدمہ نہیں پہونچا۔ ورنہ اگر مجمع کی موجودگی میں ایسا ہوتا تو شاید ایک نفر بھی زندہ نہ بچتا۔

(۱۴)

غرق سے نجات

نیز جناب شیخ حسین تبریزی سے نقل فرمایا کہ میں نجف اشرف میں بروز جمعہ تفریح کے قصد سے کوفہ گیا اور نہر کے کنارے چہل قدمی کرتا ہوا اس جگہ پہونچا جہاں بچے مچھلی کا شکار کھیل رہے تھے نجف اشرف کے باشندوں میں سے ایک شخص وہاں موجود تھا اُس نے شکار کیلئے جال پھینکنے والے لڑکے سے کہا۔ کہ اس مرتبہ میری قسمت پر جال ڈالو۔ جب اس نے جال پانی میں ڈالا تو ایک لمحے کے بعد اس میں جنبش پیدا ہوئی۔ جب اسے اوپر کھینچا تو کافی وزن محسوس ہوا، اس نے کہا تمھاری قسمت کتنی اچھی ہے۔ میں نے آج تک اتنی وزنی مچھلی نہیں دیکھی۔ جب جال کو باہر نکالا تو دیکھا کہ ایک لڑکا ہے جو ڈوب چکا تھا اور اب جال کے سہارے باہر آیا ہے۔ جب اس شخص نے بچّے کو دیکھا تو چیخ اُٹھا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے۔ یہاں کیسے آ گیا۔ پس اس کے علاج اور خبر گیری کے بعد بچّے نے کہا کہ میں نہر کے اتھلے حصّے میں چند بچّوں کے ساتھ تیر رہا تھا ناگاہ پانی کی ایک موج نے مجھے اس طرح سے نیچے کھینچ لیا کہ میں اوپر نہ آسکا۔ اور بالکل مجبور ہو گیا۔ یہاں تک کہ جال میرے ہاتھ میں آ گیا اور میں اس کے سہارے اُبھر آیا۔

سُبحان اللہ اس بچّے کی نجات کے لئے کس طرح باپ کے دل میں الہام ہوتا ہے کہ گھر سے نکل کر نہر کے کنارے جائے اور کہے کہ میرے نام سے شکار کرو۔

اس داستان اور اس سے قبل کی داستان کی نظیریں کثرت سے موجود ہیں جن میں سے چند کتاب انوار نعمانیہ کے اواخر باب اجل میں مذکور ہیں۔ اسی طرح کتاب خزینۃ الجواہر مرحوم نہاوندی میں بھی منقول ہیں۔ اُن کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۱۵)

امیرالمومنینؑ کی عنایت

عالم متقی مرحوم حاج میرزا محمد صدر بوشہری نے نقل فرمایا کہ ایک بار میرے والد مرحوم حاج شیخ محمد علی نے نجف اشرف سے ہندوستان کا سفر فرمایا تو اس وقت میری اور میرے بھائی شیخ احمد کی عمریں چھ سات سال کے اندر تھیں اتفاقاً میرے باپ کا سفر اتنا طولانی ہو گیا کہ انھوں نے گھریلو اخراجات کے لئے جو رقم میری ماں کے سُپرد کی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اور ہم لوگ پریشان حالی میں مبتلا ہو گئے۔ ایک روز عصر کے بعد ہم بھوک کی وجہ سے اپنی ماں سے لپٹے رو رہے تھے۔ پس میری ماں نے مجھ سے اور میرے بھائی سے کہا کہ وضو کرو، ہمارے لباس کو طاہر کیا اور ہمیں گھر سے باہر لائیں۔ یہاں تک کہ ہم صحن مقدّس میں پہونچے۔ ہم سے کہا کہ میں ایوان میں بیٹھتی ہوں تم لوگ حرم کے اندر جاؤ اور جناب امیرؑ سے عرض کرو کہ ہمارا باپ یہاں موجود نہیں ہے اور ہم آج کی شام بھوکے ہیں۔ اس کے بعد حضرتؑ کی طرف سے جو کچھ عطا ہو لے کر آؤ تاکہ تمھارے لئے رات کے کھانے کا انتظام کروں ہم دونوں حرم میں داخل ہوئے۔ اور ضریح اقدس پہ سر رکھ کے عرض کیا کہ ہمارا باپ یہاں نہیں ہے اور ہم بھوکے ہیں اس کے بعد اپنے ہاتھ ضریح کے اندر داخل کر کے کہا کہ ہمیں کچھ خرچ دیجئے تاکہ میری ماں رات کے کھانے کا انتظام کرے تھوڑی ہی دیر کے بعد مغرب کی اذان ہوئی۔ اور جب میں نے قد قامت الصلوٰۃ کی آواز سُنی تو اپنے بھائی سے کہا، حضرت امیرؑ نماز پڑھانا چاہتے ہیں۔ (نیز بچپن کے لحاظ سے کہا کہ حضرت نماز جماعت پڑھتے ہیں۔) چنانچہ ہم حَرم کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے اور نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ ایک گھنٹہ بھی نہیں گُزرا تھا کہ ایک شخص آ کر ہمارے سامنے کھڑا ہوا۔ اور پیسوں کی ایک تھیلی مجھے دیکر فرمایا کہ اپنی ماں کو دے دو اور کہدو کہ تمھارا باپ جب تک سفر سے واپس ہو جس چیز کی ضرورت ہو فلاں مقام کی طرف رجوع کرو (میں اس مقام کا نام بھول گیا ہوں) منجملہ کہتے ہیں کہ میرے

باپ کی مسافرت نے کئی ماہ تک طول کھینچا اور اس مدّت میں ہم لوگوں نے نجف اشرف کے شرفاء اور رؤسا کی طرح بہترین ساز و سامان کے ساتھ زندگی بسر کی یہاں تک کہ میرے والد سفر سے واپس آ گئے۔

(۱۶)

عُلماء کی فضیلت اور بزرگی

نیز نقل فرمایا ہے کہ میرے جدّ مرحوم آخوند ملّا عبداللہ بہبہانی شیخ اعظم یعنی شیخ مرتضیٰ انصاری اعلی اللہ مقامہ کے شاگرد تھے۔ اور حادثاتِ زمانہ کے نتیجے میں بہت زیادہ زیر بار ہو گئے تھے، یہاں تک کہ قرض کی مقدار پانچ سو طومان تک پہونچ گئی تھی۔ جس کی ادائیگی عام حالات میں ناممکن نظر آتی تھی۔ (کیونکہ سو سال پہلے یہ بہت بڑی رقم ہوتی تھی۔) چنانچہ انھوں نے اپنے استاد کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا۔ شیخ نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد فرمایا کہ تم تبریز کا سفر اختیار کرو انشاء اللہ فارغ البالی حاصل ہوئی۔

یہ روانہ ہوئے اور تبریز پہونچنے کے بعد مرحوم امام جمعہ کے مکان پر گئے جو اس زمانے میں تبریز کے مشہور ترین عالِم تھے۔ لیکن امام مرحوم نے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ اور انھوں نے مکان کے بیرونی حصّے میں رات بسر کی۔ اذان صبح کے بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ خادم نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ تبریز کے رئیس التجار کہہ رہے ہیں کہ مجھے امام صاحب سے کچھ کام ہے۔ انھوں نے کہا آیا آج شب میں اہلِ علم میں سے کوئی شخص آپ کے یہاں وارد ہوا ہے امامؒ نے کہا۔ ہاں نجف اشرف کے ایک عالِم آئے ہیں۔ لیکن میں نے

ابھی ان سے معلوم نہیں کیا ہے کہ وہ کون ہیں اور ان کی آمد کا مقصد کیا ہے؟

رئیس التجار نے کہا کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا مہمان میرے سُپرد کر دیجئے۔ امامؒ نے کہا کوئی حرج نہیں، وہ شیخ اس حجرے میں ہیں۔ پس رئیس التجار آگے بڑھے اور پورے احترام کے ساتھ جناب شیخ کو اپنے گھر لے گئے اور اس روز اپنے یہاں دن کے کھانے پر کم از کم پچاس تاجروں کو مدعو کیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد کہا حضرات! گذشتہ رات میں اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ میں شہر کے باہر ہوں۔ ناگاہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے جمال مبارک کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ ایک سواری پر شہر کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر رکاب مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ، یا مولاؑ! آج کیا باعث ہے کہ آپ نے قدوم مبارک سے ہمارے تبریز کو رونق بخشی ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے ذمّہ قرض بہت ہو گیا ہے اس لئے یہاں آیا ہوں تاکہ تمھارے شہر میں اس کی ادائیگی ہو جائے۔ نیند سے میری آنکھ کھُل گئی اور میں خواب پر غور و فکر کرنے لگا۔ پس میں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ یقیناً کوئی حضرت کا مقرّب درگاہ شخص بہت مقروض ہے اور وہ ہمارے شہر میں آیا ہے۔ اس کے بعد مزید غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ اس درگاہ کے بدرجۂ اولیٰ مقرّب سادات اور علماء ہیں۔ پھر سوچنے لگا کہ کہاں جاؤں اور اسے کہاں ڈھونڈھوں میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر وہ اہلِ علم میں سے ہے تو لامحالا کسی عالِم ہی کے یہاں پہونچا ہو گا۔ چنانچہ نمازِ صبح ادا کرنے کے بعد اس قصد کے ساتھ گھر سے نکلا کہ پہلے علماء کے گھروں پر تلاش کروں گا اس کے بعد مسافر خانوں اور کارواں سرائوں میں پتہ لگاؤں گا۔ حُسنِ اتفاق سے پہلے جناب امام جمعہ کے مکان پر پہونچا۔ اور ان شیخ صاحب کو وہاں پایا۔ معلوم ہوا کہ یہ علمائے نجف میں سے ہیں۔ اور جناب امیرؑ کے جوار سے ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ تاکہ ان کا قرض ادا ہو سکے۔ یہ پانچ سو تومان سے زیادہ کے قرضدار ہیں اور میں خود سو تومان دے رہا ہوں اسکے بعد دیگر تاجروں نے بھی فرداً فرداً رقمیں ادا کیں جن سے انکا تمام قرض ہو گیا۔ اور اسکے بعد بھی اتنے پیسے بچ رہے کہ انھوں نے ان سے نجف اشرف میں ایک مکان خرید لیا مرحوم صدا فرماتے تھے کہ وہ مکان آج بھی موجود ہے اور وراثت میں میری طرف منتقل ہوا ہے۔

(۱۷)

عُلماء کی کرامتُ

جناب آقائے حاج معین شیرازی ساکن تہران نے نقل فرمایا کہ ایک روز میں اپنے ایک ابنِ عم کے ہمراہ تہران کی ایک شاہراہ پر کھڑا ہوا ٹیکسی کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ جس معیّنہ منزل تک جانا تھا وہ زیادہ فاصلے پر تھی۔

ہملوگ تقریباً آدھا گھنٹہ کھڑے رہے۔ جو ٹیکسی آتی تھی وہ یا تو مسافروں سے بھری ہوتی تھی یا ہماری طرف توجہ نہیں کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ہم تھک گئے۔

ناگاہ ایک ٹیکسی آئی اور خود ہی ٹھہر گئی۔ ڈرائیور نے ہم سے کہا کہ حضرات آیئے بیٹھئے اور جہاں جانا ہو بتایئے تاکہ وہاں پہونچادوں۔ ہم لوگ سوار ہو گئے اور اس سے اپنی منزل مقصود بتادی اثنائے راہ میں میں نے اپنے ابن عم سے کہا۔ کہ شکر ہے خدا کا کہ تہران میں ایک مسلمان ڈرائیور بھی پیدا ہوا۔ جس نے ہمارے حال پر رحم کھایا اور ہمیں سوار کیا۔ ڈرائیور نے یہ بات سُن لی اور کہا حضرات ! میں اتفاق سے مسلمان نہیں بلکہ ارمنی ہوں۔ ہم نے کہا پھر تم نے ہملا اتنا لحاظ کیوں کیا۔؟ اس نے کہا اگرچہ میں مسلمان نہیں ہوں، لیکن جو اشخاص مُسلمانوں کے عالم ہیں اور اہلِ علم کا لباس پہنتے ہیں ان کا عقیدتمند ضرور ہوں۔ اور جو ماجرا میں دیکھ چکا ہوں اسکی بنا پر اس کا احترام فرض سمجھتا ہوں۔

میں نے پوچھا تم نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے کہا جس سال مرحُوم آقائے حاج میرزا صادق مجتہد تبریزی کو تبریز سے کردستان (سنندج) جلاوطن کیا گیا تو ان کی گاڑی کا ڈرائیور میں ہی تھا۔ اثنائے راہ میں ہم ایک درخت اور پانی کے چشمے کے قریب پہونچے تو آقائے تبریزی نے فرمایا کہ یہاں تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ تاکہ میں ظہر و عصر کی نماز پڑھ لوں۔ لیکن جو فوجی افسر ان پر متعیّن تھا اس نے کہا ان کی بات کی پروانہ کرو اور آگے بڑھو۔ چنانچہ میں نے بھی کوئی اعتنا نہیں کی اور گاڑی آگے بڑھادی جب میں چشمے کے برابر پہونچا تو دفعتاً

گاڑی کا انجن بند ہو گیا میں نے ہرچند کوشش کی لیکن اسمیں جنبش پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر میں نے اتر کے خرابی کی جانچ پڑتال شروع کی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا مرحوم آقا نے فرمایا اب جب کہ گاڑی رُکی ہوئی ہے مجھے اتنا موقع دیدو کہ میں نماز پڑھ لوں۔

وہ افسر چُپ ہو گیا تو آقا نماز میں مشغول ہو گئے اور میں بھی انجن کے پُرزے کھولنے اور ان کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا یہاں تک کہ جب آقا نماز سے فارغ ہوئے اور قریب آئے تو فوراً گاڑی خود بخود اسٹارٹ ہو گئی۔

اس روز سے میں نے جان لیا کہ اس لباس والے خداوند عالم کے نزدیک محترم اور آبرومند ہوتے ہیں

شرافت علماء اور ان کے اکرام و احترام کے ضروری ہونے کے بارے میں بہت سی ضروری روائیتیں اور داستانیں منقول ہیں جن کا تذکرہ اس رسالے کے موضوع سے خارج ہے۔ ان کے لئے مرحوم نوری کی کتاب کلمۂ طیّبہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

(۱۹)

مشتبہ لقمے سے پرہیز

نیز جناب آقائے ایمانی نے فرمایا کہ آقائے بید آبادی جس روز تشریف لائے، اُسی روز والد مرحوم سے فرمایا کہ میری خوراک کے لئے صرف وہی غذا ہونا چاہیئے جس کا تم خود انتظام کرو اور جو چیز کوئی دوسرا شخص لائے اسے قبول نہ کرنا۔

اتفاق سے ایک روز مرحوم آقائے حاج شیخ الاسلام اعلی اللہ مقامہ کبک (چکور) کا ایک جوڑا لائے اور والد مرحوم کو دے کر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ انھیں کباب کر کے آقا کے سامنے پیش کرو۔ والد مرحوم نے اُسے منظور کر لیا۔ اور مرحوم بید آبادی کی ہدایت سے غافل ہو گئے۔ چنانچہ انھیں کباب کر کے کھانے میں آقا کے سامنے رکھا۔ جب آقا نے کبک کو ملاحظہ فرمایا تو دستر خوان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور والد مرحوم سے فرمایا کہ میں نے تم سے سفارش کی تھی کہ کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرنا غرض کہ اس میں سے کوئی ذرّہ تناول نہ فرمایا۔

اس پر تعجب ہونا چاہیئے کہ مرحوم بید آبادی نے کبک کا گوشت نہیں کھایا۔ جب کہ اسکے لانے والے مرحوم شیخ الاسلام تھے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ مرحوم شیخ کے لئے کبک مہیا کرنے والے شخص نے انھیں شکار کرنے والے کو راضی نہ کیا ہو۔ یا یہ کہ شکاری نے ان کا شرعی تذکیہ نہ کیا ہو، مثلاً بسم اللہ نہ کہی ہو۔ ان کے علاوہ دوسرے احتمالات بھی ہو سکتے ہیں۔ اور چونکہ مشتبہ لقمہ مکمّل طور سے قلب کی قساوت اور سختی کا باعث ہوتا ہے لہٰذا وہ بزرگوار اس سے پرہیز فرماتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ جو لقمہ انسان کھاتا ہے وہ ایک تخم کے مانند ہے جسے زمین میں بویا جاتا ہے اگر تخم بہتر ہو تو اس کا پھل بھی بہتر ہوگا ورنہ بیج کے ساتھ پھل بھی خراب ہوگا۔ اسی طرح لقمہ اگر حلال اور پاکیزہ ہو تو اس کا ثمرہ قساوتِ قلب دنیا اور شہوات نفسانی کی طرف میلان اور روحانیت سے محرومیت ہے۔ اس میں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اُن بزرگوار نے کبک کی خباثت اور مشتبہ حالت کو جان لیا کیونکہ انسان کو تقوی اور مکمّل پرہیز گاری بالخصوص مشتبہ لقمے سے پرہیز کی برکت سے دل کی ایسی صفائی اور روح کی ایسی لطافت نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ باطنی اور محسوسات سے ماوراء امور کا بھی ادراک کر لیتا ہے اسی واقعے جیسے اس سے بالاتر واقعات عُلمائے ربّانی اور بُزرگانِ دین سے منقول ہیں لیکن چونکہ انھیں نقل کرنا اس مختصر کتاب کے موضوع سے خارج ہے لہٰذا صرف تائید کے لئے ایک داستان کے ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جسے مرحوم حاجی نوری نے کتاب دار السّلام جلد اوّل صفحہ ۲۵۳ پر سیّد بحر العلوم کے بھانجے عالم ربّانی مرحوم حاج سیّد محمد باقر قزوینی کی کرامات کے بیان میں مرد صالح و متقی سیّد مرتضیٰ نجفی سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جناب سیّد قزوینی کی ہمراہی میں ایک صالح و پرہیز گار بزرگ کی ملاقات کے لئے گئے جب سیّد نے اٹھنا چاہا تو اس مرد صالح نے عرض کیا کہ آج ہمارے گھر میں تازہ روٹیاں پکی ہیں میری خواہش ہے کہ ان میں سے آپ بھی نوش فرمائیں۔ سیّد نے دعوت قبول کر لی۔ چنانچہ جب دستر خوان بچھایا گیا تو سیّد روٹی کا ایک لقمہ منہ میں رکھتے ہی پیچھے ہٹ کے بیٹھ گئے۔ اور مزید غذا کی طرف مائل نہیں ہوئے۔

صاحبِ خانہ نے عرض کی کہ آپ کس لئے نوش نہیں فرما رہے ہیں۔؟ تو فرمایا یہ روٹی حائضہ عورت نے پکائی ہے۔ انھیں تعجّب ہوا۔ اور اندر جاکر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ سیّد درست فرما رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دوسری روٹی لائے تو سیّد نے تناول فرمائی۔

جب حائضہ عورت کے ہاتھوں روٹی کا پکنا اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ اسمیں ایک قسم کی باطنی گندگی اور کثافت پیدا ہو جاتی ہے جسے لطیف روح اور صاف و پاکیزہ قلب کا حامل انسان محسوس کر لیتا ہے۔ تو کیا حالت ہوگی اس روٹی کی جس کا پکانے والا ظاہری اور باطنی نجاستوں کی آلودگیوں میں مبتلا ہو۔

جناب سیّد ابنِ طاؤس علیہ الرحمہ کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ جس غذا کی تیاری کے وقت اس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو، آپ اسے نوش نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے کہ خدا کا ارشاد ہے، "وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"۔ (یعنی ایسی غذا میں سے نہ

کھاؤ جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو)

افسوس ہے ایسے زمانے پر جس میں پکانے کے وقت خدا کا نام لینے کے عوض موسیقی اور آلاتِ لہو ولعب کا استعمال کیا جاتا ہے اور خدا کی نعمت کے ساتھ اس کی نافرمانی اور معصیت کو شامل کیا جاتا ہے۔

اور اس سے بدتر وہ روٹی ہے جس کے گندم یا جو میں سے زکوٰۃ اور فقراء و مساکین کا حق ادا نہ کیا گیا ہو یا جس زمین میں اس کی زراعت کی گئی ہو۔ وہ غصبی ہو۔

ہر چند کہ بیچارہ اس کا کھانے والا امور سے بے خبر ہو لیکن اس کا بنیادی اور حتمی اثر اپنی جگہ پر ہے۔ اسی جگہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کس وجہ سے دلوں نے ایسی قساوت پیدا کرلی ہے کہ ان پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور ان پر شیطانی وسوسے اس طرح سے مسلط ہو چکے ہیں کہ یقین و ایمان کی منزل پر فائز اور قلبِ سلیم کا حامل انسان بہت ہی کمیاب ہو چکا ہے۔

اس صورت حال میں اگر کوئی شخص دنیا سے باایمان جائے تو بہت ہی تعجب

(۲۰)

آیندہ حالات کی خبریں

مرحوم آقائے رضوی نے فرمایا کہ مرحوم بید آبادی مدینۂ منورہ کی زیارت کے قصد سے بوشہر کے راستے شیراز تشریف لائے اور یہاں تقریباً دو مہینے قیام فرمایا۔ اُن ایّام میں عام طور سے لوگوں کے درمیان دو گروہ قائم ہو گئے تھے یعنی کچھ لوگ جمہوریت چاہتے تھے اور کچھ آمریت کے خواہاں تھے۔ مرحوم بید آبادی دو طبقوں کے درمیان صلح و آشتی کے قیام و فساد اور اختلاف کی روک تھام کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اور اس بارے میں کوشاں رہتے تھے، چنانچہ اس اختلاف کو رفع کرنے میں بھی کافی کوشش فرمائی۔ یہاں تک کہ بذاتِ خود علاّمہ حاج شیخ محمّد باقر اصطہباناتی کے گھر تشریف لے گئے جو جمہوریت کے حامی تھے۔ اور ہر چند سعی فرمائی، اس فتنے اور تفرقے کو برطرف کردیں لیکن کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد دفعتہً شیراز سے روانگی کا عزم کرلیا۔ ہم نے ہر چند اصرار کیا کہ ابھی اور توقف فرمائیں لیکن اسے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ عنقریب اس شہر میں فتنہ و فساد کی آگ شعلہ زن ہوگی جس میں لوگوں کی ایک تعداد قتل ہوگی اور خون بہائے جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ سفر شروع ہو گیا اور چند نیک اور صالح افراد بھی آپ کے ہمرکاب ہو گئے۔ منجملہ ان کے مرحوم حاج سیّد عبّاس معروف بہ دلال اور مرحوم آقا میرزا مہدی حسن پور بھی تھے۔ یہ دونوں حضرات جامع مسجد سے متعلق تھے۔ انھوں نے مجھ سے نقل کیا کہ ہم لوگ دست ارژن تک آقائے بید آبادی کی خدمت میں رہے، اس مقام پر پہونچ کے ہم سے فرمایا کہ شیراز میں فتنہ کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ حاج شیخ محمّد باقر اصطہباناتی قتل کر دیئے گئے ہیں اور چند دیگر لوگ بھی تمہارے گھر والے پریشان ہیں لہٰذا تمھیں چاہیئے کہ واپس چلے جاؤ، لہٰذا ہم دو نفر اور چند دیگر اشخاص (جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے) شیراز واپس آئے اور ان جناب کے قول کا مشاہدہ کیا۔

(۲۱)

رہزنوں سے نجات

نیز جناب آقائے ایمانیہ سلمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اسی سفر میں آقائے بید آبادی سے رخصت ہونے کے موقع پر انھوں نے فرمایا کہ اس سفر میں راہزن تمھارے قافلے پر حملہ اور لوٹ مار کریں گے لیکن اس سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔ اس کے بعد معصومین علیہم السّلام کے مبارک عدد کے مُطابق مجھکو مبلغ چودہ ۱۴ تومان سفر خرچ کے طور پر عنایت فرمائے جب ہم سیوند کے نزدیک پہونچے تو لٹیروں نے قافلے پر حملہ کر دیا۔ اس وقت جس خچّر پر میرا سامان لدا ہوا تھا اس نے تیزی پکڑی اور قافلے سے باہر نکل کے سیوند کی جانب دوڑنے لگا۔ ساتھ ہی میں جس سواری کے کجاوے میں سوار تھا اس نے بھی حرکت کی یہاں تک کہ خود میں اور میرا سارا مال واسباب صحیح وسلامت سیوند پہونچ گیا، اور باقی تمام قافلہ حملے اور تاخت وتاراج کی زد میں آ گیا۔

(۲۲)

مَوت سے نجات

نیز جناب آقائے ایمانیہ نے نقل فرمایا کہ (آقائے ایمانی کے پھوپھی زاد بھائی) جناب حسین آقا مژدہ سلمہ اللہ تعالےٰ اور ان کی والدہ دونوں سخت بیمار ہوئے یہاں تک کہ مَوت کے قریب پہونچ گئے۔

مرحوم حاجی بید آبادی اعلیٰ اللہ مقامہ تشریف لائے اور فرمایا کہ ان دونوں مریضوں میں سے ایک کو جانا ہے یعنی ایک کی موت لازمی ہے۔ میں نے خدائے تعالیٰ سے حُسین آقا کی شفا طلب کی ہے۔ اور وہ صحتیاب ہو جائیں گے۔

بید آبادی کے اس ارشاد کے بعد اسی شب میں حُسین آقا کی والدہ نے انتقال کیا اور حسین آقا کو خدا نے شفا مرحمت فرمائی۔ اور وہ آج بھی صحیح سلامت اور بخیریت ہیں۔

(۲۳)

صدقے کے ذریعے وبا سے نجات

جب آقائے ایمانیہ سابق الذکر نے مرحوم حاج غلام حسین ملک التّجار بوشہری سے نقل کیا ہے کہ میں جس سفر میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوا اس میں عالم ربّانی مرحوم حاج شیخ محمّد جوّاد بید آبادی بھی شامل تھے۔ اس سفر میں رہزنوں نے حاجیوں کا بہت سامان لوٹ لیا اور ساتھ ہی وبائی بیماری نے بھی سبھی کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ مرحوم حاجی بید آبادی نے فرمایا جو شخص وبا کے خطرے سے محفوظ رہنا چاہتا ہو وہ اپنی استطاعت کے مُطابق مبلغ ۱۴۰ یا ۱۴۰۰ تومان صدقہ دے۔ (وہ مرحوم ۱۲، اور ۱۴، کے اعداد کے سختی سے معتقد تھے۔) تو میں اس کی سلامتی کے لئے حضرت حجۃ العصر عجل اللہ فرجہ کے وسیلے سے خدا کی بارگاہ میں دعا کروں گا۔ اور اس کی سلامتی کی ضمانت لوں گا۔

مرحوم حاج ملک نے بتایا کہ میں نے اپنے لئے مبلغ ۱۴۰، تومان دیئے اور اسی طرح دیگر چند حاجیوں نے بھی رقمیں ادا کیں۔ چونکہ یہ رقم اس زمانے میں بڑی چیز تھی لہٰذا بہت سے حجّاج نے نہیں دی۔ جناب مرحوم نے جمع شدہ پیسوں کو اُن حاجیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جن کا مال و اسباب رہزنوں نے لوٹ لیا تھا۔ اور وہ لوگ بہت پریشان تھے۔ اس سفر میں جس شخص نے مذکورہ رقم ادا کی تھی وہ بیماری سے محفوظ رہا۔ اور صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے وطن واپس پہونچا۔ اور جن لوگوں نے بخل سے کام لیا وہ سب کے سب وبا میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے۔ منجملہ ان کے میرے بھانجے اور کاتب بھی ادائیگی پر تیار نہیں ہوئے اور ہلاک ہو گئے۔

بیماری سے جسم کی حفاظت، موت کے خطرے سے بچنے (بشرطیکہ حتمی موت کا وقت نہ آ گیا ہو) اور ہر آفت سے مال و اسباب کی نگہداشت کے لئے صدقے کی تاثیر

مسلّمات اور مجربات میں سے ہے۔ اور اس بارے میں اہلبیتؑ طاہرین علیہم السّلام سے متواتر حدیثیں مروی ہیں۔ مرحوم حاجی نوری نے ان میں سے اکثر حدیثوں کو کتاب کلمۂ طیّبہ میں نقل فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان صدقے کے ذریعے اپنے بدن، اپنی جان، اپنے متعلقین اور اپنی املاک کا الٰہی بیمہ کر سکتا ہے اور اگر صدقے کے آداب و شرائط کا اس تفصیل کے ساتھ لحاظ رکھّے جو اس کتاب مذکور میں بیان کئے گئے ہیں۔ تو یقین رکھے کہ خدائے تعالیٰ بہترین حفاظت کرنے والا اور تمام مدد کرنیوالوں میں سب سے زیادہ دانا اور توانا ہے۔ اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اس مقام پر محتّرم ناظرین کی بصیرت میں اضافے کے لئے مذکورہ کتاب سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ صدقے کے آداب و شرائط کی دسویں شرط کے ضمن میں صفحہ ۱۹۳ پر تفسیر امام حسن علیہ السّلام سے نقل کیا ہے۔ کہ امام جعفرِ صادق علیہ السّلام ایک راستے پر سفر فرما رہے تھے اور ایک جماعت آپ کی ہمرکاب تھی۔ وہ لوگ اپنا مال و اسباب اپنے ہمراہ لائے تھے۔ انھیں خبر ملی کہ اس راہ میں چور اور راہزن لگے ہوئے ہیں۔ جو مسافروں کے اموال لوٹ لیتے ہیں وہ لوگ خوف سے کانپنے لگے۔ حضرتؑ نے فرمایا تمھیں کیا ہو گیا ہے۔؟ انھوں نے کہا ہمارے اموال ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمیں خوف ہے کہ ہم کو لوٹ لیں گے۔ آیا آپ یہ سامان ہم سے لے لیں گے تاکہ جب رہزنوں کو معلوم ہو کہ یہ آپ کی ملکیت ہے۔ تو آپ کی حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا، تمھیں کیا معلوم شاید وہ لوگ صرف مجھی کو لوٹنا چاہیں۔ اور اس طرح تمھارا سارا مال تلف ہو جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کیا ہم اس کو زمین میں دفن کر دیں؟ آپ نے فرمایا اس میں اور زیادہ تلف ہونے کا خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی دوسرا شخص وہاں پہونچ جائے اور سب مال نکال کے لے جائے۔ یا یہ کہ تم دفن کا مقام تلاش نہ کر سکو۔ لوگوں نے عرض کیا، پھر ہم کیا کریں فرمایا یہ تمام مال و زر ایسی ذات کے سُپرد کر دو جو اس کی حفاظت کرے آفتوں کو اس سے دور کرے، اس میں کافی اضافہ کرے۔ اور ہر ایک شئے کو دنیا سے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس سے عظیم تر قرار دینے کے بعد تمھیں اس موقع پر واپس کرے جب تم اس کے انتہائی محتاج ہو۔ عرض کیا، وہ کون سی شخصیت ہے؟ فرمایا، پروردگار عالم

لوگوں نے پوچھا، ہم اپنے اموال کس طرح اس کے سُپرد کر دیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم ان کو ضعیفوں اور مسکینوں پر صدقہ کرو۔ انھوں نے کہا یہاں تو کوئی فقیر و محتاج موجود نہیں ہے۔ فرمایا کہ اس بات کا عزم کرو کہ اپنے مال کا ثُلث (⅓ حصّہ) صدقہ کرو گے تاکہ خدا باقی مال کی اس خطرے سے حفاظت کرے جس سے تم ڈر رہے ہو۔ لوگوں نے کہا ہم نے عزم کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا پس اب خدا کی امان میں سفر کرو۔ چنانچہ سب آگے کو روانہ ہو گئے۔ جب راہزن نظر آئے تو سب بہت خوفزدہ ہوئے۔ حضرتؑ نے فرمایا تم کس لئے ڈر رہے ہو۔ حالانکہ تم خدا کی امان میں ہو۔؟ راہزن سامنے آئے تو پا پیادہ ہو گئے۔ حضرتؑ کے ہاتھوں پر بوسے دیئے اور کہا کہ ہم نے کل خواب میں حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو دیکھا، آنحضرتؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے کو آپ کے سامنے پیش کریں چنانچہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اور آپ کی ہمراہی میں رہیں گے تاکہ آپ کی اور اس قافلے کی دشمنوں اور چوروں سے حفاظت کریں۔ حضرتؑ نے فرمایا ہمیں تمھاری کوئی احتیاج نہیں ہے۔ کیونکہ جس ذات نے تمھیں ہم سے دفع کیا ہے وہ دوسرے چوروں اور رہزنوں کو بھی دفع کرے گی۔ پس سب لوگ امن و سلامتی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور جب اپنی اپنی منزلوں پر پہونچے تو اپنے اموال کا ثلث صدقے میں دیدیا اس کے بعد ان کی تجارت میں برکت پیدا ہوئی اور ان کے ہر درہم پر دس۱۰ درہم کا نفع ہوا۔ انھوں نے کہا حضرت صادق علیہ السّلام کی برکت کتنی عظیم تھی۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ تم نے خدا کے ساتھ معاملہ کرنے کی برکت دیکھ لی لہٰذا اس پر پابندی سے قائم رہو۔ خدا کی راہ میں صدقہ دینے کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ نہ صرف صدقہ مال کے کم ہونے کا باعث نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں اضافے اور برکت کا سبب بنتا ہے۔ اور صدقہ دینے والے کو اس سے کئی گنا زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اس امر کے شواہد بہت ہیں۔ کتاب مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

---

(۲۴)

MOWLANA NASIR DEVJANI
MAHUVA, GUJARAT, INDIA
PHONE: 0091 2844 2[illegible]711
[illegible]her.com

موت سے نجات

نیز جناب آقائے ایمانیہ نے فرمایا کہ جس سفر میں ہم اصفہان سے شیراز واپس ہو رہے تھے آقائے حاجی بید آبادی موصوف اعلی اللہ مقامہ کی خدمت میں مشرف ہوئے انھوں نے ہم سے فرمایا کہ جناب میرزائے محلّاتی نے (جن کا ذکر پہلی داستان میں ہو چکا ہے) مجھ کو لکھا ہے کہ میں نے انھیں دُعا میں فراموش کر دیا ہے۔ انھیں میرا سلام پہونچا دینا اور عرض کرنا کہ میں نے آپ کو فراموش نہیں کیا ہے۔ چنانچہ فلاں شب میں تین مرتبہ موت کا خطرہ آپ کی جانب بڑھا۔ اور میں نے حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ سے آپ کی سلامتی کی درخواست کی اور خدا نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

آقائے ایمانیہ نے فرمایا کہ شیراز پہونچنے کے بعد ہم نے جناب میرزا کو آقائے بید آبادی کا پیغام پہونچایا تو انھوں نے فرمایا درست ہے اسی شب میں جس کا حوالہ موصوف نے دیا ہے میں تنہا اپنے گھر آ رہا تھا۔ جب صدر دروازے پر پہونچا تو وہاں ایک شخص کھڑا ہوا تھا، جب اس نے مجھے دیکھا تو اُسے چھینک آئی، پس اس نے سلام کیا اور کہا، ایک استخارہ کر دیجئے۔ میں نے تسبیح سے استخارہ کیا جو منع آیا، اس نے کہا ایک استخارہ اور کر دیجئے، وہ بھی بد آیا اس نے کہا ایک استخارہ اور کر دیجئے، جب تیسرا استخارہ بھی بد آیا تو اس نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور معذرت کرتے ہوئے کہا کچھ لوگوں نے مجھے آمادہ کیا تھا کہ آج کی رات آپکو اسلحے سے قتل کر دوں، جب میں نے آپکو دیکھا تو مجھے بے اختیار چھینک آئی اور میں تردّد میں پڑ گیا۔ میں نے سوچا استخارہ کرا لوں اگر بہتر آئے تو آپ کو قتل کر دوں چنانچہ تین مرتبہ استخارہ کرایا اور ہر مرتبہ منع آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا اس پر راضی نہیں ہے۔ اور آپ اس کی بارگاہ میں باعزت ہیں۔

(۲۵)

چشمے کا جاری ہونا

سادات نجف آباد اصفہان میں سے چند اشخاص مرحوم بید آبادی اعلی اللہ مقامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پانی کا ایک چشمہ جو پہاڑ کے دامن سے جاری ہوتا تھا اور اس سے ہم لوگ فائدہ اٹھاتے تھے چند روز سے خشک ہو گیا ہے جس سے ہم پریشانی میں پڑ گئے ہیں۔ دُعا کیجئے کہ خدا اس زحمت کو دور فرمائے۔

ان بزرگوار نے آیت مُبارکہ "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ (اواخر سورۂ حشر) ایک رقعے پر لکھ کے انھیں دی اور فرمایا کہ رات شروع ہونے کے بعد اسے پہاڑ کی چوٹی پہ رکھ کے واپس چلے آئو۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا جب اپنے گھروں میں پہونچے تو پہاڑ سے ایک مُہیب آواز بلند ہوئی جسے بستی کے تمام باشندوں نے سُنا۔ جب صبح ہوئی اور لوگ گھروں سے باہر نکلے تو چشمے کو جاری پاکر شکر خدا بجالائے۔

لائق توجہ

چند داستانیں جو مرحوم بید آبادی اعلی اللہ مقامہ نیز دیگر حضرات کے بارے میں درج کی گئیں ناظرین کرام کو ان پر کوئی تعجب یا خدانخواستہ ان سے انکار نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اوّل تو اس طرح کے اور ان سے بالاتر امور اصحاب ائمہ طاہرین علیہم السّلام مثلاً جناب سلمان، میثم، رشید ہجری اور جابر جُعفی اور اسی طرح راویانِ اخبار اور علمائے اخیار جیسے سید بحر العلوم، سید باقر قزوینی اور ملا مہدی نجفی سے دانائی و توانائی اور برکت وجود کے مراتب کے مُطابق اس قدر نقل ہوئے ہیں اور معتبر کتابوں میں مذکور ہیں کہ ان سے انکار کی گنجائش نہیں (اس موضوع پر مزید اطلاع کے لئے کتاب رجال مامقانی کی طرف جس میں اصحاب ائمہ اور راویانِ احادیث کے مفصّل حالات ذکر کئے گئے ہیں یا کتاب قصص العلماء کی جانب جس میں بعض علماء کے کرامات منقول ہیں رجوع کیا جاسکتا ہے)

دوسرے بزرگانِ دین سے کرامات کا ظہور اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ انسان اُن سے مطلع ہونے کے بعد امام کی عظمت اور بلند ترین منزلت پر غور کرے اور سمجھے کہ ان حضرات کے اعلیٰ مقامات اس سے کہیں بالاتر ہیں۔ کہ کوئی شخص ان سے آگاہی حاصل کر سکے کیونکہ جہاں دیگر اشخاص ان کی مکمّل پیروی کے ذریعے دانائی و توانائی اور اجابت دعوات کی ایسی منزلوں تک پہونچ جائیں وہاں امام کی توانائی اور احاطۂ علمی کا کیا عالم ہوگا۔ اس لئے کہ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہر وہ شخص جسے روحانیت میں کوئی خاص درجہ حاصل ہے وہ امام کے خوان احسان کا ریزہ خوار ہے۔ جو عالمِ وجود کا قطب، عالمِ امکان کا قلب اور تمام امور کا مصدر ہوتا ہے۔ اور مقام امام کو سمجھنے میں عاجزی کا اقرار کرنے سے خداوند رب الارباب اور مجیب الدعوات جلّ جلالہ کے احاطۂ علمی اور قدرت بے پایاں کے ادراک سے عاجزی کا یقین ہوتا ہے۔ جو امام کا خالق اور اسے مقام و منصب اور ولایت کا عطا کرنے والا ہے خلاصہ یہ کہ ان داستانوں کا مطالعہ مقام امام کی معرفت اور خدائے ذو الجلال کی عظمت وجبروت کی بصیرت کا موجب ہے۔

تیسرے یہ کہ ان جیسی دوسری داستانیں اہلِ تقویٰ کے بارے میں خدا و رسول اور ائمہ معصومین علیہم السّلام کے ارشادات اور وعدوں کی تصدیق اور ان کی صداقت پر یقین کا سبب بنتی ہیں اور یہ کہ مستعد اور باصلاحیت نفوس جس وقت شرعی تکالیف کو انجام دینے میں مکمّل پابندی کا ثبوت دیتے ہیں اور تمام واجبات کو بجالانے اور جملہ محرّمات کو ترک کرنے میں کوشاں رہتے ہیں تو ایسے مقامات اور مراتب پر فائز ہو جاتے ہیں جو معمولی انسانوں کی جزئی عقلوں کی رسائی اور ادراک سے بلند و ارفع ہوتے ہیں ملائکہ ان کے خدمتگزار بن جاتے ہیں اور وہ خدا سے جس چیز کی خواہش کرتے ہیں وہ انھیں عنایت فرماتا ہے۔

علاوہ ان کے کتب احادیث و روایات میں بالخصوص ابواب کتاب الایمان والکفر، اصول کافی میں جو آثار منقول ہیں ان کا نقل کرنا اس رسالے کے موضوع کے منافی ہے۔

صرف ایک معتبر حدیث جسے عامّہ اور خاصّہ دونوں فرقوں نے حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کیا ہے کہ محترم ناظرین کی مزید اطلاع کے لئے نقل کی جاتی ہے

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا کہ خدائے عزّو جلّ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے دوستوں میں سے کسی کی اہانت کرے یقیناً اس نے مجھ سے جنگ کرنے کے لئے گھات لگائی اور کوئی بندہ کسی اور ایسے عمل کے ذریعے مجھ سے قریب نہیں ہوسکتا جو میرے نزدیک اس عمل سے زیادہ محبوب ہو جسے میں نے اس پر واجب کیا ہے ۔ اور حق یہ ہے کہ وہ نوافل (مستحبات) کی بجاآوری سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے ۔ اس حد تک کہ میں اُسے دوست رکھتا ہوں اور جب اسے دوست رکھتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں ۔ جن سے وہ سُنتا ہے ۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے ۔ اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے ۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے ۔ اور دشمن کو دفع کرتا ہے ۔ اگر وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں ۔ اور اگر مجھ سے کوئی خواہش کرتا ہے تو اُسے عطا کرتا ہوں [1]

اس حدیث مُبارک کی شرح میں علماء نے چند وجہیں بیان کی ہیں جنھیں علاّمہ مجلسی علیہ الرحمہ نے مرآت القول میں نقل فرمایا ہے ۔ حدیث سے جو مطلب متفاد ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک شخص واجبات کی پابندی اور مستحبات کی مواظبت کے ذریعے درگاہ خداوندی میں محبوب اور مقرّب بن جائے اور جب ایسا ہو جائے تو اس کی آنکھ خدا کی چشم بینا بن جاتی ہے ۔ پس جو دوسرے نہیں دیکھتے ہیں وہ ہزار پردوں کے پیچھے سے دیکھ لیتا ہے ۔ جو کچھ دوسرے نہیں سنتے ہیں وہ سُن لیتا ہے ۔ بلکہ معنوی اور باطنی امور، ملکوتی صورتیں اور غیبی نغمے جو دوسروں کی قوتِ احساس سے پوشیدہ ہیں اس کے لئے ظاہر و آشکار ہو جاتی ہیں ۔

---

[1] قال رسول اللہ قال اللہ عزّ وجلّ من اهان لی ولیّا فقد ارصد لمحاربتی و ما تقرّب الیّ عبد بشیٍٔ احب الیّ ممّا افترضت علیہ و انّہ لیتقرّب الیّ بالنّافلۃ حتّٰی احبّہ فاذا احببتہٗ کنت سمعہ الّذی یسمع بہ وبصرہ الّذی یبصر بہ ولسانہ الّذی ینطق بہ ویدہ الّذی یبطش بھا ان دعانی اجبتہ وان سئلنی اعطیتہ (اصول کافی باب من اذی المسلمین و احتقرہم ۔ جلد ۲ صہ ۲۶۳ ، حدیث ۷ ۔)

بالجملہ ناظرین محترم یہ جان لیں کہ جو کچھ وہ ان داستانوں میں پڑھتے یا سنتے ہیں وہ اُن چیزوں کی بہ نسبت جنکا خدا نے مقامات عالیہ اور درجات روحانیت کے ذیل میں اپنے نیکوکار اور مقرب بارگا بندوں سے وعدہ فرمایا ہے ۔ اور ان کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے ۔ سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے کے مانند ہے جیسا کہ حدیث قدسی کے مضمون سے ظاہر ہے [1]

---

[1] ۔ اعدد لعبادی الصّالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علٰی قلب بشر ۔ "حدیث قدسی"

(٢٦)

مفلوج کی شفا

بُزرگوارِ عالم آقائے حاج سید فرج اللہ بہبہانی سلمہ اللہ تعالیٰ سے مجھ کو سفر حج کے سلسلے میں ملاقات کی توفیق نصیب ہوئی تو ان سے سنا کہ ان کے گھر پر مجلسِ عزاداری حضرت سید الشہداءؑ میں ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے پس میں نے ان کی خدمت میں خواہش کی کہ معجزے کا یہ واقعہ میرے لئے تحریر فرما دیں۔ ان بزرگوار نے اس کی تفصیل اپنے قلم سے لکھ کے ارسال فرمائی۔ چنانچہ اس مقام پر ان کا اصل مکتوب پیش کیا جا رہا ہے۔

ایک معماری کا پیشہ کرنے والا شخص عبداللہ جس کی جائے ولادت رامہرمز کرکے ملحقات میں سے جابر نان ہے لیکن اس کی سکونت بہبہان میں ہے۔ بہ تاریخ ۲۸ ماہ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ ایک پانوں سے مفلوج ہو گیا۔ اور ایسا معذور ہوا کہ دونوں بغلوں میں بیساکھیاں لگا کر بمشکل چند قدم چل سکتا تھا۔ اس کی معاش کا دار مدار مومنین کی اعانت پر تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ڈاکٹر غلامی کی طرف رجوع کیا۔ لیکن انھوں نے مایوسی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کہ اہواز تک اس کے سفر کے امکانات فراہم کر دوں۔ چنانچہ بحمد اللہ وسائل سفر کا انتظام ہو گیا اور آیۃ اللہ بہبہانی کی خدمت میں ایک سفارشی خط بھی لکھ دیا۔ ان جناب نے بھی پذیرائی فرمائی اور اُسے جندیشاپور کے شفاخانے کے معالج ڈاکٹر فرہادِ طبیب زادہ کے پاس بھیجا انھوں نے بھی ایکسرے اور معائنے کے بعد مایوس کُن جواب دیا۔ اور کہا کہ تمھارا پانوں قابلِ علاج نہیں ہے۔ اور تمھارے زانو کے درمیان ایک سرطانی غدود بھی نظر آ رہا ہے۔ پھر اُسے اپنے خرچ سے آبادان کی تیل کی کمپنی کے ہسپتال میں منتقل کیا۔ وہاں بھی اس کے پانوں کے چار ایکسرے ہوئے اور ڈاکٹروں نے رائے دی کہ اس کا علاج ممکن نہیں ہے چنانچہ وہ اسی حالت میں بہبہان واپس آگیا۔

عبداللہ مذکور کہتا ہے کہ میں اس مدّت کے دوران امید افزا خواب دیکھتا رہا جن کی وجہ سے دل کو کسی قدر اطمینان حاصل ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک شب دیکھا کہ میں آپ کے مکان کے بیرونی حصّے میں وارد ہوا ہوں۔ آپ خود تو وہاں موجود نہیں ہیں لیکن سیب کے اس درخت کے نیچے جو بیرونی باغیچے میں نظر آ رہا ہے۔ دو نورانی صورت بزرگوار سید تشریف فرما ہیں اسی اثنا میں آپ بھی آ گئے۔ اور سلام و تحیّت کے بعد ان دونوں حضرات نے اپنا تعارف کرا دیا۔ انمیں سے ایک بزرگوار امام حُسین علیہ السّلام اور دوسرے حضرتؑ کے فرزند حضرت علی اکبر علیہ السلام تھے۔ حضرتِ امام حسینؑ نے آپ کو دو سیب عنایت فرمائے۔ اور فرمایا کہ ایک تمھارے لئے اور دوسرا تمھارے فرزند کے لئے ہے۔ ان دونوں سیبوں کا نتیجہ دو سال کے بعد ظاہر ہوگا۔ اس کے بعد حضرت حجت العصر عجل اللہ فرجہ کے بارے میں چھ باتیں ارشاد فرمائیں۔ عبداللہ نے بتایا کہ اس عالم میں میں نے آپ سے خواہش کی کہ ان بزرگوار سے میری شفا کی درخواست کیجئے۔ اُن دونوں حضرات میں سے ایک نے فرمایا کہ ماہ جمادی الثانیہ ۸۴ھ میں دوشنبے کے روز اس منبر کے نیچے جو فلاں کے مکان میں عزاداری کے لئے نصب ہے (اور جو میرا ابھی دیکھا ہوا تھا) جاؤ اور صحت کے ساتھ واپس آؤ۔ میں شوق کے عالم میں خواب سے بیدار ہوا اور معیّن دن کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے اسی دوشنبہ کے روز دیکھا کہ عبداللہ دونوں بغلوں میں بیساکھیاں لگائے ہوئے آیا اور زیرِ منبر بیٹھ گیا۔ وہ خود بیان کرتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد میرے مفلوج پانوں میں جھنجھنی سی پیدا ہوئی جیسے پانوں میں خون دوڑنے لگا ہو میں نے پانوں پھیلایا اور سمیٹا تو معلوم ہوا کہ بالکل صحیح و سالم ہے۔ باوجود اس کے کہ ابھی روضہ خوان نے مجلس تمام نہیں کی تھی میں بغیر سہارے کے کھڑا ہو گیا۔ اور پھر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اپنے گرد و پیش والوں سے یہ ماجرا بیان کیا خود میں نے دیکھا کہ عبداللہ نے بڑھ کے مجھ سے مصافحہ کیا اس کے بعد اہلِ مجلس کی صلوٰۃ کا نعرہ بلند ہوا اس کے فالج کا اثر بالکل زائل ہو چکا۔ چنانچہ شہر میں جشن مسرّت کے جلسے منعقد ہوئے۔ اور دوسرے روز ۲۲ مہر ۴۳ھ کو صبح کے آٹھ بجے سے ۱۱ بجے تک میرے مکان میں بھی اعجاز حضرت سید الشہداءؑ کے نام سے جشن منایا گیا جسمیں بہت کثیر مجمع شریک ہوا۔ اور اس کا فوٹو بھی لیا گیا۔

والسّلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ حرّرہ الاحقر السید فرج اللہ الموسوی

(۲۷)

سچّا خواب

عبد صالح و پرہیز گار مرحوم حاج محمّد ہاشم سلاحی رحمتہ اللہ علیہ کے منھ کے اندر ایک زخم پیدا ہو گیا تھا جس سے خون اور پیپ خارج ہوتا رہتا تھا اور وہ اس سے سخت پریشان تھے۔ وہ اس کے علاج کے لئے جناب ڈاکٹر یاوری کی طرف رجوع کرتے تھے یہاں تک کہ ڈاکٹر نے ان سے کہا کہ اس زخم کا علاج بجلی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ لیکن بجلی کی مشین شیراز میں نہیں ہے لہٰذا تہران جا کر بیمارستان شوروی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔

اُن مرحوم نے مجھ سے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر تہران جاؤں گا تو ماہ رمضان المبارک کے روزوں اور اس کے فیوض و برکات سے محروم رہ جاؤں گا اور اگر نہ جاؤں تو خوف ہے کہ خون اور پیپ حلق سے نیچے اُتر جائے اور اکل حرام کا مرتکب ہو جاؤں۔ بالآخر انھوں نے نہ جانے کا فیصلہ کیا۔

ایک روز ڈاکٹر یاوری طِب کی ایک کتاب لئے ہوئے ان کے گھر پہونچے اور کہا کہ گذشتہ شب خواب میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم محمد ہاشم کا علاج کیوں نہیں کرتے ؟ میں نے کہا کہ انھیں تہران جانا چاہیئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، انکے مرض اور اس کے علاج کا بیان فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔ جو تمھارے پاس موجود ہے۔ میں نے خواب سے بیدار ہو کر وہ کتاب اُٹھا کر کھولی تو وہی صفحہ نکلا جس کا حوالہ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے اندر مندرجہ دوا سے خدا نے انھیں شفا بخشی اور وہ ماہِ رمضان کی پہلی تاریخ سے روزہ رکھنے لگے۔ اُن کی رُوح پر خدا کی رحمت بے پایاں نازل ہو۔

(۲۸)

ایک لمحے میں سات مریضوں کی شفا

نیز مرحوم سلاحی موصوف علیہ الرحمہ نے تقریباً بیس سال قبل ماہِ محرم الحرام میں جبکہ شیراز کے اندر چیچک کا مرض پھیلا ہوا تھا اور اتفاق ہی سے کوئی ایسا گھر رہا ہوگا جس میں چیچک کا کوئی مریض نہ ہو۔ اور اس بیماری میں ہلاکتیں بھی کثرت سے ہوئی تھیں۔ ایک روز فرمایا کہ آقائے حاج عبد الرحیم سرافراز کے یہاں بھی سات افراد بیمار تھے۔ لیکن خدا نے انھیں حضرت سید الشہداء کی برکت سے شفا مرحمت فرمائی، پھر اس کی تفصیل بیان فرمائی۔ اس کے بعد میں نے آقائے سرفراز سے ملاقات کر کے اس واقعے کی کیفیت دریافت کی۔ انھوں نے بھی وہی بتایا جو سلاحی مرحوم نے فرمایا تھا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ اس واقعے کو اپنے قلم سے لکھ دیں تاکہ اسے اس کتاب میں شامل کر دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے تحریر فرمایا کہ، تقریباً بیس سال قبل جب زیادہ تر لوگ چیچک کے مرض میں مبتلا ہو رہے تھے، میرے گھر میں بھی سات نفر بیمار تھے اور سب ایک ہی کمرے کے اندر تھے۔ میں نے محرّم کی آٹھویں شب مجلس عزا میں شرکت کی غرض سے مریضوں کو گھر کے اندر اُنھیں کے حال پر چھوڑا اور پانچ گھنٹے رات گذرنے کے بعد پریشان خاطری کے عالم میں اس اجتماعی مجلس میں چلا گیا۔ جس کے بانی مرحوم حاج ملّا علی سیف علیہ الرحمہ تھے۔ عزاداری کے موقع پر سینہ زنی کے ساتھ حضرت قاسم ابن الحسن علیہ السّلام کے حال میں نوحہ اور مرثیہ پڑھا گیا۔ مجلس عزا سے فراغت اور نماز صبح ادا کرنے کے بعد میں عجلت کے ساتھ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا اور اپنے دل میں جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے عظیم وسیلے کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں ساتوں مریضوں کی شفا کے لئے دعا کرتا جا رہا تھا جب گھر کے اندر پہونچا تو دیکھا کہ بچّے آگ کی انگیٹھی کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور وہ تھوڑی سی روٹی جو ایک شب و روز قبل کی بچی ہوئی تھی آگ پر گرم کر کے پوری اشتہا کے ساتھ کھانے میں مشغول ہیں۔

یہ منظر دیکھ کے مجھ کو غصّہ آ گیا کیونکہ روٹی کا اور وہ بھی ایسی روٹی کا کھانا جو ایک دن اور ایک رات پہلے کی بچی ہوئی ہو چیچک کے مریض کے لئے مُضِر ہے۔

میری بڑی لڑکی نے جب میری ناراضگی کا مُشاہدہ کیا تو کہا ہملوگ اچھّے ہو گئے ہیں۔ ابھی بستر سے اُٹھے ہیں اور بھُوکے ہیں اس لئے چائے کے ساتھ روٹی کھا رہے ہیں۔ میں نے کہا چیچک کے مرض میں روٹی کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے کہا، بابا! بیٹھئے تاکہ میں اپنا خواب بیان کروں۔ اور بتاؤں کہ ہم سب لوگ صحتیاب ہو چکے ہیں۔ میں نے کہا اپنا خواب بیان کرو تو اس نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے کمرے کے اندر تیز روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اور ایک شخص آیا ہے جس نے کمرے کے اس حصّے میں ایک سیاہ فرش بچھایا اور دروازے کے پہلو میں اَدب کے ساتھ کھڑا ہو گیا اس کے بعد انتہائی جلالت و بزرگی کے ساتھ پانچ حضرات تشریف لائے جنمیں ایک جلیل القدر خاتون بھی شامل تھیں۔ انھوں نے پہلے کمرے کے طاقچوں اور دیوار پر لگے ہوئے کتبوں اور ان میں لکھے ہوئے چہاردہ معصومین علیہم السّلام کے اسمائے گرامی کو خوب غور سے ملاحظہ فرمایا۔ پھر اس فرش سیاہ کے اطراف میں بیٹھ کے اپنی بغلوں سے چھوٹے چھوٹے قرآن مجید نکال کے تھوڑی دیر تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک بزرگوار نے عربی زبان میں حضرتِ قاسمؑ کے حالات میں روضہ خوانی شروع کی۔ چونکہ وہ بار بار حضرتِ قاسمؑ کا نام لے رہے تھے لہٰذا میں نے سمجھ لیا کہ انھیں کے مصائب پڑھ رہے ہیں۔ سبھی حضرات بہت شدّت سے گریہ فرما رہے تھے۔ بالخصوص وہ معظّمہ بہت ہی پُرسوز گریہ فرما رہی تھیں۔ مجلس کے بعد وہ شخص جو پہلے آیا تھا چھوٹے چھوٹے ظروف میں قہوہ جیسی کوئی چیز لایا۔ اور ان حضرات کے سامنے رکھ دی۔ مجھکو تعجب تھا کہ اس جلالت و عظمت کے باوجود سب برہنہ پا کیوں ہیں؟ ۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کے پوچھا، کہ آپکو خدا کا واسطہ یہ بتائیے کہ آپ حضرات میں کون سے بزرگ حضرت علی علیہ السّلام ہیں۔؟ ان میں سے ایک نے جواب دیا میں ہوں۔ اُن کے چہرے سے بہت ہی رعب اور ہیبت آشکار تھی۔ میں نے کہا، خدا کے واسطے یہ فرمائیے کہ آپ کے پاؤں برہنہ کیوں ہیں؟۔ تو انھوں نے روتے ہوئے فرمایا کہ ہم ان ایّام میں عزادار ہیں اسی لئے ہمارے پاؤں برہنہ ہیں۔ ان میں سے صرف اُن معظّمہ کے قدم لباس میں پوشیدہ تھے۔ میں نے عرض کیا

کہ ہم سب بچّے بیمار ہیں۔ اور ہماری ماں اور خالہ بھی مریض ہیں۔ اس وقت حضرت علی علیہ السّلام اپنی جگہ سے اُٹھے اور ہم میں سے ہر ایک کے سر اور چہرے پر اپنا دستِ مُبارک پھیرا، پھر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ سوا تمھاری ماں کے سب اچھّے ہو گئے۔ میں نے کہا میری ماں بھی تو بیمار ہیں فرمایا انھیں جانا ہے۔ یہ سُن کے میں نے رونا شروع کیا۔ اور مزید التجا کی۔ میری عاجزی اور گریہ وزاری دیکھ کے آپ اُٹھے۔ اور میری ماں کے لحاف پر بھی ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد کمرے سے جانے لگے تو میری جانب رُخ کر کے فرمایا کہ تم پر نماز لازم ہے کیونکہ جب تک انسان کی پلکیں جھپکتی ہیں اس پر نماز فرض ہے۔ میں گلی کے دروازے تک ان کے پیچھے پیچھے گئی تو دیکھا کہ ان حضرات کے لئے جو سواریاں لائی گئی ہیں ان پر سفید پوششیں پڑی ہوئی ہیں۔ جب وہ حضرات چلے گئے تو میں واپس آ گئی۔ اس وقت نیند سے آنکھ کھُلی تو صبح کی اذان سُنی۔ اپنے بھائیوں اپنی ماں اور اپنی خالہ کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھّا تو دیکھا کہ اب کسی کو بخار نہیں ہے۔ ہم سب اُٹھے اور صُبح کی نماز پڑھی۔ چونکہ ہم لوگ شدّت سے بھُوک محسوس کر رہے تھے لہٰذا چائے بنا کے اس کے ساتھ بچی ہوئی روٹی کھانے میں مشغول ہو گئے اور اس کے منتظر تھے کہ آپ آئیں اور صُبح کے ناشتے کا انتظام کریں۔

اس کے بعد سبھی ساتوں افراد صحیح و سالم ہو گئے۔ اور کسی ڈاکٹر یا دوا کی احتیاج ہی نہیں رہی۔

(۲۹)

فوری قبولیت

ثقہ اور عادل جناب حاج علی آقا سلمان نش (بزاز) سلمہ اللہ تعالیٰ نے جن کی پارسائی اور پرہیزگاری کو عام طور سے سبھی لوگ تسلیم کرتے ہیں، بتایا کہ ایک بار میری بائیں ران کی بغل (گلہری) میں ایک زخم پیدا ہو گیا جس سے میں سخت اذیت میں تھا۔ اور جرّاحی کے لئے ہسپتال تک جانا بھی دشوار تھا۔ ایک رات سحر کے وقت نمازِ شب کے لئے اُٹھا تو شدید بدبو محسوس ہوئی۔ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ اسی زخم کی جگہ سے آرہی ہے۔ میں بہت پریشان ہوا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے ایک عمر اسلام کے زیرِ سایہ تیری بندگی، اور محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کی دوستی میں بسر کی ہے۔ اب تو اس امر پر راضی نہ ہو کہ میں اس بلا میں گرفتار ہو کر ان لوگوں کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جاؤں جو دینِ اسلام سے خارج ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں شدید رقّت کی وجہ سے بالکل بیخود ہو گیا جس وقت اپنے ہوش میں آیا تو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی ہے۔ اس پر اور بھی صدمہ ہوا کہ تہجّد سے محروم رہا اس کے بعد طہارت کے لئے بالاخانے کے زینوں سے تیزی کے ساتھ نیچے آیا۔ پھر ایکبار توجہ ہوئی کہ میں پاؤں کے اس درد کے باوجود اتنی سرعت سے کیونکر نیچے آیا۔ اب دیکھا کہ پاؤں میں درد نہیں ہو رہا ہے۔ درد کے مقام پر ہاتھ رکھا پھر بھی درد محسوس نہیں ہوا۔ روشنی میں آکر محلّ زخم کو دیکھا تو زخم کا کوئی اثر نظر نہیں آیا یہاں تک کہ اس کی جگہ بھی ظاہر نہ تھی اور داہنے پاؤں سے اس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ آقائے حاج علی آقا نے فرمایا کہ اس واقعے کے مانند میرے لئے اور بھی بہت سے مواقع ایسے پیش آئے جب میں خود یا میرے متعلقین کسی سخت مرض یا کسی بڑی پریشانی میں مبتلا ہوئے اور دُعا کے وسیلے اور معصومین علیہم السّلام کے توسّل سے خدا نے اس سے نجات عطا فرمائی۔ جو کچھ بیان کیا گیا یہ انھیں میں سے ایک نمونہ ہے۔

(۳۰)

قرآن مجید کا فیض

نیز جناب حاج علی آقا نے فرمایا کہ میں بچپن میں مکتب نہیں گیا اور جاہل رہ گیا۔ آغازِ جوانی میں قرآن مجید پڑھنے کی شدید آرزو پیدا ہوئی۔ یہانتک کہ ایک شب یہ تمنّا پوری ہونے کے لئے حضرت حجّت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ سے متوسّل ہوا۔ خواب میں دیکھا کہ میں کربلائے مُعلّیٰ میں ہوں۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا، اس گھر میں حضرت سیّد الشہداءؑ کی مجلس عزا برپا ہے یہاں آکے روضہ خوانی سُنو۔ میں تیار ہو گیا اور جب وہاں پہونچا تو دیکھا کہ دو بزرگوار سیّد بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے ایک ظرف میں آگ رکھّی ہوئی ہے۔ اور پہلو میں ایک دسترخوان ہے جس میں روٹیاں ہیں۔ پس انھوں نے اس میں سے تھوڑی روٹی گرم کر کے مجھے مرحمت فرمائی اور میں نے اسے کھالیا اس کے بعد روضہ خوان نے مصائبِ اہلبیتؑ کا ذکر کیا۔ مجلس تمام ہونے کے بعد میں خواب سے بیدار ہوا تو محسوس ہوا کہ میری آرزو پوری ہو گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کھولا تو دیکھا کہ میں باقاعدہ پڑھ سکتا ہوں۔ اس کے بعد مجلس قراءت قرآن مجید میں حاضر ہوا، وہاں اگر کوئی شخص غلط پڑھتا تھا یا اشتباہ کرتا تھا تو میں اُسے ٹوک دیتا تھا۔ یہاں تک کہ قراءت کے استاد کو بھی اگر کوئی اشتباہ ہو جاتا تھا تو میں متوجہ کر دیتا تھا۔

استاد نے کہا کہ تم کل تک تو بالکل بے سواد تھے اور قرآن پڑھنے پر قادر نہیں تھے اب کیا ہو گیا ہے۔ کہ ایسے ہو گئے ہو؟ میں نے کہا، حضرت حجت عجل اللہ فرجہ کی برکت سے اس مقصد میں کامیاب ہوا ہوں۔

اب حاجی موصوف قراءت کے استاد ہیں اور ماہِ رمضان المبارک کی شبوں میں اُن کی مجلس قراءت کا ناغہ نہیں ہوتا ہے۔

حاجی موصوف کے عجائب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اکثر خواب میں آئندہ امور کو دیکھ لیتے ہیں۔ اور سمجھ لیتے ہیں کہ کل کیا ہوگا۔ کس شخص سے ملاقات ہوگی، کس سے معاملہ طے ہوگا۔

اور اس معاملے میں فائدہ کسقدر ہوگا۔

ایک بار مجھ سے کہا کہ خدائے تعالیٰ جلد ہی آپ کے فرزند (آقائے سیّد محمّد ہاشم) کو بیٹا عطا فرمائے گا۔ اس کا نام اپنے والد مرحوم کے نام پر سیّد محمّد تقی رکھیے گا۔ زیادہ مدّت نہیں گزری تھی کہ خدا نے انھیں بیٹا عنایت فرمایا۔ اور ہم نے اس کا نام محمّد تقی رکھا۔

وہ بچّہ ولادت کے بعد سخت بیمار ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے بچنے کی اُمید جاتی رہی۔ تو حاجی موصوف نے پھر فرمایا کہ یہ بچّہ اچھا ہو جائے گا۔ اور زندہ رہے گا۔ چنانچہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ خدا نے انھیں شفا بخشی اور وہ اب بحمد اللہ پانچ سال کا صحیح و سالم ہے[1]

بالجملہ وہ تقویٰ و پرہیز گاری اور مستحبات بالخلوص نوافل یومیہ کی مستقل پابندی کے نتیجے میں صفائے نفس کے حامل اور حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے لطف و عنایت کے اہل و حقدار قرار پا چکے ہیں۔

ضمنی طور سے یہ جان لینا چاہیئے کہ بعض نفوس کے آئندہ امور سے آگاہ ہو جانے اور اُن کی خبر دینے کا راز یہ ہے کہ خدائے قادر و متعال نے دنیا کی آخر عمر تک پیش آنے والے تمام کلّی و جزئی حوادث کونیہ اور مقدرات کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی روحانی کتابوں میں سے ایک کتاب اور معنی الواح میں سے ایک لوح میں ثبت فرما دیا ہے، چنانچہ سورۂ حدید میں فرماتا ہے۔

"آفاق و نفس میں کوئی مصیبت واقع نہیں ہوتی ہے لیکن یہ کہ اس کے وجود سے قبل وہ کتاب الٰہی میں درج ہے اور یہ کام (یعنی تمام امور کا ایک لوح میں ثبت ہونا خدا کی بے پایاں قدرت کے نزدیک) اس پر سہل ہے۔ تاکہ تم اپنی کسی چیز کے ضائع ہونے پر رنجیدہ نہ ہو۔ (یعنی یہ جان لو کہ خدا کے نزدیک اسمیں تمھارے لئے بہتری ہے۔ اور اس نے اس چیز کے فوت ہونے کو پہلے ہی معیّن اور ثبت فرما دیا ہے) اور کسی ایسی چیز پر خوشحال اور نازاں نہ ہو۔ جو تمھیں حاصل

---

[1] اب اس کتاب کے چھپنے کے وقت وہ سات سال کا ہو چکا ہے۔ اور دبستان فرصت کے پہلے سال میں تحصیل علم کر رہا ہے۔ ۱۲ ناشر نسخۂ فارسی

ہو گئی ہو۔ (یعنی یہ سمجھ لو کہ اُسے خدا نے تمھارے لئے مقدّر اور مقرّر فرمایا ہے)[1]

اس بنا پر ممکن ہے کہ بعض صاف اور پاکیزہ نفوس حالتِ خواب میں مادی قیود سے اس حد تک آزاد ہو جائیں کہ ارواح شریفہ، الواح عالیہ اور کتب الٰہی سے متصّل ہو جائیں اور بعض ایسے امور سے آگاہ ہو جائیں جو اُن کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں۔ پھر بیداری اور جسم کی طرف روح کی مکمّل واپسی کے وقت ان کی خیالی قوّت ان میں کوئی تصرف نہ کرے، اور جو کچھ انھوں نے دیکھا ہے بعینہ اُن کے حافظے میں باقی رہے تاکہ دوسروں کو اس کی خبر دے سکیں۔

---

[1] مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ۔

سورۂ حدید آیت ۲۳

(۱۸)

قرآن مجید سے توسّل اور خوشحالی میں عجلت

جناب حاج محمد حسن ایمانی نے بتایا کہ ایک زمانے میں میرے والد مرحوم آقائے علی اکبر مخازہ ای کے تجارتی کاروبار میں خلل آگیا انکے ذمّے مطالبات کی اتنی کثرت ہوگئی کہ وہ انکی ادائیگی سے معذور ہوگئے انھیں اوقات میں جناب عالم ربّانی مرحوم حاج شیخ محمّد جواد بید آبادی (جن کا پہلی اور چوتھی داستان میں کچھ تذکرہ ہوچکا ہے) اصفہان سے شیراز کے لئے روانہ ہوئے۔ اور چونکہ میرے والد مرحوم کو ان بزرگوار سے بہت ارادت وعقیدت تھی لہٰذا وہ شیراز میں ہمارے ہی یہاں مہمان ہوتے تھے۔ جب والد مرحوم کو خبر ملی کہ آقائے بید آبادی آبادہ پہونچ چکے ہیں تو انھوں نے کہا کہ اس معاشی تنگی اور شدید پریشان حالی کے موقع پر ان کا آنا مناسب نہیں تھا جب موصوف زرقان پہونچے تو مزید پانچ تومان ادا کر کے ایک تیز رفتار سواری کرائے پر لی تاکہ روز جمعہ کے وقت ظہر سے پہلے شیراز پہونچ جائیں اور غسل جُمعہ بجالائیں (کیونکہ وہ بزرگوار مستحبات کے سختی سے پابند تھے، بالخصوص غسل جمعہ کے جو سُنّت موکدّہ ہے) خلاصہ یہ کہ وہ ظہر جمعہ سے قبل ہمارے گھر پہونچ گئے اور جب والد مرحوم سے انکی ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میں بے موقع اور بے مناسبت نہیں آیا ہوں تم آج کی شب سے تمام اہلِ خانہ کے ہمراہ اس تفصیل کے ساتھ سورۂ مبارکۂ انعام کی تلاوت شروع کرو کہ طلوع صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان قراءت میں مشغول ہو جاؤ اور آیۂ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُوالرَّحْمَةِ کی آخر تک اسمائے مبارکہ "رب" اور "محمّد (و) علی ع" کے اعداد کے مُطابق ۲۰۲ مرتبہ تکرار کرو۔ اس کے بعد حمّام تشریف لے گئے اور غسل جمعہ کر کے واپس ہوئے۔

ہم لوگوں نے اسی رات سے مذکورہ تلاوت شروع کر دی۔ چنانچہ دو ہفتوں کے بعد ہی فارغ البالی کا دور آگیا، ہر قسم کی تنگی اور پریشانی دور ہوگئی اور ہم نے والد مرحوم کی آخری عمر تک انتہائی خوشحالی اور آسائش کے ساتھ زندگی بسر کی۔

(۳۱)

ایک بہت ہی عجیب داستان

تقریباً پندرہ سال قبل میں نے قم اور نجف اشرف کے علمائے اعلام کی ایک جماعت سے سُنا کہ ایک ستّر سالہ بوڑھے انسان موسوم بہ کربلائی محمّد کاظم کریمی ساروقی[ل] کو جو بالکل بے سواد اور پڑھنے لکھنے سے محروم تھے تمام قرآن مجید اس طرح سے تفویض ہوا کہ وہ مندرجہ ذیل ایک عجیب طریقے سے سارے قرآن کے حافظ بن گئے۔

ایک پنجشنبے کو عصر کے وقت کربلائی محمّد کاظم ایک امام زادے کی زیارت کے لئے گئے جو اسی مقام پر مدفون ہیں۔ جب وہاں پہونچے تو دو نفر بزرگوار سیّدوں کو دیکھا جنھوں نے ان سے فرمایا کہ حرم کے اطراف میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے اسے پڑھو۔

انھوں نے کہا، حضرات! میں پڑھا لکھا نہیں ہوں اور قرآن نہیں پڑھ سکتا۔ انھوں نے فرمایا، نہیں تم پڑھ سکتے ہو۔ ان حضرات کے التفات اور فرمائش کے بعد ان پر بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ اور یہ اسی جگہ گر پڑے اور دوسرے روز وقت عصر تک اسی حالت میں رہے۔ یہاں تک کہ گاؤں کے لوگ امام زادے کی زیارت کے لئے آئے تو انھیں پڑا ہوا پایا۔ چنانچہ انھیں اٹھا کر ہوش میں لائے۔ جب ان کی نظر کتابت پر پڑی تو دیکھا کہ سورۂ جمعہ ہے۔ اور اسے شروع سے آخر تک پڑھ لیا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو تمام قرآن مجید کا حافظ پایا، چنانچہ ان سے جس سورے کے لئے فرمائش کی جاتی تھی اسے اپنے حافظے کی طاقت پر بالکل صحیح طریقے سے پڑھ کے سُنا دیتے تھے۔

میں نے مرحوم میرزا سے حجۃ الاسلام شیرازی کے پوتے آقائے میرزا احسن سے سُنا کہ میں نے ان کا مکرّر امتحان لیا ہے"۔ ان سے جس آیت کے بارے میں پوچھتا تھا فوراً بتا دیتے تھے

ل ساروق فراہان اراک کے ملحقات میں سے ہے۔ ۱۲

کہ یہ فلاں سورے کی آیت ہے۔

اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ہر سورے کو الٹا بھی پڑھ سکتے تھے یعنی سورے کے آخر سے شروع کر کے اس کی ابتدا تک پڑھ لیتے تھے۔

موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ کتاب تفسیر صافی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے اُسے کھول کے اُن کے سامنے رکھا اور کہا، یہ قرآن ہے۔ اُسے اس کی تحریر کے مُطابق پڑھئے انھوں نے کتاب ہاتھ میں لے کے اس پر نظر کی تو کہا کہ جناب یہ پورا صفحہ قرآن نہیں ہے۔ پھر آیۂ مُبارک پر ہاتھ رکھ کے کہتے تھے، صرف یہ سطر قرآن ہے، یا یہ آدھی سطر قرآن ہے۔ اسی طرح دیگر آیات کی نشاندہی کرنے پر بتاتے تھے کہ مابقی قرآن نہیں ہے۔

میں نے کہا آپ یہ کہاں سے کہہ رہے ہیں درحالیکہ آپ عربی اور فارسی سے نابلد ہیں۔ تو انھوں نے کہا جناب! خدا کا کلام نور ہے۔ یہ حصّہ نورانی ہے اور دوسرا حصّہ تاریک ہے۔ (نورانیت قرآن کی نسبت سے)

میں نے ایسے چند دیگر علمائے اعلام سے بھی ملاقات کی ہے۔ جو فرماتے تھے کہ ہم سبھی نے ان کا امتحان لیا۔ اور یقین کیا ہے کہ ان کا معاملہ خارق عادت ہے۔ اور مبدء فیّاض جلّ وعلیٰ سے ان پر یہ فیضان ہوا ہے۔

سالنامہ نور دانش سنہ ۱۳۳۵ھ کے صفحہ ۲۲۳ پر کربلائی محمّد کاظم موصوف کی تصویر شائع ہوئی ہے۔ اور "نمونۂ از اشراقات ربانی" (یعنی خدائی الہامات کا ایک نمونہ) کے عنوان کے تحت ایک مقالہ بھی چھپا ہے جس میں ان کے امور کے غیر معمولی اور خارق عادت ہونے پر چند جلیل القدر علماء کی شہادتیں بھی نقل کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ لکھتے ہیں، مذکورۂ بالا تمام دستخطوں کے پیش نظر کربلائی سارو قی کے حفظ قرآن کا وہبی ہونا دو دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) اُن کی بے سوادی اور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے محرومی جس کی ان کی بستی کے تمام باشندے گواہی دیتے ہیں اور کسی ایک شخص نے بھی اس کے خلاف بیان نہیں دیا ہے میں (یعنی مضمون نگار) نے خود ذاتی طور پر تہران میں مقیم سارو قیوں سے تحقیق کی اور باوجود

اس کے کہ ان کی بے سوادی کا موضوع کثیر الاشاعت جرائد واخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ آج تک کسی نے اس کی تردید نہیں کی ہے۔

(۲) ان کے حفظِ قرآن کے بعض خصوصیات جو تحصیل علم ودرس وتدریس کے دائرے سے خارج ہیں۔ مثال کے طور پر۔

۱۔ جب کوئی عربی یا غیر عربی لفظ یا کلمہ ان کے سامنے پڑھا جائے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے اندر ہے یا نہیں ہے۔

۲۔ اگر کسی قرآنی کلمے کے بارے میں اُن سے پوچھا جائے تو فوراً بتا دیتے ہیں کہ یہ کس پارے اور کس سورے میں ہے۔

۳۔ اگر کوئی کلمہ یا فقرہ قرآن مجید میں چند مقامات پر استعمال ہوا ہو تو بلا تکلف ان تمام مواقع کی تعداد بتا دیتے ہیں اور ہر ایک کے بعد کی عبارت بھی پڑھ دیتے ہیں۔

۴۔ اگر کسی آیت کا ایک لفظ یا ایک حرکت غلط پڑھ دی جائے یا اس میں زیادتی یا کمی کر دی جائے تو بغیر سوچے سمجھے متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسے بتا دیتے ہیں۔

۵۔ اگر چند سوروں سے چند فقرے یکے بعد دیگرے پڑھے جائیں تو بلا اشتباہ ہر ایک کا محل وقوع بیان کر دیتے ہیں۔

۶۔ جو قرآن انھیں دیا جائے اس کی ہر آیت و کلمے کی فوراً نشاندہی کر دیتے ہیں۔

۷۔ جس وقت ایک عربی یا غیر عربی صفحے پر دیگر کلمات کے مُطابق کوئی آیت لکھ دی جائے تو آیت کا امتیاز کر لیتے ہیں۔ جس کی تشخیص اہلِ علم وفضل کے لئے بھی دشوار ہے۔ ایک بہترین حافظے والا انسان صرف بیس صفحات کے فارسی زبان والے ایک جزو کے بارے میں بھی ان خصوصیات کا حامل نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) قرآنی آیات کے بارے میں چند علماء کی شہادتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ کربلائی کاظم کی یہ قرآنی موہبت، ان لوگوں کے لئے حیرت انگیز تھی جن لوگوں نے اپنی محدود فہم وفکر کو مادیات کی چہار دیواری میں قید کر رکھا ہے۔ اور ماورائے طبیعت کے منکر ہیں۔ ساتھ ہی یہ امر عجیب چند گمراہوں کی ہدایت کا باعث بھی ہوا۔ لیکن یہ امر اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود اہلِ توحید کی نظر میں افاضات

خداوندی کی بیکراں شعاعوں میں سے ایک چھوٹی سی شعاع اور کمترین مظاہر قدرت میں سے ہے۔ صرف یہی نہیں ایسے خارق عادت امور انبیاءؑ اور نمایندگان حق کے ذریعہ بار بار ظہور پذیر ہوتے رہے اور یہ واقعات تواریخ کے صفحات میں درج اور محفوظ ہیں۔ زمانۂ حال میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو مبدءِ قدرت سے قرب و ارتباط کے سبب صاحب کرامات ہیں اور انکی اہمیت ہمارے حافظ قرآن سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اس مقالے کے آخر میں ایک نکتے کا تذکرہ لازمی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس حافظ قرآن کا حال مشہور ہونے اور اہلِ تہران سے ان کی شناسائی کے بعد میں نے بازار کے چند معمّرین اشخاص سے سنا کہ مرحوم حاج آقا یحییٰ کے زمانے میں ایک کے زمانے میں ایک نابینا شخص حاجی عبود کی مسجد سیّد عزیز اللہ میں آمد و رفت تھی۔ وہ اندھا ہونے کے باوجود کربلائی سار وقی کے خصوصیات کے ساتھ حافظ قرآن تھا۔ وہ بھی کوری کے عالم میں مقام آیت کی نشاندہی کرتا تھا۔ اور لوگوں کے لئے قرآن مجید سے استخارہ بھی کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز قرآن مجید کے سائز کے برابر ایک فرانسیسی لُغت استخارے کے لئے اس کے ہاتھ میں دی گئی تو فوراً اُسے پھینک دیا اور ناراض ہوکر کہا یہ قرآن نہیں ہے ایک ایسی نشست میں جہاں یہ حافظِ قرآن بھی موجود تھا یونیورسٹی کے محترم استاد جناب آقائے ابن الدین نے حاجی عبود کے خصوصیات کی تصدیق کی اور بیان کیا کہ قم میں آقائے مصباح کے گھر پر مرحوم آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری کے حضور میں انھوں نے ان سے ملاقات کی اور ان کی آزمائش کی ہے۔

یہ قدرت کے آثار میں سے ہے جو کبھی کبھی لوگوں کی ہدایت اور حجت ظاہری کے اتمام کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

(۳۲)

حُسینی مُعجزہ

مرد صالح و پرہیزگار مرحوم محمد اسمٰعیل بیگ نے جن کی نظیر اہلبیت علیہم السّلام سے توسّل اور حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام سے گہری عقیدت کے بارے میں بہت ہی کمیاب ہے اور جنھیں اس باب رحمت سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات بھی نصیب ہوئے اور جو ماہ رمضان ۱۳۸۷ھ میں رحمت الٰہی سے واصل ہوئے۔ بیان کیا کہ میں چھ سال کے سن میں آنکھوں کے درد میں مبتلا ہوا۔ اور تین سال تک اس مصیبت میں گرفتار رہا۔ یہاں تک کہ دونوں آنکھوں سے نابینا ہوگیا۔ ماہ محرّم کے ایّام عاشورہ میں میرے محترم ماموں حاج محمد تقی اسمٰعیل بیگ کے گھر پر روضہ خوانی کی مجلس تھی۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا لہٰذا برف کا شربت تقسیم ہو رہا تھا میں نے اپنے ماموں جان سے خواہش کی کہ میں لوگوں کو شربت دینا چاہتا ہوں فرمایا، کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ تم سے یہ کام نہ ہو سکے گا۔ میں نے کہا کوئی دوسرا آدمی میرے ساتھ کر دیجئے۔ جو مجھے مدد دیتا رہے۔ انھوں نے اسے منظور فرمایا اور میں نے خود انھیں کی اعانت سے چند اشخاص کو شربت تقسیم کیا۔

اسی اثناء میں مرحوم معین الشریعت اصطہباناتی منبر پر تشریف لے گئے اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے مصائب پڑھنے لگے میں سخت متاثر ہوا۔ اور روتے روتے غش کر گیا۔ اسی بے خودی کی حالت میں ایک معظّمہ نے جو میرے خیال میں حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا تھیں میری دونوں آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا تم اچھے ہو گئے اب تمھاری آنکھوں میں کبھی درد نہ ہوگا۔ پس میں نے آنکھیں کھولیں اور اہلِ مجلس کو دیکھا تو شاد و خرم دوڑتا ہوا اپنے ماموں کے پاس پہونچا۔ تمام اہلِ مجلس میں جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ اور سب نے مجھے گھیر لیا میرے ماموں کے کہنے پر مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ اور لوگوں کو متفرق کیا۔ نیز انھوں نے نقل کیا کہ چند سال قبل میں ایک تجربے میں مشغول تھا اور اس چیز سے غافل تھا کہ میرے

قریب ایک ظرف الکوہل سے بھرا ہوا رکھا ہے۔ میں نے ماچس کی تیلی جلائی تو دفعتاً الکوہل نے آگ پکڑ لی جس سے آنکھوں کے سوا میرا سارا بدن جھلس گیا اور میں کئی مہینے ہسپتال میں زیرِ علاج رہا۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمھاری آنکھیں کیسے بچ گئیں۔؟ میں نے کہا امام حسینؑ علیہ السلام کا عطیہ ہے۔ اور یہ وعدہ ہے کہ آخر عمر تک میری آنکھیں درد نہ کریں گی۔

(۳۳)

موت سے نجات

یقین کی منزل پر فائز مرحوم عباس علی مشہور بہ "حاج مومن" بہت سے مکاشفات کے حامل تھے۔ تقریباً تیس سال تک سفر و حضر میں مجھ کو ان کی مصاحبت کی نعمت حاصل رہی۔ اور دو سال ہوئے وہ مرحوم رحمت ایزدی سے واصل ہوئے ان کے بارے میں متعدد واقعات مشہور ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ حکومت کے جاسوسوں نے اُن کے ماموں زاد بھائی "عبد النبی" کے پاس اسلحہ کی موجودگی دکھائی اور انھیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا اور آخر کار انھیں سزائے موت کا حکم سُنا دیا گیا۔ اُن کے باپ سخت پریشان، نالاں و گریاں اور مایوسی کا شکار تھے۔ حاجی مومن مرحوم نے ان سے کہا کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے آج کے دور میں تمام امور امام دوازدہم علیہ السلام حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ کے ارادے اور اختیار کے ماتحت ہیں۔ آج کی رات شبِ جُمعہ ہے۔ ہم اُن حضرتؑ سے متوسّل ہوتے ہیں۔ خدا قادر ہے کہ ان حضرتؑ کے برکات سے آپ کے فرزند کو نجات بخشے۔ پس اس رات کو حاجی مومن اور اس لڑکے کے ماں باپ نے شب بیداری کی اور نماز امامؑ سے توسّل اور حضرتؑ کی زیارت میں سرگرم رہے۔ اس کے بعد آیہ مبارکہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ

السُّوْٓءَ کی قراءت میں مشغول ہوئے۔ آخر شب تینوں اشخاص نے مشک کی ایک عجیب خوشبو محسوس کی۔ اور اُن حضرتؑ کے نورانی جمال کی زیارت کی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ تمھاری زیارت قبول ہوئی۔ خدا نے تمھارے فرزند کو نجات بخشی اور وہ کل اپنے گھر آجائے گا۔

حاج مومن مرحوم کہتے تھے کہ عبد النبی کے ماں باپ جمال مبارک کے دیدار سے بے طاقت ہو گئے۔ اور صبح تک مدہوش و بیہوش رہے۔ جب دن ہوا تو اپنے فرزند کی خبر لینے کے لئے گئے کیونکہ انھیں اُسی روز پھانسی دی جانے والی تھی۔ انھیں بتایا گیا کہ ان کی سزائے موت ملتوی ہو گئی ہے۔ اور طے ہوا ہے کہ ان کے مقدمے پر نظر ثانی کی جائے۔ چنانچہ وہ ظہر سے پہلے ہی رہا کر دیئے گئے اور وہ صحیح و سالم اپنے گھر آ گئے۔

سخت امراض اور شدید مصائب میں حاج مومن مرحوم کی استجابت دعا کے بہت سے واقعات ہیں۔ یہ واقعہ ان میں سے ایک نمونہ ہے۔ ان کی پاک روح پر خدا کی بے پایاں رحمت نازل ہو۔

(۳۴)

حضرت ولیٔ عصرؑ کی دادرسی

نیز حاجی مومن موصوف علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ مجھکو نوجوانی کے زمانے میں حضرت حجت علیہ السّلام کی زیارت اور ملاقات کے شدید اشتیاق نے اسقدر بے قرار کیا کہ جب تک آقا کا دیدار نہ ہو میں نے کھانا پینا اپنے اوپر حرام کر لیا، (دراصل یہ عہد نادانی اور شدّتِ اشتیاق کی وجہ سے تھا) اور دو شبانہ روز کچھ نہیں کھایا۔ تیسری شب اضطراب کے عالم میں تھوڑا سا پانی پی لیا۔ اس کے بعد مجھ پر غشی طاری ہوگئی۔ اُسی حالت میں مَیں نے حضرت حجت علیہ السّلام کو دیکھا۔ آپ نے مجھے متنبہ فرمایا کہ ایسا کیوں کر رہے ہو، اور اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ میں تمھارے لئے کھانا بھیج رہا ہوں اُسے کھاؤ۔ پس میں اپنے ہوش میں آگیا رات کا تہائی حصّہ گزرا تو میں نے دیکھا کہ مسجد (مسجد سر دزک) خالی ہے کوئی متنفس اس کے اندر نہیں ہے۔ اور کوئی شخص مسجد کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ میں نے اٹھ کے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب اس طرح سے اپنے سر پر عبا ڈالے ہوئے ہیں کہ پہچانے نہ جاسکیں۔ انھوں نے عبا کے نیچے سے ایک ظرف غذا سے پُر نکال کے مجھے دیا۔ اور دو مرتبہ فرمایا کھاؤ، اور اس میں سے کسی کو نہ دینا، اور اس ظرف کو منبر کے نیچے رکھ دینا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ میں مسجد میں واپس آیا تو دیکھا کہ پکّے ہوئے چاول اور ان کے ساتھ بھُنا ہوا مُرغ ہے۔ میں نے اس میں سے کھایا اور مجھ کو ایسی لذّت حاصل ہوئی کہ اس کو بیان کرنا طاقت سے باہر ہے دوسرے روز غروب آفتاب سے قبل مرحوم میرزا محمّد باقر جو اس زمانے کے اخیار و ابرار افراد میں سے تھے تشریف لائے۔ پہلے مجھ سے ظروف کا مطالبہ کیا اس کے بعد ایک کیسے میں کچھ پیسے عنایت کئے۔ اور فرمایا کہ تمھیں سفر کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ پیسے لو اور جناب آقا

سیّد ہاشم (پیش نماز مسجد سر دزک) کے ہمراہ جو عازم مشہد مُقدّس ہیں روانہ ہوجاؤ! راستے میں ایک بزرگ سے تمھاری ملاقات ہوگی۔ جن سے تمھیں فیض حاصل ہوگا۔

حاجی مومن کہتے ہیں کہ میں انھیں پیسوں کے ساتھ مرحوم آقا سیّد ہاشم کی ہمراہی میں روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ تہران پہونچا۔ جب تہران سے آگے بڑھا تو ایک روشن ضمیر بوڑھے بُزرگوار نے اشارہ کیا اور گاڑی ٹھہر گئی۔ وہ مرحوم آقا سیّد ہاشم کی اجازت سے (کیونکہ پوری گاڑی انھیں نے کرائے پر لی تھی) سوار ہوئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اثنائے راہ میں مجھے بہت سی نصیحتیں اور ہدائیتیں کیں۔ اور ضمناً میری آخری عمر تک پیش آنے والے حالات اور واقعات سے مجھے مُطلع کیا۔ اس کے علاوہ جن چیزوں میں میری بھلائی تھی ان سے آگاہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے جن باتوں کی خبر دی تھی وہ سب کی سب پیش آئیں۔ ساتھ ہی مجھے قہوہ خانے (ہوٹل) کے کھانے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا کہ مشتبہ لقمہ قلب کے لئے مُضر ہے ان کے ساتھ ایک دستر خوان تھا، جب کھانے کی خواہش ہوتی تھی تو اس میں سے تازہ روٹی نکالتے تھے جنمیں سے مجھے بھی دیتے تھے۔ اور کبھی سبز کشمش نکال کر مجھے دیتے تھے، جب ہم قدمگاہ میں پہونچے تو فرمایا میری موت قریب ہے۔ اور میں مشہد مقدس تک نہ پہونچ سکوں گا۔ جب میں مرجاؤں تو میرا کفن میرے ساتھ ہے۔ اور مبلغ بارہ[۱۲] تومان بھی ہیں۔ اس رقم سے میرے لئے صحن مقدّس کے گوشے میں قبر مہیّا کرنا۔ اور میری تجہیز و تکفین کا کام جناب آقا سیّد ہاشم سے متعلق ہوگا۔ حاج کہتے ہیں کہ سُن کر مُجھ پر وحشت طاری ہوئی اور میں مضطرب ہوا تو فرمایا کہ سکون سے رہو۔ جب تک مجھ کو موت نہ آجائے کسی سے کچھ نہ کہنا، اور جو خدا کی مرضی ہے اس پر راضی رہو جب ہم کوہِ طرق پر پہونچے تو (پہلے زائرین کا راستہ اسی طرف تھا۔) تو گاڑی ٹھہر گئی۔ اور مُسافر پا پیادہ ہو کر حضرت رضا علیہ السّلام کو سلام کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور ڈرائیور گنبد نمائی کا انعام طلب کرنے میں مصروف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ محترم پیر مرد ایک گوشے میں گئے۔ قبر مطہر کی طرف متوجہ ہو کر سلام کیا اور شدید گریہ کرنے کے بعد کہا کہ میں اس سے زیادہ لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ کہ آپ کے روضۂ اقدس تک پہونچ سکوں۔ اس کے بعد رو بقبلہ ہو کر لیٹ گئے۔ اور اپنی سَر سے اوڑھ لی ایک

لمحے کے بعد میں ان کے سرہانے پہونچا اور عبا کو ہٹایا تو دیکھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ میرے رونے پیٹنے سے سب مُسافر جمع ہو گئے۔ میں نے ان کے کچھ چشم دید حالات بیان کئے۔ جس پر سبھی لوگ بیقرار ہو کر رونے لگے۔ اور ان کے جنازۂ مبارک کو اسی گاڑی سے شہر میں لاکر صحن مقدّس میں دفن کیا۔

(۳۵)

موت کے وقت کی خبر

حاج مومن موصوف علیہ الرحمہ سید زاہد و عابد جناب سید علی خراسانی کے بارے میں جو چند سال تک مسجد سرذرک کے حجرے میں معتکف اور مشغول عبادت رہے تھے چند باتیں نقل کرتے تھے۔ منجملہ انھوں نے بتایا کہ انتقال سے ایک ہفتہ قبل سید موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ شب جمعہ میں سحر کے وقت میرے پاس آجانا کیونکہ وہ میری زندگی کی آخری رات ہوگی۔ میں شب جمعہ میں ان کے پاس حاضر ہوا تھوڑا سا دودھ انگیٹھی پر چڑھا ہوا تھا اس میں سے ایک فنجان خود استعمال کیا اور بقیہ مجھے دیتے ہوئے کہا، کہ اسے پی لو۔ پھر فرمایا کہ آج کی شب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ میری تجہیز و تکفین کا کام جناب آقا سید ہاشم (امام جماعت مسجد سرذرک) کے ذمّے ہوگا۔ صبح کے وقت، عدالت کے جج (جن کا قیام مسجد کے قریب ہی تھا) آئیں گے اور مجھے کفن دینے کی خواہش کریں گے۔ لیکن تم اس کی اجازت نہ دینا۔ البتہ حاج جلال قنّاد کے لئے قبول کر لینا کہ وہ مجھے اپنے مال سے کفن دیں۔ اس کے بعد رو بقبلہ بیٹھ کے قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ ناگاہ ان کی آنکھیں ٹھہر گئیں اور قبلے کی طرف متوجہ ہو کر تقریباً سو مرتبہ کلمۂ مُبارکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ زبان پر جاری کیا۔ اس کے بعد پورے قد کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور کہا،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدَّاهُ پھر رو بقبلہ لیٹ گئے اور کہا یا علیؑ یا مولای، اور مجھ سے فرمایا اے جوان ڈرو نہیں اور میرے لئے پریشان نہ ہو مجھ کو راحت مل رہی ہے۔ اور میں اپنے جد کے جوار میں جا رہا ہوں۔ پس اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اور خاموش ہو کر رحمت الٰہی سے واصل ہو گئے

(۳۶)

خیال سے آگاہی

انھیں حاج مومن موصوف علیہ الرحمہ نے مرحوم عالمِ کامل جناب حاج سید ہاشم امام جماعت مسجد سرذرک کے بارے میں نقل کیا کہ ایک روز وہ نماز جماعت کے بعد منبر پر تشریف لے گئے تھے اور نماز میں حضور قلب کے لزوم اور اس کی اہمیت کے سلسلے میں کچھ مطالب بیان کر رہے تھے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ ایک روز اسی مسجد میں میرے والد ماجد (مرحوم آقائے حاج سید علی اکبر یزدی اعلی اللہ مقامہ) نماز جماعت پڑھانے جا رہے تھے اور میں بھی جماعت میں شامل تھا۔ ناگاہ ایک شخص دیہات والوں کی وضع قطع میں وارد ہوا اور جماعت کی صفوں سے گزرتا ہوا پہلی صف میں میرے والد کے پس پُشت آکر کھڑا ہوا مومنین کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی کہ جس مقام پر صاحبانِ علم و فضل کو ہونا چاہیئے وہاں ایک دیہاتی پہونچ گیا لیکن اس نے کوئی اعتناء نہیں کی۔ پھر دوسری رکعت میں قنوت کی حالت میں فرادیٰ کی نیت کر کے اپنی نماز تمام کی اور اسی جگہ بیٹھ کے وہ دسترخوان کھولا جو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اور روٹی کھانا شروع کر دی جب ہم لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو سب نے ہر طرف سے اُس پر یلغار کر دی اور اعتراض کرنا شروع کیا۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میرے والد نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر صورتحال دریافت کی۔ لوگوں نے کہا کہ آج یہ جاہل مسئلہ دیہاتی

شخص آکر پہلی صف میں آپ کے پس پشت جماعت میں شامل ہوا۔ پھر نماز کے درمیان سے فرادیٰ کی نیت کرلی اور اب بیٹھا ہوا کچھ کھا رہا ہے میرے والد نے اس شخص سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس کا سبب آہستہ سے آپ کو بتا دوں یا مجمع کے سامنے بیان کروں؟

میرے والد نے کہا، سب کے سامنے بیان کرو۔ اس نے کہا میں اس مسجد میں اس امید کے ساتھ آیا تھا کہ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کر کے اجر و ثواب حاصل کروں گا۔ لیکن سورۂ حمد کے درمیان دیکھا کہ آپ نماز سے باہر ہو گئے۔ اور اس خیال میں پڑ گئے کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اور مسجد پہونچنے سے عاجز ہوں لہٰذا ایک اُلاغ (یعنی سواری کے گدھے) کی سخت ضرورت ہے تاکہ اس پر سوار ہو کر آیا کروں۔ پھر آپ اُلاغ بیچنے والوں کے بازار میں پہونچ گئے اور ایک گدھے کا انتخاب کیا۔ دوسری رکعت میں اس کی خوراک اور اس کو باندھنے کی جگہ کی فکر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں عاجز آگیا اور دیکھا کہ اب اس سے آگے اقتدا مناسب نہیں ہے اور اب میں مزید آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا لہٰذا اپنی نماز الگ کر کے تمام کی۔

یہ کہنے کے بعد اس نے اپنا دستر خوان سمیٹا اور روانہ ہو گیا۔ میرے باپ نے اپنا سر پیٹ لیا اور فریاد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک بزرگ ہستی ہے اُسے بُلا کے لاؤ کیونکہ مجھے اس سے ایک ضرورت ہے۔ لوگ اُسے واپس لانے کے لئے گئے لیکن وہ غائب ہو گیا، اور پھر آج تک نظر نہیں آیا۔

پس اس اَمر پر توجہ رکھنا چاہیئے کہ کسی مومن کو کسی وقت بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ یا اس کے عمل کو جسے صحت پر محمول کیا جا سکتا ہو محل اعتراض نہ قرار دینا چاہیئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہی شخص جس کی تحقیر کی جا رہی ہے زندگی کے ان ظاہری، پہلوؤں سے محرومی کے باوجود جنھیں لوگوں نے میزان شرافت اور احترام و اکرام کا لازمہ قرار دے رکھا ہے۔ خدا کے نزدیک باعزّت اور گرامی مرتبہ ہو اور ہم دانستہ طور پر خُدا کے دوست کی اہانت کر کے قہر و غضب الٰہی کے مستوجب بن جائیں۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کا دوست کوئی عمل صحیح بجا لائے اور دوسرا شخص اُسے صحت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مورد اعتراض قرار دے کر اس کی دِلشکنی کرے[۱]

(۳۷)

مومن کی تحقیر نہ کرنا چاہیئے

عالِم متقی جناب حاج شیخ محمّد باقر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری عادت تھی کہ ہمیشہ نماز جماعت کے بعد میرے داہنے اور بائیں جو نمازی ہوتے تھے اُن سے مصافحہ کیا کرتا تھا ایک بار سامرا کے اندر مرحوم میرزائے شیرازی اعلی اللہ مقامہ کی جماعت میں نماز کے بعد اپنی داہنی طرف کے ایک اہلِ علم بزرگوار سے تو مصافحہ کیا لیکن بائیں جانب ایک دیہاتی شخص تھا جو مجھے حقیر نظر آیا اور میں نے اس سے مصافحہ نہیں کیا۔ لیکن فوراً اپنے فاسد خیال سے پشیمان ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ شاید یہی شخص جو تمھاری نظر میں کوئی شان و وقعت نہیں رکھتا خدا کے نزدیک محترم و باعزّت ہو۔ چنانچہ بِلا تاخیر پورے اَدب کے ساتھ اس سے بھی مصافحہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی مشک کی ایک عجیب سی خوشبو میرے مشام میں پہونچی۔ جو دنیاوی مشکوں سے مشابہت نہیں رکھتی تھی۔ اس سے میں بہت زیادہ مسرور و خوشوقت اور دِلشاد ہوا۔ احتیاطاً اُس سے پوچھا کہ تمھارے پاس

---

[۱] مومن کی تحقیر و اہانت اور اسے دل شکستہ کرنے کے گناہ کی شدّت معلوم کرنے کے لئے کتاب گناہانِ کبیرہ جلد دوم ص ۳۵۰ تا ص ۴۱۷ کی طرف رجوع کیا جائے۔

مشک ہے؟

اس نے کہا نہیں میرے پاس کبھی مشک نہیں رہا۔ اس بات سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ روحانی و باطنی خوشبوؤں میں سے ہے۔ اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ یہ ایک روحانی اور جلیل القدر انسان ہے۔

اسی روز سے میں نے طے کر لیا کہ آئندہ کبھی کسی مومن کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھوں گا۔

(۳۸)

خدا کی مہربانی اور بندے کی ناشکری

مرحوم شیخ الاسلام موصوف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے عالم بزرگوار اور سید عالی مقدار امام جمعہ بہبہانی (جن کا نام بھی مرحوم نے بتایا تھا لیکن میں بھول گیا) سے سنا کہ مکۂ معظمہ میں حاضری کے زمانے میں ایک روز میں مسجد الحرام میں مشرف ہونے اور اس مقدس مکان میں نماز ادا کرنے کے قصد سے باہر نکلا۔ اثنائے راہ میں ایک شدید خطرہ پیش آ گیا۔ لیکن خدا نے مجھے موت سے نجات دی اور میں پوری صحت و سلامتی کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسجد کے دروازے کے قریب خربوزوں کے دو بڑے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اور دوکاندار انھیں فروخت کرنے میں مشغول تھا۔ میں نے ان کی قیمت دریافت کی تو اس نے کہا کہ وہ ڈھیر فلاں قیمت کا ہے۔ اور دوسرا ڈھیر اس سے ارزاں اور فلاں قیمت کا۔ میں نے سوچا کہ مسجد سے واپسی میں خرید کے لے جاؤں گا۔ پس میں مسجد الحرام پہونچ کے نماز میں مشغول ہوا اور حالتِ نماز میں اس حال میں غرق ہو گیا کہ گراں قیمت والے خربوزے خریدوں یا سستے؟ اور کس مقدار میں خریدوں یہاں تک کہ انھیں خیالات کے ساتھ

نماز تمام کی۔ جب نماز سے فراغت کے بعد مسجد سے باہر نکلنا چاہا تو ایک صاحب، دروازے سے اندر داخل ہوئے اور میرے پاس آ کر میرے کان میں کہا، آج جس خدا نے تمھیں موت کے خطرے سے نجات دی آیا مناسب ہے کہ تم اُسی کے گھر میں خربوزے کی نماز پڑھو؟ میں فوراً اپنے عیب کی طرف متوجہ ہوا اور کانپنے لگا۔ اس کے بعد چاہا کہ ان کا دامن تھام لوں لیکن پھر وہ نظر نہیں آئے۔

داستان ۳۷ و ۳۸ کی نظیر میں کثرت سے ہیں۔ منجملہ ان کے کتاب قصص العلماء صفحہ ۳۱۱ پر مرحوم تنکابنی کہتے ہیں کہ سید رضی علیہ الرحمہ کی کرامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ سید رضی رح نے اپنی نماز میں اپنے بھائی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کی اقتدا کی۔ جب رکوع میں پہونچے تو انھوں نے اپنی نماز کو فرادیٰ کر لیا اور اقتدا کو منقطع کر دیا۔ نماز کے بعد لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو جواب میں فرمایا کہ جب میں رکوع میں پہونچا تو دیکھا کہ امام جماعت میرے بھائی سید مرتضیٰ رح حیض کے ایک مسئلے پر غور کر رہے ہیں۔ ان کا دل اسی کی طرف متوجہ ہے اور وہ خون کے دریا میں غوطہ لگا رہے ہیں پس میں نے اپنی نماز کو فرادیٰ کر لیا۔ اور بعض کتابوں میں ہے کہ جناب سید مرتضیٰ اع نے فرمایا تھا کہ میرے بھائی ٹھیک مجھے نماز کے لئے آنے سے پہلے ایک عورت نے مجھ سے حیض کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا تھا اور میں اسی کے جواب کے خیال میں محو ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر میرے بھائی نے مجھے خون کے دریا میں غوطہ زن دیکھا نماز میں حضور قلب ہر چند کہ اس کی صحت کے شرائط میں سے نہیں ہے یعنی بغیر حضور قلب کی نماز سے بھی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اور نماز کی قضا یا اعادہ واجب نہیں ہے لیکن یہ جان لینا ضروری ہے کہ بے حضور قلب کی نماز بے روح کے بدن کے مانند ہے یعنی جس طرح بغیر جان کے جسم کا کوئی اثر و فائدہ نہیں ہے اسیطرح بغیر حضور کی نماز کا بھی کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ اور یہ قرب خدا کی موجب نہ ہوگی۔ سوا اس کے اُس حصّے کے جو حضور کے ساتھ بجا لایا گیا ہو۔ اسی بنا پر بعض نمازوں کا نصف ۱/۲، بعض کا ثلث ۱/۳، اور بعض کا ربع ۱/۴، یہاں تک کہ بعض کا عُشر

یعنی صرف دسواں حصّہ مقبول ہے[1]۔

کتاب کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے، کہ ممکن ہے کسی شخص نے پچاس سال تک نمازیں پڑھی ہوں لیکن اس کی دو رکعتیں بھی مقبول نہ ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ صَلٰوةٍ لَا تُرْفَعُ وَ عَمَلٍ لَا يَنْفَعُ۔

(یعنی خداوندا میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی نماز سے جو تیری بارگاہ کی جانب بلند نہ ہو، اور ایسے عمل سے جو کوئی فائدہ نہ پہونچائے۔)

---

[1]۔ نماز میں حضورِ قلب کے لزوم و اہمیّت اور اسے حاصل کرنے کی کیفیت جاننے کے لئے کتاب صلوٰۃ الخاشعین اور مختصر طور پر کتاب گناہانِ کبیرہ صفحہ ۲۶۲ سے ۲۷۰ تک کی طرف رجوع کیجئے۔

(۳۹)

فوری فریادرسی

استاد محترم آقائے علی اصغر اثنا عشری نے بیان کیا کہ ایک رات میری اہلیہ نکسیر میں مبتلا ہوئیں اور ناک کی دونوں جانب سے مُسلسل خون جاری ہوگیا۔ اس وقت کسی ڈاکٹر کے پاس بھی رسائی ممکن نہ تھی۔ میں نے سوچا اگر یہی حالت قائم رہی تو شدید ضعف اور ہلاکت کی نوبت آسکتی ہے۔ پس بغیر غور و فکر ارادے کے اسمِ مبارک "یاقابضُ" میری زبان پر جاری ہوگیا اور میں اسے بار بار دُہراتا رہا۔ خون فوراً اس طرح سے رک گیا کہ پھر خون کا ایک ذرّہ بھی خارج نہیں ہوا۔

ایک ہفتے کے بعد میں رات کو سو رہا تھا کہ مجھکو جگایا گیا اور کہا گیا کہ اُٹھئے وہ دوبارہ دماغ کے خون میں مبتلا ہوگئی ہیں۔ جو کچھ آپ نے اس رات پڑھا تھا وہی پھر پڑھ دیجئے۔ میں اٹھا اور اسی اسمِ مبارک کی تکرار کی اور خون منقطع ہوگیا۔

احادیث دعا کے اہم شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کی بے پایاں قدرت پر یقین ہو جو مادّیات اور اسباب سے بالاتر ہے، اور جملہ وسائل اس کے ارادے کے پابند اور مسخّر ہیں۔ جو شخص شک اور تردّد میں مبتلا ہو اس کی دعا قبولیت سے دور ہے۔ کُلّی طور پر جو شخص اپنے کو صرف اللہ کی طرف مضطر اور حاجتمند پائے اور یقین کرلے کہ سوا خدا کے اس کا کوئی فریادرس نہیں ہے۔ تو اس حالت میں وہ جو کچھ طلب کرے گا اُسے عطا کیا جائے گا۔

بعض معتبر کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ ایک روز ایک عورت اپنے شیر خوار بچّے کو گود میں لئے ہوئے ایک نہر کے پُل پر سے گُزر رہی تھی، ناگاہ لوگوں کے ہجوم سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑی اور اس کا بچّہ چھوٹ کر نہر میں گر گیا۔ وہ چیخنے لگی مسلمانو! میری مدد کو پہونچو۔

بچے کا قنداقہ (ایک کپڑا جو شیر خوار بچے پر لپیٹا جاتا ہے) پانی کے ساتھ بہتا ہوا نظر آر ہا تھا اور اس کی ماں اس کے پیچھے پیچھے نالہ و فریاد اور لوگوں سے استغاثہ کرتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک ایسے مقام پر پہونچی جہاں نہر کا کچھ پانی اس نشیب میں داخل ہو رہا تھا جو چکّی کے پتھر کو گردش دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اتفاق سے بچّہ بھی اُسی حصّے میں داخل ہو گیا۔ ماں نے دیکھا کہ اب اس کا بچّہ پانی کے ساتھ چکّی کے پتھّر کے نیچے پہونچ کے پاش پاش ہونے ہی والا ہے اور یقین کر لیا کہ اب کوئی شخص اسے بچانے والا نہیں، چنانچہ اسی لمحے جب بچّہ اس کے نیچے پہونچ رہا تھا اس نے سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہا "خُدا" فوراً وہ تیزی سے بہتا ہوا پانی ٹھہر گیا اور اسی جگہ جمع ہو کر باہم تھپیڑے کھانے لگا۔ یہاں تک کہ ماں نے ہاتھ بڑھا کر بچّے کو اٹھا لیا۔ اور خُدا کا شکر بجا لائی۔

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ"

(سورۂ نمل آیت ۶۲)

MOWLANA NASIR DEVJANI
MAHUVA, GUJARAT, INDIA
PHONE : 0091 2844 28711
MAIL : devjani@[illegible].com

(۴۰)

عنایتِ حُسینیؑ اور قاتلُ سے انتقامُ

جناب حاج محمدّ سوداگر جو کئی سال تک ہندوستان میں رہنے کے بعد شیراز واپس آئے ہیں۔ ایسے چند عجیب واقعات بیان کرتے ہیں جنکا انھوں نے ہندوستان میں قیام کے دوران مشاہدہ کیا ہے۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک روز بمبئی میں ایک ہندو شخص نے رجسٹرار آفس میں اپنی جائیداد کا بیعنامہ کیا اور اسکی تمام قیمت خریدار سے وصول کر کے باہر نکلا دو بدمعاش اور چور جو مذہب شیعہ سے منسوب تھے اس کی گھات میں تھے تاکہ اس سے یہ رقم چھین لیں۔ ہندو نے ان کا ارادہ بھانپ لیا لہٰذا بہت تیزی کے ساتھ گھر پہونچا اور فوراً اس درخت کے ذریعہ جو اس کے گھر میں لگا ہوا تھا اوپر چڑھ کے پوشیدہ ہو گیا وہ دونوں لُٹیرے اسکے گھر پہونچے اور اُسے ہر طرف تلاش کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے بالآخر اس کی زوجہ پر سختی شروع کی۔ اور کہا کہ ہم نے اسے گھر کے اندر آتے ہوئے دیکھا ہے لہٰذا تمھیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں ہے؟ عورت نے لاعلمی ظاہر کی تو اسے مارنا پیٹنا اور اذیت دینا شروع کیا یہاں تک کہ وہ مجبور ہو گئی۔ اور کہا کہ تم اپنے حسینؑ کی قسم کھاؤ کہ انھیں کوئی نقصان نہ پہونچاؤ گے۔ تو بتا سکتی ہوں۔

ان دونوں بے حیاؤں نے امام حسین علیہ السّلام کی قسم کھائی کہ ہم کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے ہم تو صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کہاں ہے؟ عورت نے درخت کی طرف اشارہ کیا تو وہ لوگ اوپر چڑھ کے اسے نیچے لے آئے۔ اور اس سے ساری رقم وصول

کرنے کے بعد سراغ رسی اور رُسوائی کے خوف سے اس کا سر بھی قلم کر دیا۔

مجبور و بے کس عورت نے سر آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے کہا، اے شیعوں کے حُسینؑ! میں نے تمھارے نام کی قسم سے مطمئن ہو کر اپنے شوہر کا پتہ بتایا تھا۔ ناگاہ ایک بزرگ ہستی ظاہر ہوئی اور اپنی انگشت مبارک سے ان دونوں قاتلوں کی گردنوں کی طرف اشارہ فرمایا، فوراً اُن کے سر جسموں سے جُدا ہو کر زمین پر جا گرے۔ اس کے بعد مقتول ہندو کا سر اس کے بدن سے ملا دیا اور وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پس وہ بزرگوار نگاہوں سے غائب ہوگئے۔

جب حکومت کے محکموں میں اس کی اطلاع پہونچی اور انھوں نے تحقیق کے بعد اس معجزے کا یقین کر لیا تو چونکہ محرم کا مہینہ تھا لہٰذا حکومت کی جانب سے عمومی طور پر دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا۔ اور عزاداروں کے لئے ریل کا سفر مفت کر دیا گیا۔

اس موقع پر وہ ہندو اور اس کے متعلقین مُسلمان اور شیعہ ہوگئے۔

(۴۱)

امیر المُومنینؑ کا انتقام

عالم زاہد اور محب صادق مرحوم حاج شیخ محمد شفیع محسنی جمی اعلی اللہ مقامہ نے جن کا تقریباً دو مہینے ہوئے انتقال ہو چکا ہے بیان فرمایا کہ کنکان میں ایک فقیر گھروں پر جا کر حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کی مدح پڑھا کرتا تھا اور لوگ اس کے ساتھ نیک سلوک کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے وہ ایک روز سُنّی اور ناصبی قاضی کے گھر پہونچ گیا۔ اور دیر تک مدح خوانی کی۔ قاضی سخت ناراض ہوا دروازہ کھولا اور کہا، کہاں تک علیؑ کا نام لے گا میں تجھے کچھ بھی نہیں دوں گا۔ البتہ اگر عمر کی مدح کرے تو تیرے ساتھ احسان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ فقیر نے کہا اگر تم عمر کے نام پر مجھے کچھ دو گے تو وہ میرے لئے سانپ کے زہر سے بدتر ہے۔ اور میں اسے نہیں لوں گا۔ قاضی بپھر گیا اور فقیر کو سختی کے ساتھ مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ قاضی کی زوجہ درمیان میں آگئی اور قاضی سے کہا کہ اسے چھوڑ دو، ورنہ اگر یہ مر گیا تو لوگ تمھیں بھی مار ڈالیں گے۔

بالآخر کسی طرح قاضی کو گھر کے اندر واپس کیا اور فقیر کی کما حقہ دلجوئی کی تاکہ کوئی فساد پیدا نہ ہو۔ قاضی اپنے بالاخانے پر چلا گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی عورت نے قاضی کی ایک عجیب بھیانک سی چیخ سُنی۔ جب اس کے پاس پہونچی تو دیکھا کہ اس پر فالج گر چکا ہے اور وہ گونگا بھی ہو چکا ہے۔ اس کے اعزا کو خبر کی اور ان لوگوں نے آکر پوچھا، کیا ہوا ہے؟ جو خود اس کے اشاروں سے سمجھا جا سکا وہ یہ تھا۔ کہ جب میں سو گیا تو مجھ کو ساتویں آسمان پر لے گئے۔ وہاں ایک بُزرگ نے میرے منھ پر تھپڑ مارا۔ اور مجھے اوپر سے زمین پر پھینک دیا۔

لوگ اُسے بحرین کے ہسپتال لے گئے جہاں وہ تقریباً دو ماہ تک زیر علاج رہا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر اُسے کویت پہونچایا، مرحوم حاج شیخ موصوف نے فرمایا کہ

اتفاق سے جس کشتی پر میں سفر کر رہا تھا اسی پر اس کو بھی لائے اور ہم دونوں ساتھ ہی کویت پہونچے۔ وہ مجھ سے ملتجی ہوا اور دُعا کے لئے التماس کرنے لگا۔ تو میں نے اسے سمجھایا کہ جس ہستی کے ہاتھ سے تم نے تمانچہ کھایا ہے اسی کے وسیلے سے شفا بھی حاصل ہو سکتی ہے لیکن اس بات کا اس بدبخت پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے کچھ مدّت تک کویت کے ہسپتال میں بھی علاج کرایا مگر کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے گذشتہ سال تک اسی حالت میں اسے بحرین میں دیکھا جو فقر و فلاکت اور ذلّت کے ساتھ ایک دوکان میں پڑا بھیک مانگ رہا تھا۔

اس قاضی کے واقعے کی نظیر ابو عبداللہ محدّث کی داستان بھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینۃ المعاجز صفحہ ۲۴۱ میں شیخ مفید علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ میں جعفر صادقؑ کے پاس گیا اور علم تعبیر میں ان سے چار کتابیں خریدیں، جب میں نے اٹھنا چاہا تو انھوں نے کہا ذرا ٹھہریئے، میں آپ سے ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو میرے دوست کے ساتھ گزرا اور آپ کے مذہب کی تقویت کا باعث ہے۔ میرا ایک رفیق تھا جو مجھ سے درس لیتا تھا اور محلّہ "باب البصرہ" میں ایک شخص تھا جو حدیث بیان کرتا تھا اور لوگ اس کے پاس جاکر سُنا کرتے تھے۔ وہ ابوعبداللہ محدّث کے نام سے مشہور تھا۔ میں اور میرا رفیق ایک مدّت تک اس کے پاس جاتے اور اس سے حدیثیں سُن کے لکھتے رہے۔ اور جس وقت اہلبیتؑ کے فضائل میں کوئی حدیث لکھواتا تھا تو اس کے بارے میں طعن و تشنیع بھی کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز فضائل حضرت فاطمہ زہرا صلوات علیہا کے سلسلے میں ایک روایت املا کرائی اس کے بعد کہا کہ ان چیزوں سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ علیؑ نے مسلمانوں کو قتل کیا پھر حضرت زہراؑ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ جعفر کہتے ہیں میں نے اپنے رفیق سے کہا کہ اس شخص سے کوئی چیز یاد کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بے دین ہے اور ہمیشہ علیؑ و فاطمہؑ کی شان میں جسارت کرتا رہتا ہے جو ایک مُسلمان کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ میرے رفیق نے میری باتوں کی تصدیق کی اور کہا۔ بہتر ہے کہ ہم کسی اور کے پاس جائیں اور ان کے پاس نہ آئیں۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں مسجد جامع کی طرف جا رہا ہوں۔ اور ابوعبداللہ محدث بھی موجود ہیں۔ پھر دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السّلام ایک بے زین

استر (خچّر) پر سوار ہیں۔ اور مسجد جامع کو جا رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کاش آپ اپنی تلوار سے اس کی گردن مار دیں۔ پس جب آپ اس کے نزدیک ہوئے تو اپنی چھڑی اس کی داہنی آنکھ پر ماری اور فرمایا، اے ملعون! تو مجھے اور فاطمہؑ کو دشنام کیوں دیتا ہے۔؟ پس محدّث نے ہاتھ اپنی آنکھ پر رکھ لیا اور کہا، اف تم نے مجھے اندھا کر دیا۔ جعفر کہتے ہیں جب میں بیدار ہوا تو قصد کیا کہ اپنے رفیق کے پاس جاکر اسے خواب کی خبر دوں۔ ناگاہ دیکھا کہ وہ خود ہی میری طرف آرہا ہے۔ اس حالت میں اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ آیا تم جانتے ہو کہ کیا ہوا ہے۔؟ میں نے کہا کہ بتاؤ۔ اس نے کہا میں نے شب میں محدّث کے بارے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ اور اس نے بلا کم و کاست وہی خواب بیان کیا جو میں نے دیکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ اور اس کی خبر دینے کے لئے میں تمھارے پاس آنے والا تھا۔ آؤ قرآن مجید لے کے محدّث کے پاس چلیں۔ اور اسے قسم کھا کے بتائیں کہ ہم دونوں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ اور آپس میں کوئی سازش نہیں کی ہے پھر اُسے سمجھائیں کہ اپنے اعتقاد سے باز آئے۔

چنانچہ ہم لوگ اس کے گھر پر گئے دروازہ بند تھا۔ ایک کنیز آئی اور اس نے کہا، اس وقت اس سے ملنا ممکن نہیں ہے۔ ہم نے دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا اور ہر بار یہی جواب ملا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ شیخ اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھے ہوئے آدھی رات سے فریاد کر رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ علی ابنِ ابیطالبؑ نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ وہ دردِ چشم سے بہت بیتاب ہے۔ ہم نے اس سے کہا ہم لوگ اسی سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔ چنانچہ اس نے دروازہ کھول دیا ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ تو دیکھا کہ وہ بدترین شکل و صورت کے ساتھ چیخ رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ مجھے، علی ابنِ ابیطالبؑ سے کیا کام کہ انھوں نے مجھے اپنی چھڑی مار کے اندھا کر دیا۔

جعفر کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا اس نے وہی بیان کیا۔ ہم نے اس سے کہا کہ اپنے اعتقادات سے توبہ کرو۔ اور اب دوبارہ ان حضرتؑ کی مقدّس بارگاہ میں جسارت نہ کرنا۔ اس نے کہا خدا تمھیں جزائے خیر نہ دے۔ اگر علیؑ میری دوسری آنکھ بھی پھوڑ دیں تو بھی میں انھیں ابوبکر اور عمر پر مقدّم نہ کروں گا۔ ہم اس کے پاس سے اُٹھ کر چلے آئے اور تیسرے روز

پھر اسے دیکھنے گئے تو دیکھا کہ وہ دوسری آنکھ سے بھی اندھا ہو چکا ہے۔ لیکن اپنے اعتقاد سے باز نہیں آیا ہے۔ ہم نے ایک ہفتے کے بعد پھر اس کا سُراغ لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ خاک کا پیوند ہو چکا ہے۔ اور اسکالر کا علی ابنِ ابیطالبؑ کی ناراضگی سے مرتد ہو کر روم چلا گیا ہے۔

(۴۲)

امیر المومنینؑ کی عنایت

فاضل محقق آقائے میرزا محمود شیرازی نے جن سے ۵ سے ۹ تک داستانیں نقل کی گئی ہیں فرمایا کہ مرحوم شیخ محمد حسین جہرمی جو نجف اشرف کے فضلاء اور مرحوم آقا سیّد مرتضیٰ کشمیری اعلی اللہ مقامہ کے شاگردوں میں سے تھے، ان کا نجف اشرف کے ایک عطّار سے کچھ معاملہ تھا۔ یعنی اس سے بہ دفعات قرض حسنہ لیتے رہتے تھے اور انھیں جب انھیں کچھ رقم حاصل ہوتی تھی تو اس کی ادائیگی کر دیتے تھے ایک بار طولانی مدّت تک انھیں اتنی رقم دستیاب نہیں ہوئی کہ عطار کو دے سکیں۔ ایک روز عطّار کے پاس گئے اور کچھ قرض کی خواہش کی۔ عطّار نے کہا آقائے شیخ! آپ کے ذمّے قرض بہت ہو چکا ہے اور اب میں اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔

شیخ اس بات سے بہت رنجیدہ ہوئے اور حرم مطہر میں حاضر ہو کر حضرت امیر المومنینؑ علیہ السّلام سے شکایت کرتے ہوئے عرض کیا، یا مولا! میں آپ کے جوار اور آپ کی پناہ میں ہوں۔ میرا قرض ادا فرما دیجئے۔ چند روز کے بعد ایک جہرمی شیخ کے پاس آتا ہے اور ایک پیسوں کی تھیلی شیخ کو دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ رقم مجھے دی گئی ہے کہ آپ کو پہونچا دوں۔ اور

اب یہ آپ کی ملکیت ہے۔ شیخ وہ کیسہ لے کر فوراً عطار کے پاس پہونچے اور دل میں قصد کیا کہ اپنا تمام قرض ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم کو اپنی فلاں اور فلاں ضرورت میں صرف کروں گا۔ پھر عطّار سے کہا، تمھارا کیا مطالبہ ہے۔ اس نے کہا زیادہ ہے۔ شیخ نے کہا جتنا بھی ہو میں سب بیباق کرنا چاہتا ہوں۔

پس عطّار نے اپنے حساب کا رجسٹر لاکر ساری رقم جمع کی اور کہا، اتنے پیسے ہوتے ہیں۔ (مرحوم میرزا نے قرض کی مقدار بھی بتائی تھی جسے میں بھول گیا۔) شیخ نے کیسہ اس کے سُپرد کیا اور کہا، اپنا مطالبہ لے لو اور باقی پیسے مجھے واپس کر دو۔ عطار نے ان کے سامنے پیسوں کو شمار کیا تو دیکھا کہ رقم ان کے مطالبے کے مطابق ہی ہے۔ نہ ایک پیسہ کم ہے نہ ایک پیسہ زیادہ شیخ خالی ہاتھ اور انتہائی پریشان حالی کے ساتھ پھر حرم مطہر میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مولا! میری گزارش کا ظاہری مفہوم حجّت نہیں ہے۔ (یعنی جو میں نے عرض کیا تھا کہ میرا قرض ادا فرما دیجئے، اس سے میرا مفہوم اور میری مُراد یہ نہیں تھی کہ میں اس سے زیادہ نہیں چاہتا،) یا مولا! میں فلاں اور فلاں حاجت رکھتا ہوں۔

اس کے بعد جب وہ حرم سے باہر آئے تو انھیں ان کی خواہش کے مُطابق اتنے پیسے اور مِل گئے جن سے ان کی احتیاج پوری ہوگئی۔

(۴۳)

شیطان اپنی ظاہری شکل میں

جناب حاج علی آقا سلمان منش نے (جن سے ۲۹ اور ۳۰ نمبر کی داستانیں نقل کی جا چکی ہیں) فرمایا کہ میں ایک رات سحر کے وقت تہجّد میں مشغول تھا چنانچہ نماز وتر کے قنوت کے لئے جس میں تین سو مرتبہ اَلْعَفْوُ کا وِرد کیا جاتا ہے اپنے مُصلّے سے تسبیح اٹھائی تاکہ کھڑے ہو کر پڑھنے میں مشغول ہوں۔ لیکن دیکھا کہ اس میں اس کثرت سے گرہیں پڑی ہوئی ہیں کہ ان کا کھولنا اس وقت ممکن نہیں ہے۔ اور اس کے دانوں پر شمار نہیں کیا جا سکتا میں نے سمجھ لیا کہ یہ شیطان کا فعل ہے۔ اور وہ مجھے آج کی شب اس عمل خیر سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ ناگاہ وہ میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ میں نے کہا، ملعون تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کوئی اعتنا نہیں کی۔ میں نے کہا کیا تو نہیں جانتا کہ مجھ پر خدا کی نگاہِ لطف ہے۔ لیکن اس نے پھر بھی کوئی پروا نہیں کی۔ میں نے سر بلند کر کے عرض کیا، خداوند عالم! تو میرے بارے میں اپنے لطف و کرم کو ظاہر فرما دے اور اس ملعون کو روسیاہ فرما فوراً میرے قلب میں الہام ہوا کہ اپنی تسبیح اٹھاؤ خدا نے اسے درست فرما دیا ہے۔ جب میں نے تسبیح اٹھائی تو دیکھا کہ اب اس میں ایک بھی گرہ نہیں ہے۔ اور وہ ملعون بھی میری نظر سے غائب ہو گیا۔ یہ امر مسلمات میں سے ہے۔ کہ شیطان لعین بارگاہِ خداوندی کے لئے سدِّ راہ اور اس درگاہ میں ایک کُتّے کے مانند ہے جس وقت کوئی انسان قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے نیک عمل انجام دینا چاہتا ہے تو یہ اسے روکنے کے لئے پوری کوشش کرتا ہے۔ اس پر فتح پانے کا واحد راستہ اپنے پروردگار کے حضور میں اس کے لطف و کرم ، التجاء اور اس کی قدرت قاہرہ پر بھروسہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اخلاص ، توکّل اور عاجزی کے ساتھ خدا کو پکارے اور اس سے پناہ طلب کرے تو قہر الٰہی کی

ہیبت اور جلال اس ملعون کو دفع کر دے گا۔ اور اس مطلب کا قرآن مجید میں صریحی طور سے وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ۱۶ آیت ۹۸، ۹۹ میں ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھو تو شیطان کے شر سے خدا کی پناہ طلب کرو جو خدا کے یہاں مردود بارگاہ ہے۔ بجز اس کے نہیں ہے کہ اس کا ان لوگوں پر کوئی تسلّط نہیں ہے۔ جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر توکّل رکھتے ہیں [1]

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ انبیاءؑ علیہم السّلام کے سلسلۂ جلیلہ جیسے حضرت یحییٰؑ حضرت موسیٰؑ (منیٰ میں) حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السّلام کے سامنے شیطان لعین کا ظاہری شکل میں نمودار ہونا اور ان حضرات کی مزاحمت کرنا بھی ثابت ہے۔ مثال کے طور پر جس وقت امام زین العابدین علیہ السّلام نماز میں مشغول تھے اس نے اژدہے کی شکل اختیار کر کے حضرتؑ کے پاؤں کا انگوٹھا چبانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ قہر الٰہی کی ہیبت اور جلالت نے اسے دفع کیا۔ اسی طرح دیگر اہلِ ایمان کے بارے میں بھی کافی داستانیں کتب روایات میں منقول اور درج ہیں۔

میرا مقصود یہ بتانا ہے کہ انسان کے لئے استعاذہ لازِم ہے یعنی جس وقت کوئی مومن کوئی کارِ خیر انجام دینا چاہے تو پہلے خدا کی بارگاہ میں شیطان کے شر سے پناہ طلب کرے اسکی تفصیل مرحوم نوریؒ نے کتاب دار السّلام جلد ۳ میں بیان کی ہے۔ مروی ہے کہ جس وقت کوئی شخص خدا کی راہ میں صدقہ دینا چاہتا ہے تو ستّر شیطان اس کے ہاتھ سے لپٹ جاتے ہیں اور اُسے فقیری سے ڈراتے ہیں تاکہ وہ اس عظیم نیکی سے محروم رہے۔

---

[1] وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔

(سورہ نحل آیت ۹۸، ۹۹۔)

(۴۴)

بُخل کے بُرے اثرات

ایک بزرگ عالم نے نقل فرمایا کہ ایکبار اصفہان کے ایک بڑے اور محترم تاجر جو مرحوم حاجی محمّد جواد بید آبادی سے (جن کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے) عقیدت و ارادت رکھتے تھے سخت بیمار ہوئے۔ مرحوم بید آبادی ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور انھیں مرض کی شِدّت سے بیہوش دیکھ کر ان کے لئے مَوت کا خطرہ محسوس کیا چونکہ وہ کثیر دولت کے مالک تھے لہٰذا ان کے فرزندوں سے فرمایا کہ چودہ ہزار تومان صدقہ نکال کے فقراء کے درمیان تقسیم کرو تاکہ میں حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ کے وسیلے سے ان کی شفا کے لئے دُعا کروں۔ لیکن وہ لوگ اس پر تیار نہیں ہوئے۔ مرحوم بید آبادی افسوس کے عالم میں گھر سے باہر نکلے اور اپنے ایک مصاحب سے فرمایا کہ ان لوگوں نے بُخل سے کام لیا۔ اور صدقہ نہیں دیا، لیکن چونکہ یہ شخص ہمارا رفیق ہے ——— اور ہمارے اوپر اس کا ایک حق ہے لہٰذا ہمیں اس کے بارے میں دعا کرنا چاہیئے تاکہ خدا اسے صحت عطا فرمائے پس یہ دونوں گھر پر آئے اور نمازِ مغرب کے بعد مرحوم بید آبادی نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے۔ اور مریض کی شفا طلب کرنے کے عوض عرض کیا کہ خدایا انھیں بخش دے۔ ان کے رفیق نے پوچھا کیا ہوا جو آپ نے ان کی شفا کے لئے دعا نہیں کی؟ تو فرمایا جب میں نے دعا کرنی چاہی تو اَسْتَغْفِرُ اللہ کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ میں نے سمجھ لیا کہ ان کی رحلت ہو چکی ہے۔ چنانچہ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اسی وقت ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

کتنا بڑا نقصان اور گھاٹا ہے اس شخص کے لئے جو اس چیز پر تو آمادہ ہے کہ اپنی دولت میں سے ایک بڑی رقم ہوا و ہوس کے کاموں میں خرچ کرے لیکن اس کے لئے تیار نہیں کہ اتنے یا اس سے کم پیسے خدا کی راہ میں صرف کر دے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہسپتال میں حاضری

دیکر اچھی خاصی رقم پیش کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ عہد نامہ بھی لکھ کے سُپرد کر دیتا ہے کہ اگر وہ مَر جائے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہسپتال سے اسکا جنازہ باہر لایا جاتا ہے۔ پھر بھی اسے گوارا نہیں ہے کہ اتنی یا اس سے کم دولت اس یقین کے ساتھ راہِ خدا میں صدقہ دیدے۔ کہ اگر موت کا حتمی وقت نہیں آیا ہے تو شفا حاصل ہوگی اور اگر حتمی موت آچکی ہے تو اس نے جو پیسے دیئے ہیں وہ اس کے عالمِ آخرت کے لئے ذخیرہ ہوں گے۔

اس بدنصیبی کا باعث فقط الٰہی وعدوں پر ایمان کی کمزوری اور دنیا کی محبّت ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "داووا مرضاکم بالصّدقۃ" یعنی علاج کرو اپنے مریضوں کا صدقے کے ذریعے سے۔

یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہاں یہ مقصود نہیں ہے کہ علاج کے لئے ڈاکٹر کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ یا دوا کا استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دعا اور صدقے کے وسیلے سے ڈاکٹر کے علاج اور دوا کو مؤثر اور مفید بنانے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ دوا کی تاثیر صرف خداوند عالم کی مرضی پر منحصر ہے۔ اور جس طرح ہم ڈاکٹر اور دوا کو اہمیت دیتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بیشتر دعا اور صدقے کو بھی اہمیت دینا لازمی ہے۔ اور یہ مطلب ترک گناہانِ کبیرہ کی بحث میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

عزاداریٔ سیّد الشہداءؑ کا اثر

سیّد جلیل مرحوم اسمٰعیل مجاب (دنداں ساز) کچھ ایسے عجیب حالات بیان کرتے تھے جن کا انھوں نے ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران مشاہدہ کیا تھا۔ منجملہ ان کے کہتے تھے کہ ہندو تاجروں کی ایک جماعت حضرت سیّد الشہداءؑ سے عقیدت اور محبت رکھتی ہے۔ وہ لوگ اپنے اموال میں برکت کے لئے حضرتؑ کو اپنے کاروبار میں شریک کرتے ہیں یعنی سال بھر میں اپنی منفعت کی ایک مقدار آپ کی راہ میں صرف کرتے ہیں انھیں میں سے بعض افراد روزِ عاشورہ شیعوں کے ذریعہ شربت، فالودہ، اور آئس کریم تیار کرا کے عزاداروں میں تقسیم کرتے ہیں اور خود سوگوار انداز میں کھڑے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ وہ رقم جو حضرتؑ سے منسوب ہوتی ہے شیعوں کو دیتے ہیں تاکہ وہ اسے عزاداری کے مراکز میں صرف کریں۔

ان میں سے ایک شخص کی عادت یہ تھی کہ سینہ زنی کرنے والے ماتمی دستوں کے ہمراہ ماتم میں شریک رہتا تھا جب وہ مرگیا تو اہلِ ہنود کی مذہبی رسم کی بنا پر لوگوں نے اس کے جسم کو آگ میں جلایا یہانتک کہ اس کا سارا بدن خاکستر ہوگیا۔ لیکن داہنہ ہاتھ اور سینے کا ایک حصّہ جلنے سے محفوظ رہا۔ اس کے گھر والے ان دونوں حصّوں کو شیعوں کے قبرستان میں لائے اور کہا یہ دونوں عضو تمھارے حسینؑ کی ملکیت ہیں۔

جب آتشِ جہنم جسے نہ دنیا کی آگ پر قیاس کیا جاسکتا ہے نہ اسے اس سے کوئی نسبت ہے امام حسینؑ علیہ السّلام کے وسیلے سے خاموش اور سرد و سلام ہوجاتی ہے تو دنیا کی اس ضعیف آگ کا حضرت کی برکت سے نہ جلانا کیونکر باعثِ تعجب ہوسکتا ہے۔

نیز یہ امر بھی مشہور اور مُسلّم ہے کہ اہلِ ہنود کی ایک جماعت ہر سال شبہائے عاشورہ میں آگ پر چلتی ہے اور جلتی نہیں ہے۔

امیر المومنین کا معجزہ

نجف اشرف میں میرے قیام اور مجاورت کے دوران ماہِ محرّم ۱۳۵۵ھ میں حکومتِ عراق کی جانب سے قمہ لگانے سینہ زنی کرنے اور ماتمی دستوں کے نکلنے پر شدید پابندی عائد کردی گئی تھی۔ شبِ عاشورہ اس غرض سے کہ حرمِ مطہّر اور صحن مبارک میں سینہ زنی نہ ہونے پائے حکومت کی طرف سے اوّل ہی شب سے حرم اور رواق نیز صحن کے دروازے مقفّل کر دیئے گئے تھے۔ اور آخری دروازہ جس کے بند کرنے میں ابھی مشغول تھے وہ بابِ قبلہ تھا۔ اس کا ایک پلّہ بند کر چکے تھے کہ دفعتاً سینہ زنی کرنے والا پورا دستہ ہجوم کر کے صحن میں داخل ہوگیا۔ اور حرم مطہر کا رُخ کیا لیکن دروازوں کو بند پاکر اسی ایوان میں عزاداری اور سینہ زنی میں مشغول ہوگیا۔ ناگاہ چند پولیس والے اپنے افسر کے ساتھ آگئے وہ افسر جو لانگ بوٹ پہنے ہوئے تھا اسی حالت سے ایوان میں داخل ہوگیا اور لوگوں کو زد و کوب کرتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا کہ انھیں گرفتار کرلو۔ اس پر دستے والوں نے اسے گھیر لیا۔ اور اٹھا کے صحن میں پھینک دیا، پھر اسے مار مار کر سخت مجروح اور بے دم کردیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ممکن ہے کہ حکومت کے کاندھے اپنی طاقت استعمال کرتے ہوئے مزاحمت اور انتقام کی کوشش کریں تو انتہائی عاجزانہ اور ملتجانہ انداز میں شکستہ دلی کے ساتھ حرم کے بند دروازے کی طرف متوجہ ہوئے اور سینہ زنی کرتے ہوئے کہنے لگے "یا عَلِیؑ فُکَّ الْبَابَ" (یا علیؑ دروازہ کھول دیجئے) ہم آپ کے فرزند کے عزادار ہیں۔

پس ایک ہی لمحے میں حرم و رواق اور صحن کے تمام دروازے کُھل گئے۔ بعض مؤثق اور معتمد حضرات نے جو موقع پر موجود تھے مجھ سے چشم دید حال بیان کیا کہ لوہے کے وہ سنچے جو دروازوں اور دیواروں کے درمیان نصب تھے درمیان سے کٹ کے جدا ہوگئے تھے۔

ماتمی دستہ فوراً حرم اقدس کے اندر داخل ہوگیا۔ نیز نجف اشرف کے دیگر باشندوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو سبھی لوگ صحن اور حرم کے اندر جمع ہوگئے۔ اور پولیس والے غائب ہوگئے۔

جب اس واقعے کی رپورٹ بغداد بھیجی گئی تو وہاں سے حکم ہوا کہ ان لوگوں کی مزاحمت نہ کی جائے اُس سال نجف اشرف اور کربلائے معلّٰی میں گذشتہ برسوں سے زیادہ انہماک کے ساتھ عزاداری کا قیام عمل میں آیا۔ اور شعراء نے اس کُھلے ہوئے معجزے کو اپنے اشعار میں نظم کرکے شائع کیا۔ چنانچہ فضلائے عرب میں سے ایک بزرگ نے ان میں سے ایک شاعر کے اشعار کو ایک تختی پر لکھ کے حرم مطہر کی دیوار پر چسپاں کر دیا تھا اور میں نے بھی اس میں سے چند شعر اسی وقت یاد کر لئے تھے۔

جیسا کہ ان کے آخری شعر میں اشارہ کیا گیا ہے[۱] حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام یہ عنایت نہ فرماتے تو ایک عظیم فتنہ برپا ہو جاتا۔ اور بہت خونریزی ہوتی۔

صَلَوٰاتُ اللهِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ۔

۱:- فَاِذَا الْوَصِیُّ بِرَاحَتَیْہِ دَحُوا + اَوْمَأَ فَفَلَقَ الْبَابَ حِفْظاً لِلدَّم

(۴۷)

دفن کے بعد قبر سے نجات

فاضل محترم آقا میرزا محمود شیرازی نے جن سے اور بھی کئی داستانیں نقل کی جا چکی ہیں۔ فرمایا کہ کربلائے معلّٰی میں مرحوم آقا سید زین العابدین کاشی اعلیٰ اللہ مقامہ کا ایک تبریزی خادم تھا۔ (میں اس کا نام بھول گیا ہوں) جو ایک مرد صالح و متقی اور صاحب رشد و ہدایت انسان تھا۔ اس نے بیان کیا کہ مجاورت کربلا سے قبل شہر تبریز سے باہر قبرستان کے نزدیک میرا ایک قہوہ خانہ تھا، اور میں راتوں میں وہیں سوتا تھا۔ ایک رات ہوا بہت سرد تھی میں قہوہ خانہ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر کے لیٹ گیا، ناگاہ کسی نے سختی سے دروازہ پیٹنا شروع کیا میں نے اٹھ کے دروازہ کھولا تو وہ شخص بھاگ گیا۔ دوسری مرتبہ اس نے اور تیز دستک دی میں نے بڑھ کے دروازہ کھولا تو وہ شخص پھر بھاگ گیا۔

میں نے کہا آج کی شب تو اس نے مجھے پریشان کر دیا۔ پس ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر دروازے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اور تیار رہا کہ اس بار اسے اس کی سزا دے کے رہوں گا۔ یہاں تک کہ اس نے تیسری بار دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھول کے اس کا پیچھا کیا تو وہ بھاگ کر قبرستان پہونچا اور ایک مقام پر نظروں سے غائب ہوگیا، میں اسی جگہ ٹھہر گیا اور اِدھر اُدھر غور کر کے اسے تلاش کرنے لگا۔ پھر سوچا کہ شاید یہیں کہیں چھپ گیا ہو لہٰذا اس خیال سے اسی جگہ لیٹ گیا کہ اگر یہاں چھپا ہوگا تو خود ہی ظاہر ہوگا۔

لیٹنے کے بعد جب اپنا کان زمین پر رکھا تو ناگاہ ایک خفیف سی آواز سنائی دی جیسے کوئی شخص مٹّی کے نیچے رو رہا ہو۔ میں نے دیکھا کہ ایک تازہ قبر ہے جس میں غالباً شام کے قریب کسی کو دفن کیا گیا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ اُسے سکتہ رہا ہوگا۔ اور اب قبر کے اندر ہوش میں آیا ہے۔

مجھے اس کے حال پر سخت افسوس ہوا۔ اور اسے بچانے کے لئے قبر کی مٹّی ہٹانا شروع کی یہاں تک کہ جب لحد کُھل گئی تو سُنا کہ وہ کہہ رہا ہے، میں کہاں ہوں۔ میرا باپ کہاں ہے؟ میری ماں کہاں ہے؟ میں نے اسے اپنا لباس پہنایا اور سے نکال کر قہوہ خانے میں لایا۔ لیکن اسے پہچان نہیں سکا تاکہ اس کے گھر والوں کو خبر دے سکتا۔ آہستہ آہستہ اس سے سوالات کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے محلّے اور مکان تک کا پتہ معلوم ہو گیا۔

میں نے اسی شب قہوہ خانے سے نکل کر اس کے ماں باپ کا پتہ لگایا اور انھیں صورتحال سے مطلع کیا۔ چنانچہ وہ لوگ آئے اور اپنے بیٹے کو صحت و سلامتی کے ساتھ گھر لے گئے۔

اس روداد سے میں نے جان لیا کہ وہ دروازے پر دستک دینے والی کوئی غیبی ہی شخصیت تھی جو اس جوان کو نجات دلانے پر مامور تھی۔

(۴۸)

ایک عجیب نصیحت

خالص ولایت اہلبیت ؑ کے حامل جناب آقا میرزا ابوالقاسم عطار تہرانی سلمہ اللہ نے عالم بزرگوار مرحوم حاج شیخ عبدالنبی نوری سے جو حکیم الٰہی مرحوم حاج ملّا ہادی سبزواری کے شاگردوں میں سے تھے۔ نقل کیا کہ مرحوم حاجی کی عمر کے آخری سال میں ایک روز ایک شخص انکی مجلس درس میں آیا۔ اور خبر دی کہ قبرستان میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا آدھا جسم قبر کے اندر اور آدھا جسم قبر کے باہر ہے۔ اس کی نظر برابر آسمان پر جمی ہوئی ہے۔ اور بچّے ہر چند اُسے چھیڑتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی طرف کوئی اعتنا نہیں کرتا۔

مرحوم حاجی نے کہا مجھے خود اس سے ملاقات کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جب مرحوم نے اسے دیکھا تو بہت تعجب کیا اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی طرف بھی کوئی اعتنا نہیں کرتا انھوں نے کہا تم کون ہو اور کس کام میں لگے ہوئے ہو؟ میں تمھیں دیوانہ نہیں پاتا اور دوسری طرف تمھارا عمل بھی عقلمندوں کا سا نہیں ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں ایک نادان اور بے خبر شخص ہوں میں نے صرف دو چیزوں پر یقین اور اعتماد کیا ہے۔ ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا اور کائینات کا ایک عظیم الشان خالق ہے جس کی معرفت اور بندگی میں مجھے کوئی کوتاہی نہیں کرنا چاہیئے۔

اور دوسری یہ کہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ مجھے اس عالم میں نہیں رہنا ہے بلکہ دوسرے عالم میں جانا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ اس عالم میں میری حالت کیا ہوگی؟

جناب حاجی! میں ان دو باتوں کے علم سے اس حد تک بدحواس اور پریشان حال ہو چکا ہوں کہ لوگ مجھے دیوانہ سمجھنے لگے ہیں آپ جو اپنے کو مسلمان کا عالم جانتے اور اسقدر علم رکھتے ہیں کسی کے لئے دل میں ذرّہ برابر درد نہیں رکھتے؟ کیا آپ کو کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہے؟

یہ نصیحت مرحوم حاجی کے دل میں تیر کی طرح بیٹھ گئی اور وہ اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کے اندر ایک انقلاب آچکا تھا۔ وہ اپنی بقیہ مختصر سی زندگی میں مُستقل طور پر سفر آخرت اور اس خطرناک راستے کے لئے توشہ مہیّا کرنے کی فکر میں لگے رہے یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے جو شخص جس مقام پر بھی ہو وعظ و نصیحت سُننے کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ وہ جو کچھ سُنتا ہے اگر اس کے بارے میں پہلے سے واقفیت رکھتا ہے تو وہ موعظہ اس کے لئے یاد دہانی کا کام کرتا ہے۔ اس لئے کہ انسان بھولنے کا عادی ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ یاد آوری کا محتاج رہتا ہے۔ اور اگر جاہل ہے تو یہ نصیحت اس کے لئے دانشمندی اور کسب معرفت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں دوسروں کی خیر خواہی اور ہر نصیحت کو مسلمان کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" (سورۂ عصر آیت ۳۔)

جس طرح دوسروں کو نصیحت کرنا ضروری ہے اور فرمانِ الٰہی کا مظہر ہے اسی طرح اسکو سُننا اور اسے قبول کرنا بھی لازم ہے۔ کیونکہ وعظ و نصیحت کا حکم اسے سُننے اور قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں مکرّر ارشاد ہے "فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" یعنی آیا ہے کوئی شخص جو الٰہی نصیحتوں کو سُنے اور قبول کرے۔

ضمناً یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ موعظہ بے اثر نہیں ہوتا۔ یہ سُننے والے پر ایک اثر چھوڑتا ہے۔ ہر چند یہ اثر وقتی اور جزئی ہو۔ انسان کو چاہیئے کہ مجالس وعظ میں حاضری اور جس شخص سے بھی ہو موعظہ اور نصیحت سُننے میں کوتاہی نہ کرے۔

مسلمہ سے منقول ہے کہ میں ایک صبح عمر ابن عبدالعزیز کے گھر گیا۔ وہ نماز صبح پڑھنے کے بعد مکان کے ایک حصّے میں تنہا تھے۔ ایک کنیز تھوڑے سے خرمے لائی پس انھوں نے انمیں سے کچھ مقدار میں اٹھا کر کہا۔ اے مسلمہ! اگر کوئی شخص اس کو کھالے اوپر سے تھوڑا سا پانی پی لے تو کیا اس کے لئے کافی ہوگا۔؟

میں نے کہا نہیں جانتا پس انھوں نے مزید کچھ حصّہ اٹھایا اور کہا، اس کے بارے میں خیال ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ کافی ہے بلکہ اگر اس سے کچھ کم بھی کھالے تو رات تک کسی دوسری ...رت نہ ہوگی۔ انھوں نے کہا پھر آدمی کس لئے جہنّم میں جائے، یعنی جس انسان کے لئے

دن بھر میں ایک مٹھی خرما اور تھوڑا سا پانی کافی ہو وہ کس لئے مالِ دنیا کی طلب میں حرص اختیار کرے اور محرّمات الٰہی سے پرہیز نہ کرے، یہاں تک کہ جہنم میں پہونچ جائے۔ مسلمہ کہتے ہیں کہ اور کسی وعظ نے مجھ پر اتنا گہرا اثر نہیں ڈالا تھا۔ غرض یہ آدمی نہیں جانتا کہ کون سی بات اُسے کسقدر متاثر کرے گی۔ مسلمہ نے بہت سے موعظے سنے تھے لیکن اس کے مانند کسی نے بھی اسے متنبّہ نہیں کیا تھا۔

نیز مشہور ہے اور بعض تفسیروں میں بھی تذکرہ ملتا ہے۔ کہ فضیل عیاض نے اپنی عمر کا بڑا حصّہ سرکشی اور معصیت میں گزارا تھا۔ یہانتک کہ ایک رات ایک قافلے کو لوٹنے کے لئے اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک قرآن کی تلاوت کرنے والے کی آواز اس کے کان میں پہونچی جو یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (سورۂ حدید آیت ۱۶) یعنی آیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دل یاد خدا سے خضوع و خشوع اختیار کریں۔ اس آیۂ مبارکہ نے فوراً اس کے دل کو بیدار کر دیا۔ اس نے کہا یقیناً اس کا وقت آپہونچا ہے۔ چنانچہ اسی مقام سے واپس آگیا، مکمّل توبہ کی حقوق ادا کئے، جس کسی شخص کا اس پر کوئی حق تھا اسے اپنے سے راضی کیا۔ اور بالآخر زمانے کے نیک لوگوں میں شمار ہوا۔

نیز منقول ہے کہ ایک دولتمند شخص کا گذر ایک واعظ کی طرف سے ہوا۔ جو کہہ رہا تھا کہ "عجبت من ضعیف یعصی قویا" یعنی مجھ کو حیرت ہے اس غریب بندے پر جو خدائے قادر و توانا کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس بات نے اس پر ایسا اثر کیا کہ وہ تمام گناہوں کو ترک کر کے اعمال خیر میں منہمک ہو گیا۔ اور زمانے کے نیک اور صالح افراد میں سے قرار پایا ہو سکتا ہے اس نے اکثر موعظے اور حکمت کے کلمات سُنے ہوں لیکن اس کی مکمّل نجات اور بیداری خدا نے انھیں الفاظ میں قرار دی تھی۔ لوگوں نے عبداللہ مبارک سے کہا کہ آپ کب تک حدیث اور علم کی تلاش میں سرگرداں رہیں گے۔؟ انھوں نے کہا، میں نہیں جانتا ہو سکتا ہے میں نے ابھی تک وہ بات نہ سنی ہو جس میں میری نجات اور رستگاری پنہاں ہے۔ اسی وجہ سے عالم ربّانی مرحوم شیخ جعفر شوستری بالائے منبر دعا کرتے تھے اور عرض کرتے تھے کہ پروردگارا! ہماری مجلس کو مجلسِ موعظہ قرار دے۔ نیز فرماتے تھے کہ حقیقتاً مجلس موعظہ اسی وقت ہے جب سننے والا اگر معصیت میں مبتلا ہے تو پشیمان ہو اور

گناہ کو ترک کرے اور اگر اطاعت گزاروں میں سے ہے تو اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے اس کا شوق بڑھ جائے اور وہ اخلاص و روحانیت میں اضافے کے لئے مزید کوشش کرے۔

غرضکہ عالم اور غیر عالم سبھی کو نصیحت حاصل کرنے، متنبّہ ہونے اور اس پر عمل کرنے کے قصد سے مجلس وعظ میں شریک ہونا ضروری ہے۔ ناواقف کو جاننے کے لئے اور واقف کو یاد آوری کی غرض سے مجلس وعظ کی فضیلت میں اخبار و احادیث کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ اس کی اہمیت سمجھنے کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ موعظہ غذائے روح اور قلب کو زندگی عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام اپنے فرزند امام حسن مجتبیٰ علیہ السّلام سے فرماتے ہیں۔ "اَحْیِ قَلْبَكَ بِالْمَوْعِظَةِ" (یعنی اپنے دل کو موعظے کے ذریعے زندہ کرو) یہ نفس اور شیطان کو رسوا کرنے والا، ان کے شر سے نجات دینے والا، وسوسوں اور اضطرابی کیفیتوں کو برطرف کرنے والا، امن و اطمینان کے حصول اور تسکین خاطر کا باعث ہے۔ "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (یعنی آگاہ رہو ذکر خدا سے دل مطمئن ہوتے ہیں) کتنے ہی لوگ وسوسوں اور شیطانی خیالات کے دباؤ سے خودکشی پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن موعظہ سُننے کے بعد ان کے دلوں کو سکون اور قرار مل گیا۔ یہ بتا دینا ضروری بھی ہے کہ اگر کوئی شخص مجلس وعظ یا کسی ایسے شخص تک رسائی نہ رکھتا ہو جو اسے موعظہ کرے تو اسے چاہیئے کہ ان مواعظ سے فائدہ اٹھائے جو کتابوں میں درج اور مسطور ہیں۔ ان کے سلسلے میں سرِ فہرست قرآن مجید ہے جس کے آیات کی تفسیر میں غور و فکر اور تدبر سے کام لینے کی ضرورت ہے اس کے بعد نہج البلاغہ کا ترجمہ اور شرح اور حضرت امیرالمومنینؑ کے وہ بلیغ خطبے جو قرآن مجید کی آئیتوں کی تشریح اور تفسیر کرنے والے ہیں۔ انکے بعد بحارالانوار جلد ۱۷ کا ترجمہ جس میں حضرت رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے مواعظ جمع کئے گئے ہیں۔ پھر وہ کتابیں ہیں جو اخلاق کے موضوع پر لکھی گئی ہیں مثلاً معراج السعادات نراقیؒ عین الحیواۃ علامہ مجلسیؒ اور دیگر وہ کتابیں جن میں بزرگانِ دین کے مواعظ نقل کئے گئے ہیں۔

---

(۵۰)

توبہ کی توفیق

نیز آقا میرزا ابوالقاسم نے (جن کا ذکر اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے) مرحوم اعتماد الواعظین تہرانی سے نقل کیا کہ ایک سال جب تہران میں روٹی مشکل سے دستیاب ہوتی تھی ایک روز ناصرالدین شاہ کے میرغضب باشی (سزائے موت کے ذمہ دار یا جلّاد) ایک پختہ آبی ذخیرے کی محراب کے پاس پہونچے تو چند کتّے کے بچّوں کے چیخنے کی آوازیں سُنیں۔ توجہ کرنے پر نظر آیا کہ ایک کُتیا نے بچّے دیئے ہیں۔ اور وہ بچّے اس کے جسم سے چمٹے ہوئے ہیں اور چونکہ اس کے پستانوں میں دودھ نہیں ہے لہٰذا وہ بھوک کی وجہ سے نالہ و فریاد کر رہے ہیں۔ میرغضب باشی کو ان پر بہت رحم آیا چنانچہ انھوں نے ایک نانبائی کی دوکان سے جو قریب ہی واقع تھی کچھ روٹی خرید کے کتیا کے سامنے ڈال دی۔ اور اسی مقام پر کھڑے رہے یہاں تک کہ روٹی کھانے کے بعد اس کے پستانوں میں دودھ اُتر آیا اور بچّے سکون کے ساتھ اُسے پینے میں مشغول ہو گئے۔

میرغضب باشی نے اس کتیا کی ایک مہینے کی خوراک کی قیمت طے کر کے نانبائی کو نقد پیسے ادا کر دیئے۔ اور کہا روزانہ تمھارے کارندے کو اسی مقدار میں روٹی کتیا کو پہونچانا ہو گی۔ اگر ایک روز بھی اس میں غفلت برتی گئی تو میں تمھیں اس کی سزا دوں گا۔

ان ایّام میں میرغضب باشی اور ان کے چند رفقاء کی جماعت روزانہ عصر کے وقت سیر و تفریح کے لئے نکلی تھی اور واپسی پر آپس میں کسی ایک کے گھر مہمان ہو کر شام کا کھانا کھاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک رات میرغضب باشی کی میزبانی کا نمبر آیا ان کی ایک زوجہ کا مکان شہر تہران کے وسط میں تھا۔ جہاں ضیافت کے تمام وسائل موجود تھے۔ اور انھوں نے ایک عورت سے تازہ عقد بھی کیا تھا۔ جس کی قیام گاہ دروازۂ شہر کے قریب تھی۔ انھوں نے اپنی سابق زوجہ کو کچھ پیسے دیئے اور کہا آج شب میں اتنے مہمان میرے ساتھ آئیں گے۔ ان کے کھانے کا مکمّل انتظام رکھنا۔ عورت نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ وہ لوگ عصر کے وقت تفریح کے لئے شہر سے باہر نکل گئے۔

اتفاق سے اس روز چہل قدمی میں دیر لگ گئی اور رات کا اچھا خاصہ حصّہ گزر گیا۔ واپسی کے وقت ان کے رفیقوں نے کہا دیر کافی ہو گئی ہے۔ اور ہم بہت خستہ ہو چکے ہیں لہٰذا تمھارے اسی مکان پر ٹھہر جاتے ہیں۔ جو شہر کے کنارے ہے۔

میر غضب باشی نے کہا یہاں کچھ بھی نہیں ہے ہمیں شہر کے درمیان والے مکان پر چلنا ہو گا کیونکہ وہاں پورا انتظام کیا جا چکا ہے۔ لیکن ان کے رفقا اس پر راضی نہیں ہوئے۔ اور کہا کہ آج ہم یہیں رہیں گے۔ اور مختصر سی غذا پر قناعت کر لیں گے۔ اور تم نے دوسرے مکان پر جو اہتمام کیا ہے اس کے لئے کل دیکھا جائے گا۔ میر غضب باشی نے مجبوراً اسے قبول کیا۔ اور کچھ روٹی اور کباب خرید کے انھیں کھلایا پھر سب نے وہیں آرام کیا۔ سحر کے وقت میر غضب باشی کے بے اختیار نالہ و بکا کی آواز سے سب لوگ جاگ اُٹھے۔ اور ان سے اس انقلاب اور گریہ کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے ابھی امام چہارم حضرت سجّاد علیہ السّلام کو خواب میں دیکھا ہے، آپؑ نے فرمایا کہ تم نے جو اس کُتیا کے ساتھ احسان کیا ہے اُسے خداوند عالم نے قبول فرما لیا ہے خدا نے اس نیکی کے باعث آج کی شب تمھاری اور تمھارے رفیقوں کی جانوں کو موت سے محفوظ رکھا کیونکہ تمھاری سابقہ زوجہ نے تم سے اپنی ناراضگی کی بنا پر ایک زہر مہیا کر کے باورچی خانے کے فلاں مقام پر رکھ چھوڑا تھا تاکہ تمھاری غذا میں شامل کرے، صبح کو جا کر اس زہر کو اٹھا لو۔ لیکن اس عورت کو کوئی اذیت نہ پہونچانا۔ بلکہ اگر وہ چاہے تو اسے بخوشی آزاد کر دینا۔ دوسری بات یہ کہ خدا تمھیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور تم چالیس روز کے بعد کربلا میں میرے پدر بزرگوار کی قبر مطہر کی زیارت سے مشرّف ہو گے۔

پس انھوں نے صبح کو اپنے رفیقوں سے کہا کہ آؤ اپنے وسط شہر والے مکان پر چل کے خواب کی تصدیق کریں۔ چنانچہ وہ سب لوگ وہاں پہونچے تو عورت نے شکایت کی کہ تم لوگ رات کو کیوں نہیں آئے۔ لیکن انھوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور اپنے رفقاء کے ساتھ باورچی خانہ میں پہونچ کر اسی نشاندہی کے مُطابق جو امام نے فرمائی تھی وہاں سے زہر اٹھا لیا۔ اور عورت سے کہا کہ رات کو ہمارے بارے میں تیری کیا نیت تھی۔ اگر امامؑ کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھ سے اس کا عوض لیتا لیکن اب مولاؑ کے فرمان کے مُطابق تیرے ساتھ احسان کروں گا۔ اگر تُو چاہے تو اِسی گھر میں رہ، میں تیرے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا جیسے تو نے میرے خلاف کوئی کام ہی نہ کیا ہو۔ اور اگر

علٰحدگی چاہتی ہو تو طلاق دیدوں گا جو تیری خواہش ہو گی اسے پوری کروں گا۔ عورت نے دیکھا کہ وہ رسوا ہو چکی ہے اور آئندہ ان کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ لہٰذا طلاق کا مطالبہ کیا۔ اور انھوں نے بھی پوری رضامندی کے ساتھ اسے طلاق دیدیا اور اسے خوش کر کے آزاد کر دیا۔

انھوں نے اپنی ملازمت سے بھی استعفاء دیدیا جو منظور کر لیا گیا۔ اس کے بعد توبہ و حقوق و مظالم کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے۔ اور چالیس روز کے بعد کربلائے معلّٰی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور وہیں مقیم ہو گئے یہاں تک رحمتِ خداوندی سے واصل ہوئے۔

مخلوقاتِ خداوندی کے ساتھ احسان کے اثرات روائیتوں میں کثرت کے ساتھ منقول ہیں خواہ وہ کتّے ہی جیسا کوئی حیوان ہو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ نیکی انجام بخیر ہونے اور مغفرتِ الٰہی کا سبب بن جاتی ہے۔

اس مطلب کے شواہد بہت سے ہیں۔ منجملہ ان کے بحار الانوار جلد ۱۴ میں کتاب۔۔۔۔ حیٰوۃ الحیوان دمیری سے حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ایک عورت ایک بیابان میں سفر کر رہی تھی اور سخت پیاسی تھی یہاں تک کہ ایک ایسے کنوئیں پر پہونچی جس میں پانی موجود تھا۔ وہ کسی طرح اس میں اتری اور پانی پی کر سیراب ہوئی۔ جب باہر آئی تو دیکھا ایک کتّا پیاس کی شدّت کی وجہ سے وہ مٹّی کھا رہا ہے جس میں کچھ نمی موجود ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کتّا بیچارہ میری ہی طرح پیاسا ہے۔ چنانچہ اس پر رحم کھا کر دوبارہ کنوئیں میں اتری اپنے پاؤں کا موزہ پانی سے لبریز کر کے دانتوں میں دبایا اور اوپر آکر کُتّے کو سیراب کیا۔

خدا نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا، اور اسے بخش دیا۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! اگر ہم بھی حیوانات کے ساتھ نیک سُلوک کریں تو کیا ہمیں بھی اس کا اجر ملے گا؟۔ فرمایا، "نَعَم فِی کُلِّ کَبِدٍ حَرّیٍ اَجرٌ"

یعنی ہاں، ہر تشنہ جگر کو خنکی پہونچانے اور اسے پانی پلانے کا ایک اجر ہے۔ نیز اسی کتاب میں ہے کہ حضرت رسول خدؐا نے فرمایا۔ "میں شب معراج جب بہشت میں داخل ہوا تو وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس نے ایک پیاسے کُتّے کو سیراب کیا تھا۔" جہاں ضرورت کے وقت ایک جانور کے ساتھ احسان کرنا مغفرت و آمرزش اور عاقبت بخیر ہونے کا سبب ہو وہاں ایک

انسان اور بالخصوص مومن کے ساتھ نیکی اور اس کی دادرسی کرنے کا کتنا ثواب ہوگا۔؟

اس بارے میں جو روائیتیں اور داستانیں کتاب کلمۂ طیّبہ مرحوم نوری میں منقول ہیں ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

---

(۵۰)

سچّا خواب

ایک صاحبِ یقین و ایمان اور متقی بزرگ نے جنھوں نے عالمِ ربّانی مرحوم حاج شیخ محمّد جواد بید آبادی (جن سے متعلق چند داستانیں اس کتاب میں نقل ہو چکی ہیں۔) کا زمانہ دیکھا ہے بیان کیا کہ ایک بار وہ بزرگوار حضرت امام رضا علیہ السّلام کی زیارت اور مشہد مقدّس میں چالیس روز قیام کرنے کے قصد سے اپنی بہن کے ساتھ اصفہان سے روانہ ہوئے۔ اور مشہد مقدّس سے مشرف ہوئے۔

جب اس مبارک مقام پر ان کے قیام کو اٹھارہ روز گزر رہے تو رات کو امام رضا علیہ السّلام نے خواب کے عالم میں انھیں حکم دیا کہ کل صبح تمھیں اصفہان واپس جانا ہے انھوں نے عرض کیا مولا! میں نے آپ کے جوار میں چالیس روز ٹھہرنے کی نیت کی ہے اور ابھی تو صرف اٹھارہ دن گزرے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا چونکہ تمھاری بہن اپنی ماں کی جدائی سے پریشان ہے اور ہم سے واپس جانے کی خواہش کی ہے۔ لہٰذا تمھیں اس کی خاطر سے واپس جانا چاہیئے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اپنے زائرین کو عزیز رکھتا ہوں۔

جب مرحوم حاجی بیدار ہوئے تو انھوں نے اپنی بہن سے پوچھا کہ تم نے گزشتہ روز امام

حضرت رضا علیہ السّلام سے کیا خواہش کی ہے۔؟ انھوں نے کہا، چونکہ میں اپنی ماں کی مفارقت سے بہت بے چین تھی لہٰذا حضرتؑ سے اس کا شکوہ اور واپسی کی درخواست کی تھی

عام طور پر شیعوں اور خاص طور سے اپنی قبر کے زائرین کے ساتھ آپ کی محبّت اور مہربانی مسلّمات میں سے ہے۔ چنانچہ آپ کی زیارت میں ہے۔ "السّلام علیکؑ ایھا الامام الرئوف"۔ اس بارے میں معتبر کتابوں کے اندر کافی واقعات موجود ہیں۔ جن کو نقل کرنا اس کتاب کے موضوع سے الگ ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص بھی حضرتؑ کی قبرِ مبارک کا رُخ کرتا ہے وہ ان حضرتؑ کی محبت و عنایت سے سرفراز ہوتا ہے۔

---

(۵۱)

سچّا خواب

سیّد جلیل جناب آقائے ذوالنور (معمار) نے جو مومنین میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے مشہور ہیں بیان کیا ہے کہ میں نے ایک شب خواب کے عالم میں ایک بہت وسیع باغ اور ایک پُر شکوہ محل دیکھا، دربان سے اجازت لے کے اس میں قدم رکھّا تو ہر طرف شاہانہ ساز و سامان نظر آیا۔ میں سیر و تفریح کرتا ہوا اور اس آراستہ بارگاہ کی شان و شوکت پر حیرت زدہ اس کے مرکزی حصّے میں پہونچا جہاں ہر طرف نہریں جاری تھیں، ہر طرف یاسمین کے درختوں کے جھنڈ ایک دوسرے سے پیوستہ تھے۔ اور ان میں سے مست کر دینے والی بھینی بھینی خوشبو نکل رہی تھی۔ ان کے سائے میں ایک شاہی تخت بچھا ہوا تھا جو طرح طرح کی زینتوں اور بہترین فرش سے مزیّن تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس پر جناب آقائے شیخ محمّد قاسم طلاقت (واعظ) انتہائی عزّت و جلال کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے دربان سے پوچھا کہ یہ بارگاہ کس کی ملکیت ہے۔ اس نے کہا آقائے طلاقت کی جو شاہی کُرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں اذنِ حضوری حاصل کر کے ان کی خدمت میں پہونچا۔ اور کافی تعظیم و تکریم کے بعد کہا کہ آقائے طلاقت میں آپ کا رفیق رہ چکا ہوں۔ اور آپ کے حالات سے باخبر تھا۔ ایسی کون سی بات ہوئی کہ خدا نے آپ کو ایسا مرتبہ عنایت فرمایا ہے۔؟

انھوں نے جواب دیا کہ جیسا تم کہہ رہے ہو بات ایسی ہی ہے۔ حقیقتاً میرے پاس کوئی عمل ایسا نہیں تھا جو مجھے اس منزل تک پہونچا دے۔ لیکن ہوا یہ کہ میرا ایک اٹھارہ سال کا نوجوان بیٹا تھا۔ جس کے گلے میں ایک مرض پیدا ہوا اور وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ خداوند کریم نے اس مصیبت کے عوض میں مجھ کو ایسا مقام عطا فرمایا ہے۔

آقائے ذوالنور کہتے ہیں، میں آقائے طلاقت کے فرزند کی موت سے آگاہ نہیں تھا۔

میں نے سوچا، اُن سے ملاقات کر کے اپنا خواب بیان کروں، لیکن پھر خیال ہوا کہ شاید ان کے فرزند کا انتقال نہ ہوا ہو۔ اور خواب کی تعبیر کچھ اور ہو۔ چنانچہ ان سے نہیں پوچھا بلکہ ایک صاحبِ علم شخصیت سے جو کہ ان کی دوست اور رفیق تھی ان کے بیٹے کا حال دریافت کیا۔

انھوں نے بتایا کہ، ہاں چند روز قبل ان کا ایک اٹھارہ[۱۸] سال کا فرزند چوبیس[۲۴] گھنٹوں کے اندر داغِ مفارقت دے گیا۔

اولاد اور بالخصوص بیٹے کی موت کے بدلے میں خداوندی الطاف و کرم اور اجر و ثواب کے موضوع پر کافی روایات و واقعات پائے جاتے ہیں۔ جو کتاب لئالی الاخبار مرحوم تویسر کانی کے اوائل میں نقل ہوئے ہیں۔ علاوہ اس کے مزید اطلاع کے لئے کتاب مسکن الفواد فی موت الاحبّۃ والاولاد مولفۂ شہید ثانی علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس مقام پر صرف ایک روائیت نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ "فرزند کی مَوت پر مومن کا اجر بہشت ہے۔ خواہ وہ اس پر صبر کرے یا نہ کرے"۔[۵۱]

باوجود اس کے کہ ہر مصیبت اور بلا کا اجر و ثواب اس پر صبر کرنے پر موقوف ہے۔ لیکن اولاد کی موت کا اجر یقینی ہے، ہر چند اس پر صبر نہ کر سکے۔

۵۱۔ فِی مُوَثَّقَۃِ ابْنِ بُکَیْرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ ثَوَابُ الْمُؤْمِنِ مِنْ وَلَدِہٖ اِذَا مَاتَ الْجَنَّۃُ صَبَرَ اَوْلَمْ یَصْبِرْ۔

(آداب السنن مقانی صہ ۲۸۱)

(۵۲)

سچّا خواب

ایمان و یقین کے حامل اور ولایت اہلبیتؑ طاہرین علیہم السّلام میں مخلص مرحوم حاج شیخ محمد شفیع جمیع نے (جن سے داستان ۱۴۱ نقل ہو چکی ہے) فرمایا کہ میں ایک سال عید غدیر کے موقع پر نجف اشرف سے مشرّف تھا۔ زیارت کے بعد اپنے شہر (جم) کی طرف مراجعت کی اور ایامِ عاشورہ میں اپنے امامباڑے کے اندر عزاداریٔ حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کی مجلسیں قائم کیں۔ روز عاشورہ میرے دل میں ان حضرتؑ کی زیارت کا شدید اشتیاق پیدا ہوا۔ اور میں نے اس آرزو کی تکمیل کے لئے انھیں حضرتؑ سے مدد طلب کی، جب کہ اسباب کے لحاظ سے بظاہر یہ اَمر محال نظر آتا تھا۔

اُسی شب عالم خواب میں حضرت امیر المومنینؑ اور حضرت سیّد الشہداء علیہما السّلام کے جمال مبارک کی زیارت کی۔ جناب امیرؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ محمد شفیع کی سند کیوں نہیں دیتے ہو آپؑ نے فرمایا میں اپنے ہمراہ لایا ہوں، پس ایک ورق مجھے مرحمت فرمایا جس میں دو سطریں نور سے لکھی ہوئی تھیں اور جس کے دونوں رُخ یکساں تھے۔ جب میں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ دو شعر لکھے ہوئے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ میں شاعری سے شغف نہیں رکھتا ہوں وہ مجھے ایک ہی نظر میں یاد ہو گئے۔ وہ شعر یہ تھے۔

از مخلصاں درگہِ آں شاہ لوکشف   اسمش محمد است و شفیع از رہِ شرف

توفیق شد رفیق رود سوئے کربلا   باآنکہ اندکے است کہ برگشتہ از نجف

(یعنی یہ شاہِ لوکشف (حضرت امیر المومنینؑ) کی درگاہ کے مخلصین میں سے ہیں۔ ان کا نام شرف اور بزرگی کے لحاظ سے محمد اور شفیع ہے۔ اس امر کی توفیق ان کے ساتھ ہے۔ کہ یہ کربلا کی طرف روانہ ہوں۔ باوجود اس کے کہ چند روز قبل ہی نجف سے واپس آئے ہیں۔)

فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو مجھے انتہائی مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنی حاجت پوری ہونے کا یقین تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ اُسی روز سفر کے وسائل مہیّا ہو گئے اور میں روانہ ہو کر اس آستانۂ اقدس سے مشرف ہوا۔

مرحوم حاج شیخ محمد شفیع تقریباً تیس سال تک میرے رفیق رہے اور مجھے چند مرتبہ انکی ہمراہی میں حج اور عتبات کی زیارتیں نصیب ہوئیں۔ وہ ایک باعمل عالم دین و شریعت کے مُروّج مخلص، مرد خلیق اور محبّ صادق تھے وہ جس شہر میں پہونچتے تھے وہاں کے نیک اور صالح افراد سے گھُل مِل جاتے تھے۔ وہ جس مجلس میں ہوتے تھے اس کے شرکاء اور حاضرین کو خدا اور آل محمدؐ علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی یاد دلاتے رہتے تھے۔ وہ ان حضرات کے مناقب اور ان کے دشمنوں کے مثالب اور معایب بیان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ وہ حقیقت ملکات فاضلہ اور صفات حمیدہ، بالخصوص تواضع، حیا، ادب، بندگانِ خدا سے محبّت، سخاوت، اور خلق خدا کی خیر خواہی میں بہت ہی کم اپنا جواب رکھتے تھے۔

اَعْلَی اللّٰہُ مَقَامَہٗ وَحَشَرَہُ اللّٰہُ مَعَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّاهِرِیْنَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

جنابِ سیّدہ ؑ کی عنایت

جناب حاجی علی اکبر سروری تہرانی نے بتایا کہ میری ایک علویہ خالہ ہیں جو بہت عبادت گزار اور ہمارے خاندان کے لئے باعث برکت ہیں۔ مصائب و شدائد میں ہم سب کی پناہ لیتے ہیں اور ان کی دعا سے ہماری پریشانیاں برطرف ہوتی ہیں ایک بار وہ معظمہ دل کے درد میں مبتلا ہوئیں۔ اور چند ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کی جانب رجوع کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بالآخر انھوں نے حضرت فاطمہ ؑ زہرا صلوات اللہ علیہا سے توسل کے لئے ایک زنانی مجلس منعقد کی۔ اور اہلِ مجلس کو کھانا بھی کھلایا۔ اسی شب خواب میں دیکھا کہ جناب معصومہ سلام اللہ علیہا ان کے گھر میں تشریف لائی ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی بہت حقیر ہے اور چونکہ میں اس لائق نہیں تھی لہٰذا گذشتہ روز آپ کو دعوت نہیں دے سکی آپ نے فرمایا کہ ہم خود ہی آئے تھے اور یہاں موجود تھے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ تمھارے درد اور اس کی دوا کی نشاندہی کر دیں۔ پس اپنی مبارک ہتھیلی ان کے چہرے کے مقابل کر کے ارشاد فرمایا۔ کہ میری ہتھیلی پر۔ نگاہ کرو۔ جب انھوں نے دیکھا تو انھیں اسمیں اپنے جسم کی ساری اندرونی کیفیت نظر آئی۔ منجملہ اپنے رحم کو دیکھا کہ اس میں بہت میل جمع ہو گیا ہے۔ فرمایا تمھارے درد کا تعلق رحم سے ہے۔ فلاں ڈاکٹر کی طرف رجوع کرو ٹھیک ہو جاؤ گی۔

چنانچہ صبح کو اسی ڈاکٹر کے پاس گئیں۔ اور اپنے درد کا حال بیان کیا۔ اس کے علاج سے جلد ہی درد برطرف ہو گیا۔

ضمنی طور پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ممکن تھا آپ بغیر ڈاکٹر کی طرف رجوع اور دوا کے استعمال کے اسی لمحے شفا بخش دیتیں لیکن چونکہ خدا نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر درد و مرض کے لئے ایک دوا خلق فرمائی ہے تاکہ خداوند عالم نے اس کے اندر جو خاصیت قرار دی ہے

وہ ظاہر ہو لہٰذا ضروری ہے کہ مریض وقت ضرورت طبیب کی طرف رجوع اور دوا کے استعمال سے پرہیز نہ کرے اور یہ جان لے کہ شفا خدا کی طرف سے ہے۔ لیکن طبیب اور دوا کے وسیلے سے۔ علاوہ ان بعض مواقع کے جن میں مصلحت الٰہی براہ راست شفا کی مقتضی ہو۔

چنانچہ شاید مذکورہ علویہ کے بارے میں ایسی کوئی مصلحت نہیں تھی لہٰذا انھیں خدا کی جاری سُنّت یعنی طبیب اور دوا کی طرف رجوع کے حوالے فرمایا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ گزشتہ پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بیمار ہوئے تو انھوں نے کہا میں دوا استعمال نہیں کروں گا۔ تاکہ جس خدا نے مجھ کو بیمار کیا ہے وہی شفا بخشے۔ پس خداوند عالم نے انھیں وحی فرمائی کہ جب تک تم دوا استعمال نہ کرو گے۔ میں تمھیں شفا نہ دوں گا۔ اس لئے کہ شفا میری طرف سے ہے (ہر چند کہ دوا کے وسیلے سے ہو)۔[1]

---

[1] عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ ؑ قَالَ اِنَّ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ مَرِضَ فَقَالَ لَا اَتَدَاوٰی حَتّٰی یَکُوْنَ الَّذِیْ اَمْرَضَنِیْ یَشْفِیْنِیْ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ لَا اُشْفِیْکَ حَتّٰی تَتَدَاوٰی فَاِنَّ الشِّفَاءَ مِنِّیْ ۝

(لئالی الاخبار صفحہ ۱۱۶)

(۵۴)

سچّا خواب

مومن و متّقی مُلّا علی کازرونی ساکن کویت ایک نیک انسان تھے اور انھیں سچّے خوابوں اور صحیح مکاشفات کی خصوصیت حاصل تھی۔ مجھے حج کے سفر میں ان کی ملاقات اور مصاحبت نصیب ہوئی۔ انھوں نے نقل کیا کہ ایک شب میں نے خواب کے عالم میں ایک ایسا وسیع باغ دیکھا کہ نگاہ اس کی آخری حد تک پہونچنے سے قاصر تھی۔ اس کے وسط میں ایک عظیم اور پُرشکوہ قصر نظر آیا میں حیرت میں تھا کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔ چنانچہ ایک دربان سے دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ یہ محل حبیب نجّار شیرازی کے لئے ہے۔ میں انھیں پہچانتا تھا اور ان کا رفیق بھی تھا۔ میں ان کی خوش نصیبی پر غبطہ کر رہا تھا کہ ناگاہ آسمان سے ایک بجلی گری جس سے دفعتاً وہ پورا قصر اور باغ جل کر خاکستر ہوگیا جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا میں وحشت اور اس کی ہولناکی سے بیدار ہوگیا۔ اور سمجھ لیا کہ ان سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا ہے۔ جس نے ان کی منزلت کو ختم کر دیا ہے۔ میں صبح کو ان کی ملاقات کے لئے گیا۔ اور پوچھا کہ گزشتہ شب میں تم سے کون سا عمل سرزد ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ میں نے انھیں قسم دی اور کہا یہ ایک ایسا راز ہے جس کا انکشاف ہونا ضروری ہے۔ انھوں نے بتایا کہ گزشتہ شب فلاں وقت میرے اور میری ماں کے درمیان ایسی گفتگو ہوئی کہ بالآخر انھیں مارنے کی نوبت آگئی پس میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ تم نے اپنی ماں کو اذیت دی اور ایسے بلند مرتبے کو اپنے ہاتھوں سے گنو دیا۔

روایات اور آیات سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ بعض گناہانِ کبیرہ اعمال صالحہ اور نیک کاموں کو حبط اور فنا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کتاب عدّۃ الداعی میں منقول ہے کہ حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا، جو شخص ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے تو اس کے لئے بہشت

میں ایک درخت نصب کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے کہا، یارسولؐ اللہ! پھر میں تو بہشت میں بہت سے درختوں کا مالک ہوں۔ آنحضرتؐ نے کہا کہ ڈرو اس چیز سے کہ ایک آگ بھیج کے انھیں جلا ڈالو۔

اس قسم کے گناہانِ کبیرہ میں عقوق والدین بھی ہے۔ یعنی باپ یا ماں کو اذیت اور آزار پہونچانا۔

کتاب گناہان کبیرہ میں اس مطلب کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اس طرف رجوع کیا جائے۔

(۵۵)

امیر المومنین ؑ کی عنایت

جناب حاج شیخ محمد باقر شیخ الاسلام اعلی اللہ مقامہ نے (جن سے ستائیسویں[27] اور اٹھائیسویں[28] داستانیں نقل کی جا چکی ہیں) فرمایا کہ جس زمانے میں مرحوم حاج قوام الملک شیرازی عزاخانے کی تعمیر میں مشغول تھے۔ اس میں کام آنے والے پتھروں کے لئے ایک سیّد سنگتراش کو جو اس زمانے میں شیراز کے سنگتراشوں کے استاد تھے ٹھیکہ دیا گیا۔ اتفاق سے اس معاملے میں انھیں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں تک کہ وہ مبلغ تین سو[300] تومان کے مقروض ہو گئے جو اس دور میں ایک بڑی رقم تھی۔ اور اس کی وجہ سے وہ پریشان حالی اور محتاجی میں مبتلا ہو گئے انھوں نے شب جمعہ میں نماز جعفرِ طیار پڑھی۔ اور اس مشکل حل کے لئے بارگاہِ الٰہی میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کو وسیلہ قرار دیا۔ اسی طرح دوسری اور تیسری شب جمعہ میں بھی یہی عمل جاری رکھا حضرت ؑ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ کل صبح کو حاج قوام کے پاس جاؤ۔ میں نے انھیں ذمہ داری سُپرد کر دی ہے۔ جب یہ بیدار ہوئے تو حیرت میں پڑ گئے۔ میں حاج قوام سے کس طرح گفتگو کروں درحالیکہ میرے پاس کوئی نشانی اور ثبوت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔

بالآخر وہ عزاخانے میں آکر اُداسی اور رنج و غم کے عالم میں ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ ناگاہ دیکھتے ہیں کہ حاج قوام الملک اپنے عمّال اور ملازمین کے ساتھ آئے ہیں جبکہ اس موقع پر انکی آمد غیر متوقع تھی۔ وہ اسی طرح آگے بڑھتے ہوئے سیّد سنگتراش کے قریب پہونچے تو کہا کہ مجھے تم سے ایک کام ہے، میرے گھر پر آجانا۔ حاج قوام کی واپسی کے بعد سیّد بھی اُن کے یہاں پہونچے تو ملازمین نے پورے احترام کے ساتھ انھیں حاج قوام کے پاس پہونچا دیا۔

جب یہ پہونچے تو سلام کیا، حاج قوام نے بغیر ان کا حال پوچھے فوراً تین کیسے جن میں سے ہر ایک اندر سو یک تومانی اشرفیاں موجود تھیں ان کے سامنے پیش کر دیئے۔ اور کہا جاؤ اپنا

قرض ادا کرو۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کی۔

اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگلے زمانے کے دولتمند اور بااقتدار لوگ امورِ خیر میں کتنے صدقِ دل اور اخلاص کے حامل تھے۔ اس حد تک کہ بزرگانِ دین کی عنایت اور التفات کے حقدار بن جاتے تھے۔ اور اسی خصوصیت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتے تھے۔ اس دور میں تو دولتمند اشخاص زیادہ تر اپنی دولت و ثروت میں اضافہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور کارہائے خیر میں صرف کرنے کی توفیق انھیں نصیب نہیں۔ دوسرے اگر کبھی اپنی دولت کا مختصر سا حصہ کسی نیک کام میں صرف بھی کر دیتے ہیں تو اس بارے میں صدق و اخلاص سے محروم رہتے ہیں۔ اور یہ عمل لوگوں کی مدح و ثنا اور دوسروں کی ستائش کی غرض سے انجام دیتے ہیں۔ اور چونکہ یہ خدا کے لئے خالص نہیں ہوتا لہٰذا اس کا کوئی باقی رہنے والا نتیجہ بھی برآمد نہیں ہو سکتا۔

اعمال خیر میں ریاکاری جو عمل کے بطلان کا سبب ہوتی ہے اس کے بارے میں تفصیلی بحث کتاب گناہانِ کبیرہ میں پیش کی گئی ہے۔ خدا ہمارے ثروتمندوں کو توفیق دے کہ اپنے سرمایہ سے نتیجہ حاصل کریں اور جو کچھ انھوں نے جمع کر رکھا ہے اس کے ذریعے باقی رہنے والے فوائد مہیا کریں۔

مال راکز بہر حق باشی حمول　　نعم مال صالحؒ گفتش رسولؐ

یعنی جو مال تم نے راہِ حق میں صرف کرنے کے لئے جمع کیا ہو اسے رسول اللہ نے بہترین اور صالح مال فرمایا ہے۔

(۵۶)

سچّا خوابْ

جناب حاج سیّد محمد علی ناجی مرحوم حاج سیّد محمد حسن کے فرزند اور ان کے وصی بھی ہیں۔ مرحوم نے جن امور کے بارے میں وصیتیں کی تھیں ان میں بڑا حصّہ اجرت پر نمازیں پڑھوانے اور روزے رکھوانے کے لئے تھا۔ وصی موصوف نے چار سال کی نمازوں اور چار مہینے کے روزوں کے لئے مرحوم حاج سیّد ضیاء الدین (امام جماعت مسجد آتشیہا) کو اجیر مقرّر کیا اور اس کی اُجرت انھیں نقد پیش کر دی۔

وصی موصوف نے نقل کیا کہ ایک مدّت کے بعد میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا کہ وہ بہت پریشان ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آیا آپ مجھ سے رضامند ہیں کیونکہ میں نے آپکی وصیت پر عمل کیا ہے اور آپ کی چار سال کی نمازوں اور روزوں کے لئے آقائے سیّد ضیاء الدّین کو اجیر مقرّر کیا۔ میرے باپ نے انتہائی رنج وغم کے ساتھ کہا۔ اس پر عمل کب ہوا وہ تو کسی دوسری فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ انھوں نے چھ روز سے زیادہ کی نمازیں نہیں پڑھی ہیں۔ جب میں بیدار ہوا تو آقائے سیّد ضیاء الدین کی خدمت میں گیا۔ اور پوچھا کہ آپ نے میرے والد کے لئے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔؟ انھوں نے جواب دیا، میں نے جتنی نمازیں پڑھی ہیں انھیں اپنے پاس درج کر لیا ہے۔ میں نے کہا یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ کے کام نظم وترتیب کے ساتھ انجام پاتے ہیں۔ لیکن میرا یہ مطلب ہے کہ میں جاننا چاہتا ہو کہ میرا خواب درست ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ بہت اصرار کے بعد اپنا یادداشت کا رجسٹر لائے تو معلوم ہوا کہ چھ دنوں سے زیادہ کی نمازیں نہیں پڑھی ہیں۔ انھوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا میں بھول گیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ میں بیشتر نمازیں پڑھ چکا ہوں۔ اب جبکہ ان مرحوم نے اس طرح متوجہ کیا

ہے میں آج سے باقاعدہ ان کی نمازوں کی ادائیگی میں مشغول ہو جاؤں گا۔

اس طرح معلوم ہوا کہ آقا سیّد ضیاء بھول گئے تھے۔ اور مرحوم حاجی ناجی کی اطلاع بھی صحیح تھی۔ کتاب غرر الحکم آمدی میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے اپنے کلمات قصار، (مختصر کلمات) میں ارشاد فرمایا، تم خود اپنے نفس کے وصی بنو اور جو کچھ تم چاہتے ہو کہ تمہارے مال سے دوسرے لوگ تمہارے لئے انجام دیں۔ اسے تم خود ہی انجام دو[1]۔

مُراد یہ ہے کہ جس بارے میں تم وصیت کرتے ہو دوسرا شخص تمہارے بعد تمہارے مال میں سے امور خیر انجام دے ان کو تم خود ہی اپنی زندگی میں انجام دو کیونکہ دیندار خداترس، اور تمہارے اوپر مہربان وصی مشکل ہی سے ملے گا۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے، وصی تمہاری وصیت پر عمل بھی کر لے۔ لیکن جس شخص کو تمہارے نماز، روزے اور حج کے لئے اجیر بنائے وہ صحیح طور سے ان کو بجا نہ لائے یا اسے اہمیت نہ دینے کی بنا پر فراموش کر دے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ باقاعدہ بجا بھی لائے پھر بھی یقیناً وہ عمل جو انسان بذاتِ خود انجام دے وہ اس عمل سے بڑا فرق رکھتا ہے جسے دوسرا شخص اس کی نیابت میں انجام دے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے وصیت کی کہ آنحضرتؐ اس کے خُرمے کے ذخیرے کو راہِ خدا میں تقسیم کروائیں۔ جب آنحضرتؐ نے اس کی وصیت پر عمل فرمایا تو اس میں سے ایک خرما زمین پر پڑا ہوا ملا۔ آپؐ نے اسے اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس شخص نے اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے اس دانۂ خرما کو خیرات کیا ہوتا تو وہ خرموں کے اس انبار سے بہتر تھا جو میں نے اس کی طرف سے دیا ہے۔ شیخ سعدی شیرازی نے کیا خوب کہا ہے ؎

برگ عیشے بہ گور خویش فرست — کس نیارد زپس تو پیش فرست

خور و پوش و بخشائی و روزی رساں — نگہ می چہ داری زبہر کساں

---

[1] کُنْ وَصِیَّ نَفْسِكَ وَافْعَلْ فِی مَالِكَ مَا تُحِبُّ اَنْ یَّفْعَلَهٗ غَیْرُكَ۔

زر و نعمت اکنوں بدہ کان تست — کہ بعد از تو بیروں ز فرمانِ تست
تو با خود ببر توشۂ خویشتن — کہ شفقت نیاید ز فرزند و زن
غمِ خویش در زندگی خور کہ خویش — بہ مردہ نہ پرداز داز حرصِ خویش
بہ غم خوارگی جز سر انگشت تو — نہ خارد کسی در جہاں پشتِ تو

(یعنی، اپنے عیش و عشرت کا سامان خود ہی اپنی قبر میں بھیجو تمھارے بعد اُسے مہیّا کرنے والا کوئی نہ ہوگا، لہٰذا تم پہلے ہی بھیجدو۔ کھاؤ، پہنو، بخشش کرو، اور حاجتمندوں کو روزی پہونچاؤ تم دوسروں کے بارے میں کیا توقع رکھتے ہو؟ مال و زر ابھی دیدو کیونکہ اس وقت تمھارے اختیار میں ہے ورنہ تمھارے بعد تمھارے قابو سے باہر ہو جائے گا۔ تم اپنا توشہ اور زادِ راہ اپنے ساتھ لے جاؤ کیونکہ تمھاری اولاد اور زوجہ سے اسقدر مہربانی کی امیّد نہیں۔ اپنی ہی زندگی میں اپنی غمخواری کرو کیونکہ کوئی عزیز و قریب اپنی حرص کی وجہ سے کسی مُردے کے کاموں میں وقت صرف نہیں کرتا۔ تمھارے اپنے ناخنوں کے سوا دنیا میں کوئی شخص ہمدردی کرتے ہوئے تمھاری پیٹھ نہ کھُجلائے گا۔)

(۵۷)

سچّا خواب

مرحوم حاج غلام علی بہبہانی (بانیٔ شبستان مسجد سروزک) کے فرزند مرحوم حاج محمد حسن خاں بہبہانی نے نقل کیا کہ میرے باپ مسجد سروزک کا برآمدہ مکمّل ہونے سے پہلے ہی مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور وصیت کی کہ بارہ ہزار روپئے ۱۲۰۰۰ جو بمبئی کے حوالے میں ہیں حاصل کر کے مسجد کی تکمیل میں صرف کئے جائیں۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو چند روز کے لئے تعمیر معطل ہوگئی۔ ایک رات انھوں نے خواب کے عالم میں مجھ سے کہا۔ کہ تم نے یہ کام کیوں ملتوی کیا؟ میں نے کہا آپ کے احترام میں اور آپ کی مجلس ترحیم میں مشغولیت کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم میرے لئے کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ مسجد کی تعمیر معطل نہ کرو جب میں بیدار ہوا تو مسجد کی عمارت مکمّل کرنے کا عزم کرتے ہوئے سوچا کہ اپنے باپ کی معیّن کی ہوئی رقم کا حوالہ مہیّا کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس کے ذریعے روپئے حاصل کر کے اس میں صرف کر سکوں۔ لیکن کافی تلاش اور جستجو کے باوجود وہ حوالہ اور سند دستیاب نہیں ہوئی جہاں جہاں مجھ کو احتمال تھا ہر مقام پر دیکھا لیکن کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔

چند روز بعد پھر اپنے باپ کو خواب میں دیکھا انھوں نے مجھ سے باز پرس کی کہ مسجد کی تعمیر کیوں شروع نہیں کرتے؟ میں نے کہا آپ کے معیّن کردہ روپئوں کا حوالہ گُم ہوگیا ہے۔ انھوں نے فرمایا حُجرے کے اندر الماری کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو چراغ روشن کیا اور اسی مقام پر گیا جس کا پتہ انھوں نے بتایا تھا۔ وہاں ایک ورق پڑا ہوا ملا، اُٹھا کر دیکھا تو وہی حوالہ تھا۔ چنانچہ مطلوبہ رقم حاصل کر کے مسجد کا کام پورا کرایا۔

(۵۸)

سچّا خواب

مرحوم حاج معتمد نے نقل کیا کہ میں ایک روز مجلس روضہ خوانی کے لئے تکیہ شاہ داعی اللہ میں مدعو تھا۔ چونکہ برف اور بارش کی وجہ سے راستوں میں کیچڑ تھی للہذا میں قبرستان دار السّلام شیراز کے درمیان سے گزرا۔ اور مجلس تمام ہونے کے بعد اسی راستے سے واپس ہوا۔ رات کو مرحوم آقائے حاج سیّد علی اکبر فال اسیری کے فرزند آقا سیّد میرزا معروف بہ سُلطان کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے کہا معتمد! آج تم ہمارے گھر کے پہلو سے گزرے اور اسے خراب و خستہ حالت میں دیکھا، لیکن اُسے درست نہیں کیا۔؟ جب میں بیدار ہوا تو مجھے مطلق خبر نہ تھی کہ مرحوم کی قبر کس قبرستان میں ہے اسی روز قبرستان کے مہتمم شیخ حسن کے پاس پہونچا اور ان سے دریافت کیا کہ آیا آقا سیّد میرزا کی قبر اسی قبرستان میں ہے؟ انھوں نے کہا ہاں۔ اور میرے ہمراہ جاکر اس کی نشاندہی کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بالکل میری کل کی گذرگاہ میں واقع ہے۔ اور برف باری اور بارش کی وجہ سے شکست ہو کر بیٹھ گئی ہے۔ چنانچہ میں نے شیخ کو کچھ پیسے دیئے کہ وہ قبر کی مرمت کرادیں۔

ان چند داستانوں اور انھیں جیسے دیگر ہزاروں واقعات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ انسان موت کے بعد فنا نہیں ہوتا ہے۔ ہر چند اس کا بدن زیرِ زمین بوسیدہ اور خاک ہو گیا ہو لیکن اس کی روح عالمِ برزخ میں باقی اور اس دنیا کے حالات سے باخبر رہتی ہے۔ اور اس مطلب کی قرآن مجید[1] اور روائیتوں میں تصریح موجود ہے۔ بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۱۴۱ میں

---

[1] احیاءٌ عند ربھم یُرزقون ــــ ومن ورآئھم برزخٌ الی یوم یُبعثون

(سورہ مومنون آیت ۱۰۰)

مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جنگ بدر میں مُشرکین کے کشتوں کو خطاب فرمایا۔ کہ "تم خدا کے رسول ص کے بہت بُرے ہمسائے تھے۔ انھیں ان کے گھر سے نکالا اس کے بعد آپس میں جمع ہو کر ان سے جنگ کی، یقیناً خدائے برحق نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا اسے تم نے پالیا، یعنی دنیا میں ہلاکت اور موت کے بعد عذابِ الٰہی"۔

عمر ابنِ خطاب نے آنحضرت ص سے کہا، آپ کیونکر مُردوں اور ہلاک شدہ لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں (اس لئے کہ وہ سنتے نہیں ہیں) آنحضرت ص نے فرمایا خاموش رہ اے خطّاب کے بیٹے خدا کی قسم تو ان سے زیادہ سُننے کی طاقت نہیں رکھتا، اور ان کے اور عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں معذب ہونے کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ میں ان کی طرف سے اپنا منہ پھیرلوں۔

اس کے علاوہ یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ کہ جنگ جمل میں لڑائی تمام ہونے اور حضرت امیر المومنین ع کی فتح کے بعد حضرت کشتوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہاں تک کہ کعب بن سور کے کُشتے کے پاس پہونچے جو عُمر اور عثمان کی طرف سے بصرے کا قاضی تھا اور اپنے بیٹوں اور دیگر متعلقین کے ساتھ امیر المومنین علیہ السّلام سے لڑنے کے لئے آیا تھا۔ اور وہ سب کے سب مارے گئے تھے۔ پس حضرت ع کے حکم سے اسے اُٹھا کے بٹھایا گیا۔ اور آپ نے فرمایا اے کعب! میں تو اس منزل پر پہونچ گیا، جس کا خدائے برحق نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔ (یعنی دنیا کی ہلاکت اور عذاب آخرت) اس کے بعد اسے آپ کے حکم سے لٹا دیا گیا۔ پھر آپ کچھ اور آگے بڑھے یہاں تک کہ طلحہ کے کُشتے پر پہونچے تو اُسے بھی آپ کے حکم سے اٹھا کے بٹھایا گیا۔ اور آپ نے وہی جملہ اس سے بھی فرمایا۔ حضرت کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا۔ کہ دو کشتوں سے آپ کی گفتگو کا کیا مطلب ہے۔؟ جب کہ وہ کچھ سنتے نہیں۔؟ فرمایا خدا کی قسم انھوں نے میری بات سُنی ہے جس طرح مُشرکین بدر کے کشتوں نے حضرت رسول ص خدا کا کلام سنا تھا۔

(۵۹)

نیک انجام

عبدِ صالح حاج یحییٰ مصطفوی اقلیدی نے جن کی مصاحبت مجھے حج اور زیارات عتبات عالیات میں نصیب ہوئی تھی نقل کیا کہ اصفہان کے ایک نیک خصلت انسان سیّد محمد صحاف مرحوم سیّد زین العابدین اصفہانی سے بہت عقیدت اور خلوص رکھتے تھے۔ جب مرحوم سید زین العابدین کے انتقال کو ایک سال گذر گیا تو ایک شب جمعہ کو ان مرحوم کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک وسیع اور عریض باغ کے اندر ایک بلند و بالا قصر میں تشریف فرما ہیں۔ اس میں طرح طرح کے حریر و استبرق اور زربفت کے فرش بچھے ہوئے ہیں۔ خوشبو دار پودے، رنگ برنگ پھول اور ہر قسم کی کھانے پینے کی نعمتیں موجود ہیں اور پانی کی نہریں جاری ہیں۔ خلاصہ یہ جملہ لذّتوں اور سُرور و شادمانی کے اسباب مہیّا ہیں۔ یہ سارا عیش و عشرت کا غیر معمولی سامان دیکھ کر سیّد محمّد موصوف مبہوت ہو گئے۔ اور سمجھ لیا کہ یہ عالم برزخ ہے۔ اور ان کے دل میں بھی وہاں پہونچنے کی آرزو پیدا ہوئی۔

چنانچہ یہ جناب سیّد سے کہتے ہیں کہ آپ تو ایسے بہترین مقام پر انتہائی مسرت و شادمانی اور آرام و آسائش کے ساتھ ہیں اور ہم دنیا کے اندر ہزاروں ناموافق حالات اور سختیوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر آپ مجھ کو بھی یہاں جگہ دیدیتے۔ جناب سیّد فرماتے ہیں، اگر تم ہمارے پاس رہنا چاہتے ہو تو میں اگلے ہفتے شب جمعہ میں تمھارا انتظار کروں گا۔ جب یہ خواب سے بیدار ہوئے تو یقین کر لیا کہ اب میری عمر میں ایک ہفتے سے زیادہ باقی نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے امور کی اصلاح میں سرگرم ہو گئے۔ جو مطالبات ان کے ذمّہ تھے انھیں ادا کیا۔ اور اپنے اہل و عیال سے ضروری وصیتیں کیں۔ ان کے متعلقین نے پوچھا کہ آپکی یہ کیسی حالت ہو گئی ہے۔ تو کہا کہ میں ایک طولانی سفر کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بالآخر انھیں پنجشنبے کے روز مطلع کیا اور کہا کہ یہ میری زندگی کا آخری دن ہے اور آج کی شب میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ انھوں نے کہا کہ آپ تو

بالکل صحیح و تندرست ہیں۔ تو جواب دیا کہ یہ حتمی وعدہ ہے۔ اس کے بعد رات بھر بیدار رہے اور صبح تک دُعا و استغفار میں مشغول رہے۔ لیکن اپنے گھر والوں کو آرام کرنے کی تاکید کی طلوعِ فجر کے بعد جب یہ لوگ ان کے سرہانے پہونچے تو دیکھا کہ وہ قبلہ رو لیٹے ہوئے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ،

(۶۰)

حج کو ترک کرنے پر تہدید

مرحوم حاج عبد العلی مشکسار نے نقل کیا ہے کہ ایک روز صبح کے وقت مسجد آقا احمد میں عالم ربّانی مرحوم آقائے حاج سیّد عبد الباقی اعلی اللہ مقامہ نماز جماعت کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اس وقت میں بھی مسجد میں حاضر تھا۔ موصوف نے فرمایا کہ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے موعظے کے لئے اس چیز کو بیان کروں جسے میں نے خود دیکھا ہے۔

مومنین میں سے ایک شخص میرا رفیق تھا، وہ بیمار ہوا تو میں اس کی عیادت کے لئے گیا میں نے اس کو سکرات موت کے عالم میں دیکھا تو اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اور سورۂ یٰسین اور سورۂ والصّافات کی تلاوت کی اس کے گھر والے حُجرے سے باہر چلے گئے۔ اور میں اس کے پاس تنہا رہ گیا۔ پس اُسے کلمۂ توحید اور کلمۂ ولایت کی تلقین شروع کی۔ میں نے ہر چند اصرار کیا مگر اُسنے یہ الفاظ ادا نہیں کئے باوجود اس کے کہ وہ بولنے پر قادر اور ہوش و حواس میں تھا۔ پھر وہ انتہائی غیظ وغضب کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوا۔ اور تین مرتبہ کہا یہودی، یہودی، یہودی۔

میں نے اپنا سر پیٹ لیا اور وہاں مزید توقف کی طاقت نہ پاکر حُجرے سے باہر چلا آیا۔ اس کے اہلِ خانہ اس کے پاس گئے اور میں گھر کے دروازے ہی تک پہونچا تھا کہ نالہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔

اس کے حالات کی تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس بدبخت پر کئی برسوں سے حج واجب تھا لیکن اس نے اس اہم الٰہی فریضے پر کوئی توجہ نہیں کی یہانتک کہ یہودی ہو کر دنیا سے اُٹھا۔

(۶۱)

حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام کا وسیلہ

مرحوم حاج محمد رحیم مشہور بہ آبگوشتی (اس لقب کے ساتھ ان کی شہرت کا سبب یہ تھا کہ وہ حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام سے بہت اخلاص و ارادت رکھتے تھے۔ اور پابندی کے ساتھ روزانہ زیارت عاشورہ پڑھنے کے عادی تھے۔ اس کے علاوہ مسجد گنج میں جو ان کے مکان سے متصل تھی ہر شب نماز جماعت کے بعد ایک یا دو شخص روضۂ خوانی کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ دستر خوان بچھاتے تھے اور اس پر کافی مقدار میں آب گوشت (گوشت کا سالن) رکھتے تھے۔ چنانچہ جو شخص چاہتا تھا وہیں بیٹھ کے کھاتا تھا۔ اور جو چاہتا تھا اپنے گھر لے جاتا تھا۔) کے فرزند مرحوم حاج میرزا علی ایزدی نے نقل کیا کہ میرے والد سخت بیمار ہوئے اور ہمیں حکم دیا کہ مجھے مسجد میں لے چلو۔ میں نے کہا اس میں آپکی ہتک حُرمت ہے۔ کیونکہ تجّار اور اشراف آپکی عیادت کے لئے آئیں گے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مسجد کے اندر قیام مناسب نہ ہو گا۔ انھوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے مسجد کے اندر موت آئے۔ چونکہ انھیں مسجد سے شدید انس تھا۔ لہٰذا مجبوراً ہم لوگ انھیں مسجد لے گئے یہاں تک کہ ایک رات ان کے مرض نے اور شدّت اختیار کی اور وہ بیہوشی کے عالم میں تھے لہٰذا ہم لوگ انھیں مسجد سے گھر لے آئے اس رات وہ سکرات موت کی حالت میں تھے اور ہم نے ان کے مرنے کا یقین کر لیا تھا چنانچہ حجرے کے ایک گوشے میں بیٹھ کے رونا شروع کیا اور آپس میں ان کی تجہیز و تکفین، مقام دفن اور مجلس ترحیم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے یہاں تک کہ سحر کا وقت آگیا۔ ناگاہ انھوں نے مجھے اور میرے بھائی کو آواز دی ہم لوگ ان کے قریب گئے تو دیکھا کہ انھیں کثرت سے پسینہ آیا ہے۔ ہم سے فرمایا کہ اطمینان رکھو اور جاکے آرام کرو اور یہ سمجھ لو کہ میں ابھی نہیں مروں گا۔ اور اس مرض سے صحتیاب ہو جاؤں گا۔ ہم لوگ

اس صورتحال پر حیران تھے اور انھوں نے اس حال میں صبح کی کہ مرض کا کوئی اثر ان کے اندر باقی نہیں تھا۔ہم لوگ ان کا بستر لپیٹ کے انھیں حمّام لے گئے۔یہ واقعہ ماہِ محرم ۱۳۳۰؁ قمری کی پہلی شب میں پیش آیا۔لیکن ہم لوگوں کو یہ پوچھنے سے حیا مانع ہوئی کہ آپ کے صحتیاب ہونے اور موت سے نجات پانے کا کیا سبب ہوا۔؟

جب حج کا موسم قریب آیا تو انھوں نے اپنے حسابات صاف کرنے اور اپنے امور کی اصلاح میں پوری کوشش کی اور سفر حج کے مقدمات اور لوازم کا اہتمام کیا۔یہاں تک کہ پہلے قافلے کے ہمراہ روانہ ہوگئے۔ہم لوگ ان کی مشایعت میں باغ جنّت تک گئے۔جو شیراز سے ایک فرسخ پر واقع ہے۔اور شب میں وہیں قیام کیا۔انھوں نے اپنی طرف سے ابتدا کرتے ہوئے کہا، کہ تم لوگوں نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں کیوں نہیں مرا۔اور کس طرح صحتیاب ہوگیا۔؟اب میں خود تمھیں بتاتا ہوں کہ اس رات میری موت آچکی تھی۔اور میں سکرات مرگ کی حالت میں تھا۔اسی عالم میں اپنے کو یہودیوں کے محلّے میں پایا۔اور شدید بدبو اور وہاں کے ہولناک منظر سے سخت پریشان ہوا۔اور یہ سمجھ لیا کہ اگر مرگیا تو لوگوں کا جزء بن جاؤں گا۔اس وقت میں نے اپنے پروردگار کے سامنے نالۂ و فریاد شروع کی۔تو ایک آواز سُنی کہ یہ مقام ان لوگوں کے لئے ہے جو حج کو ترک کرتے ہیں۔میں نے کہا، پس حضرت سید الشہداءؑ کے بارے میں میرے توسلات اور خدمات کیا ہوئے۔دفعتہً وہ ہولناک منظر ایک فرحت بخش منظر میں بدل گیا۔اور مجھ سے کہا گیا کہ تمھاری ساری خدمتیں مقبول ہیں۔اور انھیں حضرتؑ کی سفارش سے تمھاری عمر میں دس سال بڑھا دیئے گئے ہیں۔اور تمھاری موت میں تاخیر کردی گئی ہے تاکہ تم حج واجب بجالاؤ۔چونکہ اب میں حج کا عزم کرچکا ہوں لہٰذا تمھیں اپنی سرگذشت سے آگاہ کردیا۔

مرحوم ایزدی نے بتایا کہ میرے باپ کو محرم الحرام ۱۳۴۰؁ قمری سے پہلے ایک مختصر سا مرض لاحق ہوا۔اور انھوں نے کہا کہ آئندہ مہینے کی پہلی شب میری موت کی وعدہ گاہ ہے، چنانچہ جیسی انھوں نے خبر دی تھی (اضافے کے دس سال پورے ہوتے ہی) ماہِ محرّم کی پہلی شب میں سحر کے وقت دنیا سے انکی رحلت ہوگئی۔رحمتہ اللہ علیہ۔

یہ داستان ہمیں دو چیزیں سمجھاتی ہے۔ایک حج کی اہمیت اور اسے ترک کرنے

اور اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا گناہِ عظیم چنانچہ محقق نے شرائع میں فرمایا ہے۔ "وَفِیْ تَاخِیْرِهٖ كَبِيْرَةٌ مُوْبِقَةٌ"، یعنی شرائط پورے ہونے کے بعد حج کی بجاآوری واجب فوری ہے۔اور اس کی ادائیگی میں سہولت اور تاخیر کرنا گناہ کبیرہ اور ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔اور یہودیوں کے ساتھ محشور ہونے سے بدتر کون سی ہلاکت ہوگی۔

چنانچہ سفینۃ البحار جلد ا میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص حج واجب بجانہ لائے اور مرجائے درحالیکہ وہ کسی ایسی سختی اور پریشانی میں گرفتار نہ ہو جو حج کا سفر اس کے لئے مشقت کا سبب بن جائے۔یا کسی ایسے مرض میں مبتلا نہ ہو جس کے باعث حج ادا نہ کرسکے اور حکومت وقت بھی اس کی راہ میں حائل اور مانع نہ ہو پس اُسے اس حال میں موت آنا ہے۔کہ اگر وہ چاہے تو یہودی ہوکر یا نصرانی ہوکر مرے[1]

خلاصہ یہ کہ جو شخص بغیر شرعی عذر کے حج کو ترک کرے وہ مرنے کے بعد یہودی یا نصرانی ہوگا۔نیز آیۂ مبارکہ "مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" سورۂ اسراء آیت ۷۲ (یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا) کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ آیت اُس شخص کے بارے میں ہے جو حج کو ایک سال سے دوسرے سال پر ٹالتا رہے یعنی ہر سال یہ کہے کہ آئندہ سال بجالاؤں گا۔یہانتک کہ حج نہ کرے اور مرجائے تو وہ الٰہی واجبات میں سے ایک واجب سے اندھا ہوگیا۔اور خدا اسے قیامت میں بہشت کی راہ دیکھنے سے اندھا کردیگا۔[2]

دوسرا مطلب جو اس داستان سے سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ علیہ السّلام کشتئ نجات اور خدا کی رحمت واسعہ ہیں۔ان حضرتؑ سے توسّل انسان کو ہر گناہ

---

[1]۔ وَمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ ذٰلِكَ حَاجَةٌ تُجْحِفُ بِهٖ اَوْ مَرَضٌ لَا يُطِيْقُ الْحَجَّ مِنْ اَجْلِهٖ اَوْ سُلْطَانٌ يَمْنَعُهُ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔

[2]۔ قَالَ نَزَلَتْ فِيْمَنْ يُسَوِّفُ الْحَجَّ حَتّٰى مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَعَمِيَ عَنْ فَرِيْضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ۔

سے توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے اور وہ عاقبت بخیر اور پاک ہو کر دنیا سے جائیگا۔ اسی طرح آپ سے توسّل ہر خطرے اور آفت سے امن کا موجب ہے، اور یقیناً اگر کوئی شخص اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ آپ سے متمسّک ہو تو وہ نجات اور سعادت کا اہل ہے۔[۱]

۱۔ ماخاب من تمسک بک وامن من لجأ الیک۔

(۶۲)

زکوٰۃ دینے کا اثر

جناب حاج مراد خاں حسن شاہی ارسنجانی نے نقل کیا کہ ایک سال فارس کے بیشتر خطّے ٹڈّیوں کی آفت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ قوام الملک کو خبر دی گئی کہ فسا کے اطراف میں آپ کے تمام کھیتوں کو ٹڈّیوں نے ختم کر دیا ہے۔ قوام نے کہا کہ میں خود معاینے کے لئے جاؤنگا چنانچہ ان کے اور مرحوم بنان الملک نیز دیگر چند افراد کی ہمراہی میں ہم شیراز کے لئے روانہ ہوئے۔ اور جب قوام کی زیارتوں کے لئے پہونچے تو دیکھا کہ ساری کھیتیاں اس طرح سے ٹڈّیوں کی خوراک بن چکی ہیں کہ ایک خوشہ بھی محفوظ نہیں ہے۔ ہم لوگ یہ منظر دیکھتے ہوئے آگے بڑھے تو زمین کے ایک ایسے قطعے پر پہونچے جو اس علاقے کے تقریباً وسط میں واقع تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کی ساری پیداوار صحیح و سالم ہے اور اس کا ایک خوشہ بھی ضائع نہیں ہوا ہے۔ درحالیکہ اس کے چاروں طرف کی زمینوں کی پیداوار مکمّل طور سے ختم ہو چکی تھی۔ قوام نے پوچھا کہ اس مقام پر کس نے تخم ریزی کی ہے۔ اور اس کھیت کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص جو فسا کے بازار میں پارہ دوزی (پیوند کاری) کا کام کرتا ہے انھوں نے کہا میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں، چنانچہ مجھ سے کہا گیا کہ اسے بلاؤ۔ میں گیا اس سے ملا اور کہا کہ تمھیں آقائے قوام نے بلایا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے تو آقائے قوام سے کوئی کام نہیں ہے۔ اگر انھیں مجھ سے کوئی کام ہے تو وہ خود یہاں آسکتے ہیں۔ بہرطور جس طرح ممکن ہوا، خوشامد اور اصرار کے ذریعے ہم اسے قوام کے پاس لائے۔ قوام نے اس سے پوچھا فلاں مزرعے میں تخمہ ریزی اور کاشتکاری تم نے کی ہے؟ اس نے کہا ہاں، قوام نے پوچھا، کیا سبب ہے کہ ٹڈّیاں تمام زراعتوں کو کھا گئیں۔ لیکن تمھاری کھیتی کو چھوڑ دیا۔ اس نے کہا اوّل تو میں نے کسی کا مال نہیں کھایا ہے۔ کہ ٹڈّیاں میرا مال کھاتیں۔ دوسرے یہ کہ میں اپنی پیداوار کی زکوٰۃ کھلیان ہی میں نکال کے مستحقین کو پہونچا دیتا ہوں اسکے بعد بقیہ غلّہ اپنے گھر لے جاتا ہوں۔

(۶۳)

قرآن مجید سے طلبِ شفا

آقائے سید محمود حمیدی کا بیان ہے کہ (ماہِ محرم ۱۳۳۶ھ ہجری قمری میں) جب شیراز کے بیشتر باشندے انفلوانزا کے وبائی مرض میں مبتلا تھے اور میرے گھر کے سبھی لوگ بیمار ہوگئے اور میں مرض کی شدت سے بیہوش ہوگیا۔ اسی عالم میں سید جلیل مرحوم آقا سید میرزا (امام جماعت مسجد فتح) کو دیکھا کہ انھوں نے مسجد وکیل میں نماز جماعت کے بعد ایک شخص سے فرمایا کہ لوگوں سے بتا دو کہ اپنا داہنا ہاتھ اپنی دونوں کنپٹیوں پر رکھ کے آیۂ مبارکہ "وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا"[1] کو سات بار پڑھیں اور جس شخص کے اوپر بھی اسے پڑھو گے خدا اسے شفا بخشے گا۔ جب میں ہوش میں آیا تو اسی آیت مبارکہ کو سات مرتبہ پڑھا، خدا نے مجھے فوراً شفا عطا فرمائی۔ میں اٹھا اور اپنے بیٹے کی کنپٹی پر ہاتھ رکھ کے اسے پڑھا۔ وہ بھی فوراً صحتیاب ہو کے لبستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ گھر کے جملہ افراد اسی روز ٹھیک ہوگئے اور اس سال سے ابتک میرے خاندان میں جس شخص کو کوئی تکلیف عارض ہوتی ہے میں اس پر یہی آیت پڑھتا ہوں۔ اور وہ فی الفور شفایاب ہو جاتا ہے۔

---

[1] سورۂ اسراء آیت ۸۲۔

(۶۴)

صحیح تعبیر

جناب آقائے سید ضیاء الدین تقوی نے جو چند سال ہوئے تہران سے شیراز کو ہجرت کر گئے ہیں۔ اور اب وہیں مقیم ہیں نقل فرمایا کہ میں ایک روز مرحوم آقائے شرفہ کے یہاں (جو اس زمانے میں شیراز کے سب سے بڑے خطیب اور ممتاز اہلِ منبر تھے۔) مہمان تھا۔ میں نے اسی جگہ (ظہر سے پہلے) قیلولے کے وقت خواب میں دیکھا کہ آیۃ اللہ آقا سید علی مجتہد کازرونی حمّام میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اور کیسہ کش ان کے جسم مبارک پر کیسہ کشی میں مشغول ہے۔ اس طرح ان کے بدن سے مسلسل کثرت کے ساتھ میل خارج ہو رہا ہے یہ دیکھ کر مجھے تعجب اور حیرت ہوئی کہ اس قدر میل اور کثافت کہاں سے پیدا ہوگئی۔

جب میں بیدار ہوا تو مرحوم شرفہ سے اپنا خواب بیان کیا۔ یہ سُن کر وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ آقا سید علی کی موت نزدیک ہے۔ افسوس کہ ایسا گوہر بے بہا عنقریب ہمارے، ہاتھوں سے چلا جائے گا۔

میں آقائے شرفہ کے گھر سے باہر نکلا۔ اور چونکہ آقائے سید علی کے حال سے بے خبر تھا۔ لہذا واقفیت رکھنے والے اشخاص سے ان کی کیفیت دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ ان کی حالت بہت نازک ہے۔ چنانچہ اسی روز عصر کے وقت ان کا انتقال ہوگیا۔ اور معلوم ہوا کہ جب میں نے خواب دیکھا تھا اس وقت ان پر سکرات موت کا عالم تھا۔ سچّا خواب جو اضغاث احلام میں سے (یعنی خواب پریشان) نہ ہو وہ ہوتا ہے جب انسان حالتِ خواب میں عالمِ مادّی سے اس حد تک غیر متعلق ہو کر عالمِ ملکوت سے متصّل ہو جاتا ہے۔ کہ امور کے حقائق کا اکثر ان سے مناسبت رکھنے والی صورتوں میں ادراک کرتا ہے۔ چونکہ مومن کی موت درحقیقت مادّی کثافتوں سے رہائی اور نجات اور طبیعت کے قیود اور آفتوں سے آزاد ہوتی ہے۔ اور جناب سید مرحوم سکرات کے عالم میں طبیعت کی انواع و اقسام کی آلودگیوں سے رہائی اور خلاصی تھی

چنانچہ آقائے تقوی نے دیکھا کہ حمّام میں انھیں پاک و صاف کیا جا رہا ہے۔ بحارالانوار جلد ۳ میں روایت کی گئی ہے۔ کہ دسویں امام حضرت علی نقی ہادی علیہ السّلام کے ایک صحابی مرض الموت میں مبتلا تھے۔ آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ حالتِ احتضار میں گریاں اور موت سے سخت حراساں ہیں۔ امام نے ان سے فرمایا بندۂ خدا! تم موت سے اس لئے خوفزدہ ہو کہ اُسے پہچانتے نہیں ہو اگر تم دیکھو کہ تمھارا جسم اسقدر گندہ اور کثیف ہو گیا ہے کہ تم کثافت کی زیادتی سے سخت اذیت میں ہو۔ اور تمھارے بدن پر زخم اور خارش بھی پیدا ہو گئی ہے اس حالت میں معلوم ہو کہ اگر حمّام جاکر وہاں اپنی دھلائی اور صفائی کروگے تو یہ تمام تکلیفیں برطرف ہو کر آرام اور راحت نصیب ہوگی۔ تو کیا ایسی صورت میں تم حمام جانے سے گریز اور کراہیت کروگے اور اسی حال میں رہنا پسند کروگے؟ انھوں نے کہا، نہیں، اے فرزند رسولؐ! آپ نے فرمایا، یہ موت بمنزلۂ حمّام ہے۔ اور یہ وہ آخری منزل ہوگی جہاں تم جملہ آلودگیوں سے پاک ہو جاؤگے۔ اور جب اس سے گزروگے تو ہر غم و اندوہ اور اضطراب سے نجات پاکر ہر قسم کی بہجت و سُرور اور خوشحالی کے عالم میں پہونچ جاؤگے۔ یہ سنکر ان بیمار صحابی کو سکون حاصل ہو گیا۔ اور وہ بخوشی موت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ پس انھوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۶۵)

حضرتِ امام حسینؑ کی مُصیبتِ عُظمیٰ

آقا شیخ علی موحد نے جو عشرۂ محرّم کے ایّام میں احکامِ دین کی ترویج اور نشر و اشاعت کی غرض سے لارستان کی طرف تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپسی کے بعد بتایا کہ میں مرودشت کے بالائی علاقے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ نویں محرّم کو چند اشخاص یہ خبر لائے کہ گذشتہ شب میں بیری کے ایک درخت سے جو یہاں سے چار فرسخ (یعنی تقریباً ۲۴ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے ماہتاب (چاندنی) سے مشابہ ایک نور ظاہر ہوا۔ جسے دیکھنے کے لئے وہاں کے باشندوں کی ایک جماعت موقع پر پہونچی اور وہاں کا مشاہدہ کیا۔

دوسرے روز یعنی روز عاشورہ پھر خبر لائے کہ آج کی رات کوئی نور تو ظاہر نہیں ہوا۔ البتہ صبح کے وقت اس درخت سے خون کے قطرے زمین پر ٹپک رہے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی ہمراہ لائے تھے۔ جس پر اس درخت سے خون کے چند قطرے ٹپکے تھے۔ وہاں بسنے والے سنیوں کی ایک جماعت بھی اس خون کا مشاہدہ کرنے کے بعد یزید اور قاتلانِ حسینؑ پر لعنت کرنے میں مشغول ہو گئی۔ اور شیعوں کے ساتھ عزاداریٔ سیّد الشہداءؑ میں شرکت کی۔

عاشورائے حُسینیؑ کے موقع پر دنیا کے مختلف خطّوں میں بعض جمادات و نباتات سے خون کا ظاہر ہونا جو ان حضرتؑ کی عظیم مصیبت پر دلالت کرتا ہے فی الجملہ مسلّم اور شیعہ و سُنّی مورخین کا اسپر اتفاق ہے۔ مزید اطلاع کے لئے کتاب شفاء الصدور کی طرف رجوع کیا جائے۔ کتاب ریاض القدس میں ایک درخت سے جو زرآباد قزوین میں ہے خون بہنے کا واقعہ تفصیل سے نقل ہوا ہے۔

گر چشم روزگار براو فاش میگریست　　خوں می گذشت از سر ایوانِ کربلا

(یعنی اگر زمانے کی آنکھیں اُن پر کُھل کر روتیں تو خون کے آنسوؤں کا سیلاب کربلا کے ایوان سے بھی اونچا ہو جاتا)

اس مطلب کی تائید و توثیق کے لئے مزید دو داستانیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۶۶)

خون آمیز تُربت

مرحوم حاجی مومن نے جن سے ۳۶ تا ۴۳ داستانیں نقل کی جاچکی ہیں فرمایا کہ ایک بار ایک محترمہ خاتون نے جو مسجد سردزک کے اندر مرحوم آقا سیّد ہاشم کی جماعت میں کبھی نماز جمعہ ترک نہیں کرتی تھیں مجھے خبر دی کہ مجھ کو ایک نخود (چنے) کی مقدار میں امام حسین علیہ السّلام کی اصلی تربت حاصل ہوگئی تھی۔ میں نے اسے اپنے کفن کے اندر رکھ دیا ہے۔ وہ ہر سال عاشورہ کے روز خون کی مانند اس طرح سے سُرخ ہوجاتی ہے کہ اس کی خون آمیز رطوبت کفن میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ خشک ہوجاتی ہے۔

مرحوم حاج مومن نے فرمایا کہ میں نے ان مخدّرہ سے درخواست کی کہ میں روز عاشورہ اُن کے گھر آکر انھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے اسے منظور کیا چنانچہ میں معیّنہ تاریخ پر پہونچا تو وہ اپنے کفن کا بقچہ لے آئیں۔ اور اُسے کھولا تو میں نے اس میں خون کا ایک دھبّہ دیکھا۔ اس کے بعد تُربت مبارک کا مشاہدہ کیا۔ تو جس طرح انھوں نے بتایا تھا وہ تر اور خون آلودہ تھی۔ اس کے علاوہ اس میں ایک لرزش موجود تھی۔

میں یہ منظر دیکھ کر اور حضرت سیّد الشہداءؑ کی عظیم مصیبت کا تصوّر کرکے گریہ وزاری کرتے کرتے غش کر گیا۔ اس داستان کی ایک نظیر دار السّلام عراقی میں ثقہ اور عادل مُلّا عبد الحسین خوانساری سے نقل کی گئی ہے۔ کہ آقا سیّد علی صاحب شرح کبیر کے فرزند مرحوم آقا سیّد مہدی بیمار ہوئے تو انھوں نے شفا حاصل کرنے کے لئے دو جلیل القدر اور عادل عالموں شیخ محمد حسین صاحب فصول اور حاج مُلّا جعفر استر آبادی کو بھیجا کہ دونوں حضرات غسل کرکے اور لباس احرام پہن کے قبر مطہر حضرت امام حسین علیہ السّلام کے سرداب میں داخل ہوں اور وہاں سے منقولہ آداب و قواعد کے ساتھ قبر مطہر کی تُربت اٹھا کے لائیں اور دونوں اس چیز کی شہادت دیں کہ یہ قبر اقدس ہی کی

خاک ہے تاکہ جناب سیّد اس میں سے ایک نخود کی مقدار میں تناول فرمائیں۔ چنانچہ دونوں بزرگوار ہدایت کے مُطابق گئے۔ اور مرقد مبارک سے خاک پا اٹھا کر باہر آئے۔ اور اس میں سے تھوڑی خاک بعض نیک حاضرین کو بھی عطا کی جن میں ایک معتبر عطّار بھی شامل تھے۔ جب میں ان کے مرض الموت میں عیادت کے لئے گیا تو انھوں نے اس خوف سے کہ ان کے بعد یہ تربت کسی نااہل کے ہاتھ میں نہ پڑ جائے۔ وہ خاک پاک مجھے عطا کر دی اور میں نے اسے بحفاظت لاکر والدہ کے کفن میں رکھ دیا۔ اتفاق سے روز عاشورہ میری نظر اس کفن کے بقچے پر پڑی تو میں نے اس میں کچھ رطوبت محسوس کی۔ جب اسے اٹھا کر کھولا تو دیکھا کہ کفن کے اندر تربت کے کیسے میں اس طرح کی تری پیدا ہے جیسی کوئی رطوبت پہونچ جانے سے شکر کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اس کا رنگ خون کے مانند گہرا ہو گیا۔ اور خون آمیز رطوبت کی طرح اس کا اثر کیسے کے اندر سے باہر تک اور اس سے کفن کے بقچے تک پہونچ چکا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہاں کوئی رطوبت یا پانی موجود نہیں تھا۔ میں نے اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا پھر گیارھویں تاریخ وہ گٹھری اٹھا کے کھولی تو اس تربت کو سابقہ حالت پر خُشک اور سفید پایا اگرچہ اس کا زرد رنگ کفن اور گٹھری میں بدستور باقی تھا۔ اس کے بعد دیگر ایّام عاشورہ میں ہر سال اس تربت پاک کا مشاہدہ کرتا رہا۔ اور اسی طرح اسے ہر بار متغیّر پایا۔ اس طرح میں نے جان لیا کہ قبر مطہر کی خاک جہاں بھی ہو روز عاشورہ خون آلود ہو جاتی ہے۔

(معتمد اور موثّق حضرات کی تصدیق اور مشاہدے کے مُطابق ہندوستان کے مختلف مقامات پر بھی خاک پاک کی ایسی تسبیحیں موجود ہیں جو روز عاشورہ خون آلود ہو جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر مولانا سیّد محمد شاکر صاحب قبلہ امروہوی وائس پرنسپل جامعۂ ناظمیہ لکھنؤ نے فرمایا کہ ۱۹۰۰ء کے قبل سے ایک تسبیح سیّد غضنفر علی صاحب رئیس محلہ گذری قصبۂ امروہہ ضلع مراد آباد کے یہاں موجود ہے۔ جو فی الحال ان کے فرزندوں سیّد محمد باقر اور سیّد مہاجر حسین صاحبان کی تحویل میں ہے۔ اس کے دانوں میں روز عاشورہ ماتم کی تیزی کے ساتھ سُرخی بڑھتی ہے اور خون ایک دانے سے دوسرے دانے میں منتقل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک دانہ دیگر ایّام میں بھی سُرخ رہتا ہے۔

سید محمد راحم صاحب سلمۂ زیدپوری سابق لکچرر مہاتما گاندھی انٹر کالج قصبۂ ملیح آباد ضلع لکھنؤ کے بیان کے مطابق محلّہ چودھرانہ ملیح آباد میں والدہ عارف الملک صاحب کے پاس ایک تسبیح ہے جس کے دانے روز عاشورہ سُرخ ہو جاتے ہیں۔ اور ڈاکٹر ولی الحق صاحب انصاری فرنگی محلی سابق صدر شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی نے بتایا کہ مولانا جلال الدین عبد المتین صاحب فرنگی محلی کے پاس تسبیح کے چند دانے ہیں جو روزِ عاشورہ سُرخ ہو جاتے ہیں۔ اور انھوں نے یہ معجزہ بچشم خود دیکھا ہے۔ ۱۲ مترجم۔

(۶۷)

ایک عجیب حساب

مرحوم آقا میرزا مہدی خلوصی رحمتہ اللہ علیہ نے جن کی رفاقت مجھکو تقریباً بیس سال تک نصیب رہ چکی تھی، نقل کیا کہ عالم عامل اور زاہد عابد آقائے میرزا محمد حسین یزدی، (جنھوں نے ۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۰۶ھ میں رحلت فرمائی اور حافظیہ کے مغربی قبرستان میں دفن ہوئے) کے دور میں شاہی باغ کے اندر ایک عظیم جشن اور ضیافت کی تقریب منعقد ہوئی جسمیں وہ تُجّار بھی مدعو تھے جو اس زمانے میں روحانیت اور مذہبیت کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس محفل میں طرح طرح کے فسق و فجور کے اسباب فراہم کئے گئے تھے جن میں گانے بجانے والے مُطرب کلیمی کے ساز و آواز کا پروگرام بھی شامل تھا۔ لوگوں نے مرحوم میرزا کی خدمت میں اس بزم طرب کی تفصیل بیان کی تو وہ سخت رنجیدہ اور بیقرار ہوئے۔ اور جمعہ کے روز مسجد وکیل میں نماز عصر کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور شدید گریہ فرمایا۔ پھر موعظے کے چند جملے ادا کرنے کے بعد فرمایا، اے گروہ تجار تم لوگ فجّار ہو چکے ہو۔ تم جو ہمیشہ علما اور روحانیین کے ساتھ ساتھ چلتے تھے فسق و فجور کے اس جلسے میں پہونچ گئے۔ جس میں کُھلّم کُھلّا محرماتِ الٰہی کا ارتکاب کیا جا رہا تھا اور بجائے اس کے کہ انھیں منع کرتے خود بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ تم نے میرے کلیجے میں سوراخ کر دیا۔ میرے دل میں آگ لگا دی اور اب میرا خون تمھاری گردنوں پر ہے۔

اس کے بعد منبر سے اتر کے گھر کو تشریف لے گئے۔ جب وہ رات کو نماز جماعت کے لئے تشریف نہیں لائے تو ہم لوگ ان کے مکان پر گئے اور حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ میرزا بستر پر پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا بخار روز بروز شدید سے شدید تر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اطبّا نے ان کے علاج سے عاجزی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ ان کے لئے آب و ہوا بدلنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انھیں (قبرستان دار السّلام کے نزدیک) باغ سالاری میں لے جایا گیا۔ اسی زمانے میں ہندوستان کا ایک شخص شیراز آیا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں مشہور ہوا کہ اس کا حساب بالکل درست ہوتا

ہے اور وہ جس چیز کی خبر دیتا ہے وہ ضرور پیش آتی ہے۔ اتفاق سے وہ ایک روز ہماری دوکان کے سامنے سے گزرا تو میرے والد (مرحوم حاج عبدالوہاب) نے کہا کہ اُسے بلالاؤ تاکہ میں اس سے میرزا کے حالات معلوم کروں اور دیکھوں کہ ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ میں گیا اور اس ہندی کو دوکان کے اندر لے آیا۔ میرے والد نے اس غرض سے کہ میرزا کا معاملہ پوشیدہ رہے اور اصل مقصد ظاہر نہ ہو اُن کا نام نہیں لیا بلکہ یہ کہا کہ میرے پاس کچھ تجارت کا مال ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے بارے میں کوئی خطرہ یا پریشانی تو پیش نہیں آئے گی۔ اور یہ آخر تک صحیح و سالم اور محفوظ رہیگا تم جفر یا رمل یا تمہارے پاس جو بھی وسیلہ ہو اس کے ذریعے مجھ کو اس کی خبر دو اس سلسلے میں تمہاری جو اجرت ہوگی میں ادا کروں گا۔ انھوں نے ظاہری طور پر تو یہ بات کہی لیکن دل میں قصد کیا کہ آیا میرزا اس بیماری سے صحتیاب ہوں گے یا نہیں۔ پس وہ ہندی بہت دیر تک حساب لگاتا رہا۔ اور خاموش و حیرت زدہ رہا۔ میرے والد نے کہا، اگر تمھاری سمجھ میں آرہا ہے تو بتاؤ ورنہ اپنا اور میرا وقت برباد نہ کرو۔ اور جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ۔

اس نے کہا میرا حساب درست ہے اور اسمیں کوئی غلطی نہیں ہے لیکن تم نے مجھے حیران و پریشان کر دیا ہے کیونکہ تم نے دل میں جو بات جاننے کی نیت کی ہے، وہ اس سے مختلف ہے جو زبان سے کہہ رہے ہو۔ میرے باپ نے کہا، آخر میں نے کیا نیت کی ہے، ہندی نے کہا اس وقت سارے کرۂ زمین پر تمام انسانوں سے زیادہ عابد و زاہد شخص بیمار ہے اور تم جاننا چاہتے ہو کہ اس کے مرض کا انجام کیا ہوگا؟ میں تمھیں یہ بتاتا ہوں کہ یہ مریض اچھا ہونے والا نہیں ہے۔ اور چھ ماہ میں رحلت کر جائیگا۔ میرے باپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار، اور سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا۔ تاکہ مطلب فاش نہ ہو اور اُسے کچھ پیسے دیکے رخصت کیا۔ بالآخر میرزا بھی چھ مہینے گزرنے پر رحمت الٰہی کے جوار میں پہونچ گئے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اس داستان کی مناسبت سے اس مقام پر دو اہم مطلب پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ واجبات الٰہی میں سے بزرگ ترین واجب جس کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث و اخبار کے اندر سخت تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور جسے ترک کرنے پر بہت شدید تنبیہہ اور تہدید وارد ہوئی ہے۔ اور جس پر عمل نہ کرنا گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے چنانچہ کتاب گناہان کبیرہ میں اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

نہی عن المنکر کا پہلا درجہ قلب کا انکار ہے اس طور پر کہ اس انکار کے آثار ظاہر ہو جائیں یعنی ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جس وقت کسی شخص کو کسی حرام میں مشغول دیکھے تو اس پر راضی نہ ہو جائے۔ بلکہ اسے دل سے بُرا سمجھے اور وہ بھی اس طرح سے کہ اس قلبی کراہیت کا اثر اس کی ظاہری حالت سے نمایاں ہو جائے۔ جب حرام کا ارتکاب کرنے والے کا سامنا ہو تو اس سے کُشادہ پیشانی کے ساتھ نہ ملے۔ بلکہ تُرش روی سے پیش آئے۔ خلاصہ یہ کہ قلبی آثار کے انکار کے آثار انسان کے اعضاء و جوارح سے ظاہر ہونا چاہئیے۔ انسان کا ایمان جس قدر قوی اور اس کی روحانیت جتنی زیادہ ہوگی، گناہ کے مقابلے میں اس کے دل کا انکار بھی اسی مناسبت سے شدید تر ہوگا۔ چو جناب میرزا مرحوم کا ایمان انتہائی قوی ان کی روح مبارک انتہائی لطیف، اور ان کا روشن قلب انتہائی رقیق اور حساس تھا۔ اس حد تک کہ اس زمانے میں ان کی مثال کمیاب تھی جیسا کہ اس ہندی شخص نے اپنے حساب کے ذریعہ اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا لہٰذا جس وقت انھوں نے سُنا کہ ایک ایسی جماعت نے جو بظاہر خوش اطوار اور پرہیزگار تھی محرمات الٰہی کی ہتک حرمت کی ہے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکے۔ اور بیمار پڑ گئے۔ یہاں تک کہ بالآخر اس دار فانی سے رحلت کی اور گنہگاروں کے

کے درمیان سے نکل کے صالح بندوں سے ملحق ہو گئے۔ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ان بزرگوار کے اس قدر شدید طور سے متاثر ہونے کے دو سبب تھے۔ ایک علانیہ فسق و فجور اور کھلّم کھلاّ گناہ، جسکی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں گناہ سُبک اور آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ارتکاب پر ان کی جراءت بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے ان تاجروں کا ظاہری حالات میں نیک سیرت اور متقّی ہونا تھا۔ اس لئے کہ جو لوگ بظاہر متّقی اور پرہیز گار ہوتے ہیں، درجۂ اوّل میں علماء اور وہ لوگ جو بر سر منبر وعظ اور خطابت کے ذریعے سامعین کی ہدایت اور رہنمائی کرتے ہیں اور درجۂ دوم میں وہ اشخاص جو علماء سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور نماز جماعت نیز دیگر دینی شعار اور مذہبی امور کے پابند ہوتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے۔ تو یقیناً وہ عام افراد خلق کے عقائد کی کمزوری، شرع مقدس کے احکام کی سبکی اور گناہ پر دوسرے لوگوں کی جراءت کا باعث ہوتا ہے۔ کتاب گناہانِ کبیرہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ ظاہری طور سے نیک اور صالح اشخاص کا گناہ گناہ کبیرہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مذکور ہندی شخص یا اسی جیسے دوسرے اشخاص کا بعض پوشیدہ امور سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کی خبر دینا ان کے حق پر ہونے، یا ان کے عقیدے اور مذہب کی درستی، اور بارگاہِ خداوندی میں ان کے تقرب کے لئے کوئی دلیل فراہم نہیں کرتا کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص جن کی تسخیر یا کسی استاد سے علم رمل اور بعض عجیب و غریب علوم حاصل کر کے یا ریاضت کے ذریعے اپنے ذہن یا خیال کا تصفیہ کر کے بعض مخفی امور سے واقفیت حاصل کر لے۔ درحالیکہ وہ باطل عقائد، مذموم خصلتوں اور بدکاریوں میں مبتلا بھی ہو۔ نیز روحانیت سے بے بہرہ اور شیطانی ماحول سے متصّل ہو۔

البتہ بزرگانِ دینْ کی پوشیدہ امور سے آگاہی اور غیبی خبروں کے بارے میں جو روائتیں وجود ہیں ان کے سلسلے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ وہ اکتسابی چیزیں نہیں تھیں بلکہ صرف عطیۂ الٰہی اور کلام ربّانی تھیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس بنا پر حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کیا صورت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اوّل تو صاحبانِ عقل انسان کے حالات اور رفتار گفتار ہی سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ شخص روحانی ہے یا شیطانی، اور جو صفتیں اور خصوصیتیں اس کے پاس ہیں وہ خدا کا عطیہ ہیں۔ یا کسب و اکتساب کا نتیجہ۔ دوسرے اگر کوئی شخص مقام روحانیت کا دعویٰ کرتا ہو

اور اپنے مخصوص قسم کے علوم اور بعض خارق عادت اور غیر معمولی باتوں کے ذریعے جو اس نے کوشش کر کے حاصل کی ہیں عوام کو فریب دینا چاہے تو یقیناً خدا اسکو رسوا اور ذلیل کر دیگا۔ اور لطف و عنایت کے قاعدے کے مُطابق یہ محال اور ناممکن ہے کہ خدا اپنی حجّت کو ظاہر نہ فرمائے اور لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی وادی میں سرگرداں چھوڑ دے۔

بہر حال یہ عجیب و غریب قسم کے علوم اپنی کوشش سے حاصل کرنے والے جب بھی خلقِ خدا کو ظاہر فرما دے گا چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ" (سورۂ انبیاء ع۲۱ آیت ۱۸) یعنی بلکہ ہم باطل کے اوپر حق کی ضرب لگاتے ہیں پس حق اسے توڑ کے چور چور کر دیتا ہے۔ پس اس وقت تو باطل مٹ جانے والا ہے ہی

احادیث و روایات اور رجال کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام سے تیسری صدی ہجری تک خدائے تعالےٰ ائمہ ہدیٰ علیہم السّلام کے ذریعے ہمیشہ حق کو غالب اور باطل کو عریاں فرماتا رہا۔ چنانچہ بقیہ دیگر صدیوں میں بھی موجودہ زمانے تک جب بھی کوئی باطل کا مدعی پیدا ہوا تو خداوند عالم نے علمائے اعلام اور حامیان شرع مقدس اسلام کے وسیلے سے اس کے بطلان کو واضح فرما دیا ہے۔ اور اس مطلب کے بہت سے نمونے موجود ہیں جنھیں نقل کرنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں صرف ایک داستان نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ کتاب اسرار الشہادت دربندی اور کتاب قصص العلماء تنکابنی میں درج ہے۔ کہ شاہ عبّاس صفوی کے دور میں بادشاہ فرنگ نے فرنگستان (یورپ سے ایک شخص کو بھیجا اور شاہ صفوی کو لکھا کہ تم اپنے مذہب کے علما سے کہو کہ میرے اس قاصد سے دین و مذہب کے بارے میں مناظرہ کریں۔ اگر وہ اسے لاجواب کر دیں گے تو ہم بھی تمھارا دین اختیار کر لیں گے۔ اور اگر اس نے انھیں لاجواب کر دیا تو تمھیں ہمارے دین میں آنا ہوگا۔

اس قاصد یا سفیر کا کارنامہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز اپنے ہاتھ میں لیتا تھا تو وہ اس کے اوصاف بیان کر دیتا تھا۔ پس بادشاہ نے علماء کو جمع کیا اور اس جماعت کے سردار آخوند ملاّ محسن فیض تھے۔ ملاّ محسن نے اس فرنگی سفیر سے فرمایا۔ کیا تمھارے بادشاہ کے پاس کوئی عالم نہیں تھا جو تم جیسے عامی اور کم علم آدمی کو علمائے ملّت سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا ہے؟ فرنگی نے

کہا کہ تم مجھ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اب تم اپنے ہاتھ میں کوئی چیز لو، میں اسے بتا دوں گا۔ ملّا محسن نے تربت حضرت سید الشہداءؑ کی ایک تسبیح پوشیدہ طور سے اپنے ہاتھ میں لے لی فرنگی دریائے فکر میں غوطہ زن ہو گیا۔ اور بہت غور و خوض کیا۔ مرحوم فیض نے کہا، اب کیوں عاجز ہو گئے؟ اس نے کہا میں عاجز نہیں ہوا لیکن اپنے قاعدے کے مطابق دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے ہاتھ میں کچھ بہشت کی خاک ہے۔ اور میں اس چیز پر غور کر رہا ہو کہ بہشت کی خاک تمھارے ہاتھ میں کیونکر آگئی ہے۔

ملّا محسن نے کہا، تم نے سچ کہا، میرے ہاتھ میں واقعاً بہشت کی خاک ہے۔ اور وہ ایک تسبیح ہے جو ہمارے پیغمبرؐ کے فرزند کی قبر مطہر کی خاک سے بنائی گئی ہے۔ اور وہ ہمارے امامؑ ہیں۔ ہمارے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے، کہ کربلا (امام حسین علیہ السّلام کا مدفن) بہشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور تم نے ہمارے پیغمبرؐ کے قول کی صداقت تسلیم کر لی ہے۔ کیونکہ تم کہہ چکے ہو کہ میرے قواعد خطا نہیں کرتے۔ نیز نبوت کے دعوے میں بھی تم نے ہمارے پیغمبرؐ کی سچائی کا اعتراف کر لیا ہے۔ کیونکہ اس امر کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور سوا اس کے رسولؐ کے اسے کوئی دوسرا شخص خلق خدا تک نہیں پہنچاتا۔ اس کے علاوہ ہمارے پیغمبرؐ کا فرزند اس سرزمین میں مدفون ہے۔ چنانچہ اگرچہ آنحضرتؐ برحق پیغمبر نہ ہوتے تو آپ کے صلب سے پیدا ہونے والا اور دین میں آپکا پیرو خاک بہشت میں دفن نہ ہوتا، جب اس عیسائی نے یہ واقعہ دیکھا اور یہ قاطع دلیل سُنی تو مسلمان ہو گیا۔

MOWLANA NASIR DEVJANI
MAHUVA, GUJARAT, INDIA
PHONE : 0091 2844 28711
MAIL : devjani@netcourrier.com

(۶۸)

ہلاکت سے نجات

نیز مرحوم خلوصی موصوف بیان کرتے تھے کہ (تقریباً) تیس سال قبل میرے اقرباء میں سے ایک متقی اور نیک سیرت بوڑھا انسان (میں اس کا نام بھول گیا ہوں) نقل کرتا تھا کہ میری جوانی کے زمانے میں میرے ایک عزیز کے یہاں جس کا مکان دروازۂ اصفہان کے پاس تھا۔ شب جمعہ میں شادی کی تقریب تھی، جس میں اس نے مجھے بھی مدعو کیا تھا۔ اور میں نے صلۂ رحم کے پیش نظر اسے منظور کر لیا تھا چنانچہ جب اس کے یہاں پہونچا تو دیکھا کہ ایک یہودی مُطرب آیا اور موسیقی کے آلات کے ساتھ گانے بجانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب میں نے یہ منظر اور فسق اور فجور کے دیگر حرکات دیکھے تو دل کو سخت تکلیف ہوئی اور ان لوگوں کو ہر چند منع کیا اور نصیحت کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اور اس وقت میرے لئے وہاں سے فرار بھی ممکن نہیں تھا۔ کیوں کہ میرا مکان وہاں سے بہت دور دروازۂ کازرون پر واقع تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت رات میں شہر کے اندر اِدھر اُدھر آنا جانا بھی ممنوع تھا۔ مجبوراً اسی مکان کی چھت پر ایک خالی کمرے میں داخل ہو کر دروازے بند کر لئے اور چونکہ شب جمعہ تھی لہٰذا نماز و دعا اور مناجات میں مشغول ہو گیا۔

شب کے آخری حصّے میں جب آوازیں خاموش ہو چکی تھیں اور سب لوگ تھک کے سو گئے تھے، زمین میں سخت لرزش پیدا ہوئی اس حد تک کہ میں نے وحشت زدہ ہو کر بالا خانے کے دروازے کھول دیئے کہ دیکھیں کیا ہو رہا ہے اسی عالم میں ایک درخت جو گھر کے اندر لگا ہوا تھا۔ لرزنے کی وجہ سے کمرے کی طرف اس قدر جھکا کہ اس کی ایک شاخ میرے ہاتھ میں آگئی۔ میں نے اسی وحشت میں اسے مضبوطی سے پکڑ لیا، اور درخت پھر اپنی جگہ پر سیدھا ہو گیا، یہاں تک کہ میرے پاؤں کمرے کے فرش سے اٹھ گئے۔ اور میں شاخ کے ہمراہ فضا میں معلّق ہو گیا۔ اس کے بعد مکان کے

سارے در و دیوار منہدم ہو گئے۔ یہاں تک کہ تنہا میرے علاوہ گھر کا کوئی فرد بھی زندہ نہیں بچا۔ اس عالم میں مجھ کو اپنے گھر اور گھر والوں کی فکر لاحق ہوئی کہ جاؤں اور دیکھو کہ ان پر کیا گذری۔ جب میں درخت سے نیچے اترا اور گھر کا رُخ کیا تو دیکھا کہ جتنے مکانات اور دوکانیں دروازۂ کازرون تک میرے راستے میں تھیں سب کی سب منہدم ہو چکی ہیں۔

یہ داستان ہمیں دو چیزوں کی تعلیم دیتی ہے ایک یہ جب کسی گنہگار جماعت پر کوئی بلا نازل ہو، اگر اس کے درمیان کوئی ایسا شخص ہو جو خدا کی یاد میں مشغول رہا ہو، ان لوگوں کو نصیحت کرتا رہا ہو اور اگر انھوں نے اس کی بات نہ سنی ہو، تو ان سے علٰحدہ ہو گیا ہو تو وہ بلا اس تک نہ پہونچے گی۔ اور خدا اسے نجات عطا فرمائیگا۔ چنانچہ سورۂ اعراف کے اندر اصحاب سبت کی ہلاکت کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے، "اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْہَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ" (سورۂ اعراف آیت ۱۶۵)۔ یعنی ہم نے انھیں نجات بخشی جو برائی اور گناہ سے روکتے ہیں۔ دوسری یہ کہ گنہگاروں کو کسی وقت بھی اطمینان خاطر اور بے باکی کے ساتھ ہوس رانی اور دیگر کسی قسم کی گندگی اور بداعمالی میں آلودہ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ممکن ہے اسی حالت میں ان پر قہر خدا نازل ہو جائے۔ اور وہ خصوصی یا عمومی بلاؤں میں گرفتار ہو جائیں اور ان پر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، اَفَاَمِنَ اَہْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَہُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّہُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَہْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَہُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّہُمْ یَلْعَبُوْنَ" (سورۂ، آیت ۹۵ و ۹۶) یعنی آیا اہل قریہ اس امر سے محفوظ و مامون ہو گئے ہیں کہ ان پر رات کے وقت ہمارا عذاب نازل ہو جائے۔ درحالیکہ وہ سو رہے ہوں۔ آیا اہل قریہ اس بات سے مطمئین اور بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر دن کے وقت ہمارا عذاب آجائے جب کہ وہ لہو و لعب میں مشغول ہوں۔ زلزلے جیسی عمومی اور ناگہانی بلاؤں کے بارے میں بہت سے ناقابلِ فراموش واقعات ملتے ہیں۔ جیسا کہ اس داستان میں نقل ہوا ہے اور بظاہر یہی وہ زلزلہ ہے جس کے بارے میں فارس نامۂ ناصری کے صفحہ ۳۰۸ پر لکھتے ہیں کہ ماہِ رجب ۱۲۶۹ھ کی پچیسویں شب میں اور اُردی بہشت کی پندرہویں تاریخ صبح صادق کے طلوع سے ایک گھنٹہ قبل شہر شیراز میں شدید زلزلہ آیا، جس نے کئی سو مکانوں کو ویران اور کئی ہزار مکانوں کو شکستہ کر دیا کئی ہزار آدمی عمارتوں کے ملبے کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔ اور بیشتر مسجدیں اور مدرسے منہدم ہو کر از سرِ نو

تعمیر کے لائق ہو گئے۔

صفحہ ۲۶۸ پر لکھتے ہیں کہ ۱۲۳۶ھ میں ایک عام وبا چین اور ہندوستانی ملکوں سے ایران کے علاقوں میں منتقل ہوئی اور صرف شہر شیراز کے اندر پانچ چھ روز کی مدت میں چھ ہزار، افراد موت کے گھاٹ اتر گئے۔

ماہ شوال ۱۳۰۹ھ میں قصبۂ کازرون کے اندر ایک شدید زلزلہ آیا، پھر چند راتیں گذرنے کے بعد طلوع صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان شہر شیراز میں اس سے زیادہ سخت زلزلہ آیا، جسمیں بیشتر قدیم و جدید عمارتیں، مسجدیں، مدرسے، مقبرے اور مکانات "عالیہا سافلہا" تہ و بالا ہو گئے کیونکہ موسم بہار کے آخری ایّام تھے اور تمام لوگ گھروں کے صحنوں میں یا مکانوں کی چھتوں پر آرام کر رہے تھے اس وجہ سے چند ہزار اشخاص سے زیادہ ہلاک نہیں ہوئے۔ اس کے چند روز بعد شیراز میں ایک روز زلزلہ آیا جو پہلے زلزلے سے ہلکا تھا، لیکن پہلے زلزلے کے خوف اور دہشت کی وجہ سے جو شخص مکان کی چھت پر تھا وہ نیچے کود گیا جس سے اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔

اب بھی کچھ بوڑھے اور بزرگ حضرات موجود ہیں جنھیں بخوبی یاد ہے کہ ۱۳۲۲ھ قمری ہجری میں یعنی تقریباً ستر، سال قبل شیراز کے باشندے ایسی خوفناک وبا میں مبتلا ہوئے کہ جس طرح خزاں کے موسم میں درختوں سے پتّے جھڑتے ہیں۔ وبا کے مارے ہوئے لوگ کوچوں بازاروں اور گھروں میں پڑے ہوئے تھے۔ زمین پر اتنی کثرت سے لاشیں بکھری ہوئی تھیں کہ تندرست اشخاص انھیں دفن کرنے کے لئے نہیں پہونچتے تھے۔

مرحوم ڈاکٹر خاوری کہتے تھے کہ اسی موقع پر مریضوں کی خبرگیری کی غرض سے چار گھنٹے رات گئے میرا گذر نئے بازار کی طرف سے ہوا۔ وہاں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ البتہ پورے بازار میں کثرت سے لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور کتّے انھیں چیرنے، پھاڑنے اور کھانے میں مشغول تھے۔

اُس بَلا اور وَبا کی شدّت جاننے کے لئے اس واقعے کو بیان کر دینا کافی ہوگا۔ کہ مادرِ محمّد کے نام سے ایک عورت تھی جو بتایا کرتی تھی کہ میں بیچارگی کے عالم میں کوچوں اور بازاروں سے گزر رہی تھی، اور فریاد کر رہی تھی کہ مسلمانو! میرے چار بیٹے مر گئے ہیں، خدا کے لئے آؤ اور ان کے جنازے اٹھاؤ۔ غروب آفتاب کے قریب جب میں گھر واپس ہوئی تو وہاں نہ کوئی شخص

موجود تھا۔ نہ ہی کوئی جنازہ نظر آیا۔ معلوم ہوا بعض نیک طینت مُسلمان آئے اور انھیں لیجا کر
دفن کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے ہر چند تحقیق کی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میّتوں کو کون لے گیا اور
کہاں سُپرد خاک کیا ہے۔ چنانچہ میں ابتک نہیں جانتی کہ میرے فرزندوں کی قبریں کہاں ہیں؟

نیز ایسے اشخاص بھی زندہ ہیں جنھیں اچھی طرح سے یاد ہے کہ ۱۳۳۷؁ قمری ہجری میں یعنی
آج سے پچاس سال قبل شیراز کے لوگ انفلوانزا کی وبا میں بیمار ہوئے لیکن یہ بیماری زیادہ نہیں
چلی کیونکہ اہالیٔ شہر حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ السّلام کے لطف وعنایت سے متوسّل ہوئے
کوچوں اور بازاروں میں منبر رکھے گئے۔ اور روضہٗ خوانی کی مجلسیں برپا کی گئیں یہاں تک کہ یہ
بلا برطرف ہوئی۔ اس کے علاوہ ۱۳۲۲؁ شمسی میں یعنی پچیس سال قبل خسرے کا مرض اس شدّت
سے پھیلا کہ اتفاق ہی سے کوئی ایسا گھر بچا تھا جس میں یہ بیماری نہ پہونچی ہو۔ ڈاکٹر (افراد کی کثرت کی
وجہ سے) مریضوں تک نہیں پہونچ پاتے تھے۔ یا اکثر صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے گھر سے نکلتے تھے۔
اور شب کے آخری پہر تک واپس نہیں ہوتے تھے۔ خود میں بھی ہر روز اپنے کسی عزیز یا دوست کے
جنازے کے ساتھ جاتا تھا۔ اور ظہر تک غسّال خانے میں رہتا تھا، یا اگر ظہر کے بعد جاتا تھا تو غروب
آفتاب تک وہیں ٹھہرتا تھا۔ اور جنازوں پر نماز پڑھتا تھا۔ اس موقع پر روزانہ پچاس سے
کم موتیں نہیں ہوتی تھیں۔

مذکورۂ بالا بیماری کے علاوہ لوگ روٹی کے قحط اور لوکھلا دینے والی گرانی میں بھی گرفتار
تھے۔ اگر کوئی شخص صبح کے وقت نانبائی کی دوکان پر پہونچ جاتا تھا تو اسے بھی ظہر کے قریب
دشواری اور زحمت سے ایک روٹی ہاتھ آتی تھی۔ اس لئے کہ ہر چیز تو موجود تھی لیکن گیہوں بہت
کمیاب تھا۔ نانبائی کی دوکان پر گاہکوں کی چیخ پکار بہت دور سے سنی جا سکتی تھی۔ کتنے پریشان
حال تھے وہ افراد جن کے فرائض یہ تھے۔ کہ طبیب اور دوا کے لئے دوڑیں، اپنے مریضوں کی تیمارداری
کریں۔ اور پھر روٹی بھی حاصل کریں۔ اور ان سے کہیں زیادہ حیران وپریشان تھے وہ لوگ جو
تنگدستی کی وجہ سے اپنا اثاث البیت اور اپنے گھر کم سے کم قیمت پر فروخت کرنے کے لئے
مجبور ہو جاتے تھے۔ عام طور سے لوگ کئی مہینوں تک ان بلاؤں میں مبتلا رہے۔

ان حالات کو نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ محترم ناظرین ان سے واقفیت حاصل کرنے

اور گذشتہ اشخاص کی تاریخ سے روشناس ہونے کے بعد یہ جان لیں کہ جو قوم اور جو جماعت سرکشی
اور بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ خدا اور آخرت کو قطعاً فراموش کر دیتی ہے۔ عدل اور احسان کو
پس پشت ڈال دیتی ہے۔ اور شہوت رانی اور ہوس پرستی کو اپنا شعار قرار دے لیتی ہے۔ خداوند
کریم اسے مہلت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ حد سے گزر جاتی ہے تو دفعتاً سخت بلائیں نازل کر کے
اسے بے بس اور بے کس بنا دیتا ہے تاکہ اپنے کردار سے پشیمان ہو کر چار و ناچار خدا کی طرف
لَو لگائے۔ اور اس نے جو سعادت اور نیک بختی کا راستہ ترک کیا ہے پھر اس پر گامزن
ہو جائے۔ درحقیقت یہ بلائیں قہر کی صورت میں پروردگار کے لطف وکرم کے نمونے ہیں۔ جس
طرح ایک گلّہ بان اپنی ان بھیڑوں کو جو پانی اور سبزہ زار تک پہونچانے والے صحیح راستے سے
بھٹک کر سنگلاخ وادی کی طرف چل پڑی ہوں۔ اپنی لاٹھی اور ڈھیلوں سے مار کے راہ راست
پر لگاتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت امیر المومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ "اَحْمَدُہٗ عَلَى الضَّرَّاءِ
كَمَا اَحْمَدُہٗ عَلَى السَّرَّاءِ" یعنی میں بلاؤں اور سختیوں پر بھی خدا کی حمد اور شکر بجا لاتا ہوں جس
طرح نعمتوں اور خوشیوں پر اسکا شکر ادا کرتا ہوں۔

نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "اَخَذْنَاهُمْ بِالْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ"۔
یعنی ہم نے انھیں بلاؤں اور سختیوں کے ذریعے گرفت میں لیا تھا۔ تاکہ وہ تضرع وزاری کے ساتھ
خدا کی طرف رجوع کریں، جیسا کہ اس فطرتِ اولیٰ کا مقتضا ہے۔ جو خدا نے انھیں دی ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان آج خدا کو فراموش کر چکے ہیں، نفسانی خواہشوں اور شہوتوں کی
طرف دوڑ رہے ہیں۔ ہوا وہوس اور شیطانی خیالات وحرکات کے شائق ہیں۔ فرمانِ خداوندی
سے منحرف ہیں۔ ہر اس شخص اور اس چیز سے ڈرتے ہیں جس سے کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے۔
سوائے خدا اور عذاب آخرت کے، اور ہر اس شخص اور ہر اس چیز سے اپنی امیدیں وابستہ
رکھتے ہیں۔ جس سے کسی فائدے کی توقع ہو، عدل واحسان، عطوفت ومہربانی اور خاص طور سے
شرم وحیا جیسے انسانیت کے صفات کمالیہ جوان نسل سے لڑکیوں سے سلب ہو چکے ہیں۔ اور
انکی جگہ پر حیوانی خصلتوں نے جڑ پکڑ لی ہے۔ لوگوں نے خدا کے گھروں کو خالی چھوڑ دیا ہے۔ اور
سینما جیسے شیطانی مراکز کو آباد کیا ہے۔

لوگ علماء کی مجلسوں سے جو انھیں خدا اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور جہاں کوئی شیطانی آواز سنتے ہیں وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔

کون سا دن ایسا ہے جب اس بدحال اور بگڑے ہوئے معاشرے میں طرح طرح کی خیانت معصیت اور آوارگی و بے عفتی کے واقعات رونما نہ ہوتے ہوں۔؟

اسی بنا پر اگر ہم اپنی بدکرداری سے دست بردار نہیں ہوتے تو ہمیں اس دن کا منتظر رہنا چاہیئے جب اس قوم پر بلاؤں کا نزول ہوگا۔ اس وقت لوگ مجبوراً خدا کی طرف رُخ کریں گے اور اضطرار کے عالم میں مسجدوں کے اندر جمع ہو کر اپنے افعال و کردار سے توبہ کریں گے۔ مغرب اور لار اور خراسان کے آخری زلزلے ہماری ہر جماعت کے لئے خوابِ غفلت سے بیداری کی گھنٹیاں ہیں۔

---

(۶۹)

جو مناسب ہو وہی مانگنا چاہیئے

مرحوم آقائے سید عبداللہ بلادی ساکن بوشہر نے فرمایا کہ ایک بار علمائے اصفہان میں سے ایک بزرگوار ایک قافلہ کے ساتھ مکۂ معظمہ کی حاضری اور حج خانہ خدا کے قصد سے اصفہان سے روانہ ہو کر بوشہر میں وارد ہوئے تاکہ سمندر کے راستے سے مشرف ہوں، لیکن یہاں پہونچنے کے بعد انھیں انگریزی سفارتخانے کی طرف سے سختی کے ساتھ روکا گیا، ان کے پاسپورٹوں پر ویزا نہیں دیا گیا۔ اور انکو جہاز پر سوار ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس سلسلے میں میں نے اور دوسرے لوگوں نے جبقدر بھی کوشش کی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

وہ شیخ اصفہانی اور ان کے رفقاء سخت پریشان ہوئے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے مدتوں زحمتیں برداشت کر کے سفرِ مکہ کے وسائل مہیا کئے تقریباً ایک ماہ تک راستے کی صعوبتیں جھیلیں (اس لئے کہ اس زمانے میں قافلہ اصفہان سے شیراز تک نشتر روز میں اور شیراز سے بوشہر تک دس روز میں پہونچتا تھا) اور اب ہم واپس بھی نہیں جا سکتے۔

آقائے بلاوی مرحوم نے فرمایا کہ میں شیخ کا شدید اضطراب دیکھ کر بہت متاثر ہوا لہٰذا انھیں مشغول اور مانوس بنانے کی غرض سے اپنی مسجد ان کی سپردگی میں دیکر خواہش کی کہ وہ یہاں نماز جماعت پڑھائیں اور بعد نماز منبر پر جاکر موعظہ کریں۔ انھوں نے اس درخواست کو قبول کیا۔ چنانچہ راتوں میں نماز اور موعظے کے بعد اسی جلسہ میں وہ خود اور ان کے رفقاء سوختہ دلی کے ساتھ خدا کو پکارتے تھے، ختم "اَمَّنْ یُجِیبُ الْمُضْطَرَّ" کا عمل کرتے تھے۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے توسل اختیار کرتے تھے۔ اور اس شدت سے گریہ اور تضرع وزاری کرتے تھے۔ کہ ہر سننے والا بے چین ہو جاتا تھا۔ اسی پریشانی دعا اور مناجات کی حالت میں جب کہ وہ خدا کی بارگاہ میں یہی فریاد کرتے تھے کہ بار الٰہا اب ہمارے لئے واپس جانا

ممکن نہیں ہے ہمیں منزل مقصود پر پہونچادے۔ ناگاہ ایک روز خود بخود انگریزی قونصل خانے کی طرف سے کچھ لوگ آئے۔ اور ان سے کہا کہ آؤ تاکہ تمھیں پروانۂ راہداری دیدیا جائے۔ چنانچہ تمام قافلے والے خوشنودی کے ساتھ گئے۔ اور اجازہ لےکر آگے بڑھے چند مہینوں کے بعد ایک روز میں سمندر کے کنارے سے گزر رہا تھا کہ ایک بدحال اور پریشان خاطر شخص نظر آیا جس کی صورت جانی پہچانی سی لگی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم وہی اصفہانی نہیں ہو جو چند روز قبل فلاں کے ہمراہ آئے تھے۔ اور مکّہ معظمہ گئے تھے۔؟ اس نے کہا، ہاں۔ میں نے شیخ اور ان کے ہمراہیوں کا حال پوچھا۔ تو اس نے شدّت کے ساتھ رونا شروع کر دیا، اور کہا کہ پہلے ہم لوگ راستے میں چوروں اور لٹیروں کی زد میں آئے۔ جو ہمارا تمام مال و اسباب لوٹ لے گئے۔ اس کے بعد ہم بیمار ہوئے اور سبھی قافلے والوں کا انتقال ہوگیا۔ انمیں سے تنہا میں بچا جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس حال میں واپس آیا ہوں۔ آقائے بلادی نے فرمایا کہ اس طرح میں نے جان لیا کہ ان لوگوں کی حاجت برآری میں جو دشواری حائل تھی اس کا راز کیا تھا؟ لیکن جب انھوں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو باوجود اس کے کہ اس میں ان کا ضرر تھا۔ ان کی دعا قبول کر لی گئی۔

خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ "وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۶) ۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو درحالیکہ وہ تمھارے لئے بہتر ہو۔ اور شاید تم کسی چیز کو دوست رکھتے ہو، درحالیکہ وہ تمھارے لئے بری ہو۔ اور خدا (تمھاری مصلحت کو) جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔ نیز فرماتا ہے۔ "وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ" (سورۂ یونس آیت ۱۱) یعنی اگر خدا انسانوں کے لئے اس چیز میں تعجیل فرمائے جو بری ہے جس طرح لوگ نیکی کے لئے تعجیل کرتے ہیں تو یقیناً ان کے لئے موت کا حکم دیا جائے۔ (یعنی وہ ہلاک ہو جائیں) ۔

مراد یہ ہے کہ بعض لوگ برائی اور شر کو طلب کرتے ہیں۔ اور تصوّر یہ کرتے ہیں کہ انھوں نے خیر و نیکی طلب کی ہے۔ اور چونکہ اس میں مصلحت نہیں ہوتی لہٰذا خدا اسے قبول نہیں فرماتا۔ (ان لوگوں کے مانند جو غصّے کے عالم میں خدا سے اپنی یا اپنی اولاد کی یا اپنے اقرباء کی موت مانگتے ہیں۔

لیکن اکثر بعد کو پشیمان ہوتے ہیں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوئی)۔

کتنے ہی امور ایسے ہیں کہ انسان ان کے بارے میں حریص ہوتا ہے۔ اور گمان کرتا ہے کہ ان کی بھلائی و نیکبختی اور خوشی انھیں کے اندر ہے۔ اور ان میں کامیابی کے لئے کوشش بھی کرتا ہے۔ لیکن جب کامیاب ہو جاتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے۔ اور آرزو کرتا ہے کہ اس کا یہ مقصد پورا نہ ہوا ہوتا۔ اسی بنا پر انسان کو چاہئیے کہ حاجت طلب کرنے کے وقت اس کی برآوری کو اپنے پروردگار کی مرضی اور مصلحت پر موقوف قرار دے لے۔ اور کہے "وَلَا حَاجَةَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَكَ فِيهَا رِضًى وَلِيَ فِيهَا صَلَاحٌ إِلَّا قَضَيْتَهَا لِي يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ" اور اگر زبان سے نہ کہے تو یہی مفہوم اس کے دل میں ہونا چاہئیے۔ ورنہ اگر اس کی حالت اس کے برخلاف ہو اور وہ ہر حال میں اپنی حاجت برآری چاہتا ہو ہر چند کہ خداوند عالم اسمیں اسکی بہتری نہ جانتا ہو تو یہ دعا نہیں ہے بلکہ معاذ اللہ خدا کو حکم دینے جیسی بات ہے۔

بہر حال دعا کرنے والے کا فرض ہے کہ اپنی عاجزی، جہالت اور ضعف کا معترف ہو اور خدا کو قادر و عالم جانے۔ اگر اس کی حاجت پوری نہ ہو تو اسے چاہئیے کہ بددل نہ ہو، اپنے پروردگار کے بارے میں بدگمانی نہ کرے۔ اور اس پر وعدہ خلافی کی تہمت نہ رکھے۔ بلکہ یہ خیال کرے کہ شاید اس میں مصلحت نہیں تھی یا ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ یا اس کی دعا قبولیت دعا کے شرائط سے عاری تھی۔

(مذکورہ بالا واقعے کے بارے میں ایک توجیہہ یہ بھی ممکن ہے کہ بظاہر قافلے والوں نے صرف اجازۂ سفر کے لئے دعا اور الحاح وزاری کی تھی اور اس کے ساتھ راستے کے خطرات سے نجات کا تصور شامل نہیں تھا۔ ورنہ جب ایک دعا قبول ہوئی تھی تو دوسری بھی ہو سکتی تھی۔

اور دوسری یہ کہ ہو سکتا ہے، ان کے مال و اسباب کے لٹنے میں انکے صبر و شکر کا امتحان مقصود رہا ہو۔ اور سفر حج یعنی خدا کی راہ میں ان کی موت انھیں درجہ شہادت عطا ہونے کا ذریعہ قرار دی گئی ہو۔ ۱۲ مترجم)

(۷۰)

کُتّے کی حیرت انگیز حیا

نیز مرحوم آقائے بلادی نے فرمایا کہ میرے ایک عزیز نے جو تحصیل علم کے سلسلے میں چند سال تک فرانس میں مقیم رہے تھے واپسی میں نقل کیا کہ میں نے پیرس میں ایک مکان کرائے پر لے لیا تھا۔ اور حفاظت کے لئے ایک کتا بھی پال لیا تھا۔ رات کے وقت میں گھر کا دروازہ بند کر دیتا تھا۔ کتا دروازے کے پاس لیٹ جاتا تھا اور میں درس کے کلاس میں چلا جاتا تھا۔ جب وہاں سے واپس ہوتا تھا تو کتا میرے ساتھ ہی گھر کے اندر داخل ہوتا تھا۔

ایک رات میری واپسی میں دیر ہوئی، اور ہوا بھی بہت سرد تھی، مجبوراً میں نے اپنے اوورکوٹ کا کالر سیدھا کر کے اپنے سر اور کانوں کو چھپایا اور دستانے پہن کر ہاتھوں کو اس طرح سے چہرے پر رکھ لیا کہ راستہ دیکھنے کے لئے صرف آنکھیں کھلی رہیں۔ اسی ہیئت کے ساتھ میں گھر کے دروازے پر پہنچا۔ اور قفل کھولنا چاہا تو اس بے زبان کُتّے نے میری بدلی ہوئی حالت اور چھپے ہوئے چہرے کی وجہ سے مجھے نہیں پہچانا اور مجھ پر حملہ کر کے میرے کوٹ کا دامن پکڑ لیا میں نے فوراً اوورکوٹ کا کالر نیچا کیا اور اپنا چہرہ کھول کے اسے آواز دی۔ جب اس نے مجھ کو پہچان لیا تو انتہائی ندامت کے ساتھ گلی کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ میں نے مکان کا دروازہ کھولنے کے بعد اسے ہر چند بلایا لیکن وہ گھر کے اندر نہیں آیا۔ مجبوراً میں نے دروازہ بند کر لیا اور لیٹ گیا۔

صبح کو اُسے ڈھونڈھنے نکلا تو دیکھا کہ وہ مر چکا ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس نے سخت شرمندگی کی وجہ سے جان دی ہے۔ اس موقع پر ہماری ہر فرد کو اپنے نفس کے کتّے سے خطاب کرنا چاہیئے کہ ہم کسقدر بیحیا ہو چکے ہیں۔ کہ اپنے پروردگار سے بھی حیا نہیں کرتے جبکہ ہماری ہر چیز اسی کی عطا کی ہوئی ہے۔ اور ہمیں اس بات کا بھی لحاظ نہیں ہے کہ ایک روز اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السّلام دعائے ابی حمزہ میں فرماتے ہیں۔ اَنَا یَا رَبِّ الَّذِیْ لَمْ اَسْتَحْیِکَ فِی الْخَلَاءِ وَلَمْ اُرَاقِبْکَ فِی الْمَلَاءِ اَوْ لَعَلَّکَ بِقِلَّۃِ حَیَائِیْ مِنْکَ جَازَیْتَنِیْ۔

(۷۱)

کُتّے کی اپنے مالک کے لئے قُربانی

مرحوم حاج سہام الدین موصوف نے اپنے باپ سے اور ان مرحوم نے اپنے دادا سے نقل کیا کہ ایک مرتبہ حاکم وقت مرحوم حسین علی میرزا نے دریا میں نہانے کے لئے کپڑے اتارے تو ان کا کُتّا جو ان کے ہمراہ تھا مانع ہوا۔ انھوں نے کُتّے کی مزاحمت پر کوئی اعتنا نہیں کی اور پانی میں اترنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب کُتّے نے دیکھا کہ انھیں روکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے اور وہ اب دریا میں اترنے ہی والے ہیں۔ تو ناچار ہو کر اس نے ایک معیّن مقام پر خود ہی چھلانگ لگا دی اور دفعتہً ایک بڑے سے دریائی جانور نے اسے نگل لیا۔

حاکم کی سمجھ میں آگیا کہ کُتّے کی مزاحمت کا باعث کیا تھا اور کس طرح اس نے اپنے کو مالک کے اوپر قربان کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے نہانے کا ارادہ ترک کیا اور کتّے کی اس وفاداری پر حیرت زدہ سخت رنجیدہ اور گریہ کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار کی جلد ۱۴ میں کتّے کی وفاداری اور اپنے مالک کے لئے اپنی جان فدا کرنے کے سلسلے میں چند واقعات نقل کئے ہیں۔ اور چونکہ ان میں کُتّے کی حیا و وفا اور اس کے مقابلے میں انسان کی بے حیائی اور بے وفائی کا بھی کچھ ذکر ہوا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر وہ داستان نقل کر دی جائے جسے جناب شیخ بہائی علیہ الرحمہ نے اس طرح نظم فرمایا ہے۔

عابدے در کوہ لبناں بُد مقیم — در بن غارے چو اصحاب رقیم
روئے دل از غیر حق برتافتہ — گنج عزت راز عزلت یافتہ
روز ہا می بود مشغول صیام — یک تہ نان میرسیدش وقت شام
نصف آں شامش بُدے نصفے سحور — وز قناعت داشت در دل صد سرور
بر ہمیں منوال حالش می گذشت — نامدے از کوہ ہرگز سوئے دشت

از قضا یک شب نہ آمد آں رغیف   شد زجوع آں یار سازار و نخیف
کرد مغرب زادا و انگہ عشاء   دل پر از وسواس در فکر غذا
صبح چوں شد زآں مقام دلپذیر   بہر قوتے آمد آں عابد بزیر
بود یک قریہ بقرب آں جبل   اہلِ آں قریہ ہمہ گبر و دغل
عابد آمد بر درِ گبرے ستاد   گبر اور ایک دو نانِ جو بداد
عابد آں ناں بستد و شکرش بگفت   وز وصول طعمہ اش خاطر شگفت
کرد آہنگ مقام خود دلیر   تا کند افطار ہر خبز شعیر
در سرائے گبر بُد گر گیں سگے   ماندہ از جوع استخوانے ورگے
پیش او گر خط پرکارے کشی   شکل ناں بیند بمیر د از خوشی
بر زباں گر بگذرد لفظِ خبر   خُبز پندار در و دہوشش زمر
کلب در دنبالِ عابد پو گرفت   از پئے او رفت و رخت او گرفت
زاں دو ناں عابد یکی پیشش فگند   پس رواں شد تا نیاید زو گزند
سگ بخورد آں نان وازپے آمدش   تا مگر بار دگر کازار دش
عابد آں نانِ دگر دادش رواں   تا کہ باشد از عذابش در اماں
کلب آں نانِ دگر را نیز خورد   پس رواں گردید از دنبال مرد
ہمچو سایہ از پئے او می دوید   عف وعف می کرد رختش می درید
گفت عابد چوں بدید ایں ماجرا   من سگے چوں تو نہ دیدم بیحیا
صاحبت غیر از دو ناں چیزے نداد   واں دو ناں را بستدی ای کج نہاد
دیگرم از پئے دویدن بہر چیست   ویں ہمہ رختم دریدن بہر چیست
سگ بہ نطق آمد کہ اے صاحب کمال   بیحیا من نیستم چشمے بمال
ہست از وقتے کہ من بودم صغیر   مسکنم ویرانۂ ایں گبر پیر
گوسفندش را شبانی می کنم   خانہ اش را پاسبانی می کنم
گہ بمن از لطف نانے می دہد   گاہ مشت استخوانے می دہد

گاہ از یادش رود اطعام من   وز مجاعت تلخ گردد کام من
روزگارے بگذرد کایں ناتواں   نہ زناں یابد نشاں نہ استخواں
گاہ ہم باشد کہ ایں گبر کہن   ناں نیابد بہر خود نہ بہر من
چوں بر درگاہ او پروردہ ام   رو بہ درگاہِ دگر ناوردہ ام
ہست کارم بر در ایں پیر گبر   گاہ شکر نعمت او گاہ صبر
تو کہ نامد یک شبے نانت بدست   در بنائے صبر تو آمد شکست
از در رزّاق رو بر تافتی   بر در گبرے رواں بشتافتی
بہر نانے دوست را بگذاشتی   کردہ ای با دشمن او آشتی
خود بدہ انصاف اے مرد گزیں   بیحیا تر کیست من یا تو ببیں
مرد عابد زیں سخن مدہوش شد   دست خود بر سر زد و بیہوش شد
اے سگ نفس "بہائی" یاد گیر   ایں قناعت از سگ آں گبر پیر
بر تو گر از صبر نکشاید درے   از سگ گر گیں گبرے کمتری

(یعنی ایک عباد تگذار شخص کوہ لبنان کے ایک غار میں اصحاب کہف کے مانند مقیم تھا۔ اس نے خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے اعتنائی اختیار کر کے گوشہ نشینی سے عزّت کا خزانہ حاصل کیا تھا وہ دن میں روزہ رکھتا تھا اور شام کے وقت اسے ایک روٹی مل جاتی تھی۔ جس میں سے نصف رات کو اور نصف سحر کے وقت کھا لیتا تھا، اور اپنی اس قناعت سے بہت خوش و خرّم تھا۔ اسی طریقے پر اس کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ وہ کبھی پہاڑ سے اتر کے نیچے میدانی علاقے میں نہیں آتا تھا۔ قضائے کار ایک روز وہ روٹی نہیں آئی۔ چنانچہ وہ پرہیز گار شخص بھوک کی وجہ سے نڈھال اور کمزور ہو گیا۔ اس نے مغرب کی اور پھر عشاء کی نماز پڑھی۔ لیکن اس کا دل غذا کی فکر میں اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ چونکہ اسے اپنی روزی کے لئے سخت بیقراری تھی لہٰذا نہ اس نے رات کو عبادت ہی کی نہ اسے نیند ہی آئی جب صبح ہوئی تو وہ عابد رزق حاصل کرنے کی غرض سے اس پُر فضا مقام سے نیچے اترا۔ اس پہاڑ کے قریب ایک گاؤں تھا جس کے باشندے آتش پرست اور گمراہ تھے۔ عابد وہاں پہونچ کے ایک مجوسی کے دروازے پر ٹھہرا تو اس نے اس کو جو کی[2] روٹیاں

دیں۔ عابد نے وہ روٹیاں لے کر اس کا شکریہ ادا کیا اور غذا حاصل ہونے سے آسودہ خاطر ہوا۔ اس نے اطمینان قلب کے ساتھ اپنی قیام گاہ کا قصد کیا۔ تاکہ وہاں پہونچ کے اس جو کی روٹی سے فاقہ شکنی کرے۔ اس مجوسی کے گھر میں ایک خارش زدہ کتا پلا ہوا تھا۔ جو بھوکوں مرنے کی وجہ سے فقط ہڈی چمڑہ رہ گیا تھا، اگر اس کے سامنے پرکار سے دائرہ بنادیا جاتا تو وہ روٹی کی شکل میں اسے دیکھ کے خوشی سے مر جاتا۔ اگر زبان پر خبر کی لفظ جاری ہوتی تو وہ اسے خُبز (روٹی) سمجھ کے پاگل ہو جاتا۔ اس نے عابد کا تعاقب شروع کیا۔ اور اس کے پیچھے پہونچ کے اس کا دامن پکڑ لیا۔ عابد ان دو روٹیوں میں سے ایک اس کے سامنے پھینک کے آگے بڑھ آتا۔ تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہونچے۔ کُتّے نے وہ روٹی کھالی اور پھر اس کے پیچھے دوڑ آیا۔ تاکہ اسے دوبارہ پریشان کرے۔ عابد نے چلتے چلتے وہ دوسری روٹی بھی اسے دیدی۔ تاکہ اس کے عذاب سے محفوظ رہے۔ کُتّے نے وہ دوسری روٹی بھی کھالی اور سہ بارہ اس کا پیچھا شروع کیا۔ وہ اس کے ساتھ سائے کی طرح دوڑ رہا تھا۔ منھ سے عف عف کی آوازیں نکال رہا تھا اور اس کے کپڑے پھاڑ رہا تھا۔

جب عابد نے یہ حال دیکھا تو کہا، میں نے تجھ جیسا بیجا کتّا نہیں دیکھا۔ تیرے مالک نے صرف دو روٹیاں دی تھیں، لیکن اے بدطینت تو نے ان دونوں کو چھین لیا۔ اب اس کے بعد میرے پیچھے دوڑنے اور میرے کپڑے پھاڑنے کا کیا مطلب ہے؟

کُتّا گویا ہوا کہ اے صاحب کمال شخص! ذرا آنکھ کھول کے دیکھ، بیحیا میں نہیں ہوں۔

جب میں بچہ تھا اس وقت سے اس بوڑھے آتش پرست کا ٹوٹا پھوٹا مکان میرا مسکن ہے۔ میں اس کی بھیڑوں کی رکھوالی کرتا ہوں اور اس کے گھر کا پہرا دیتا ہوں۔ وہ کبھی مہربانی کر کے مجھ کو ایک روٹی دیدتا ہے۔ اور کبھی ایک مٹھی ہڈی ہی دیتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ مجھے غذا دینا بھول ہی جاتا ہے۔ اور بھوک کی وجہ سے میری زندگی تلخ ہو جاتی ہے ایک ایسا دور بھی گزرتا ہے جب مجھ جیسے ناتواں کو نہ روٹی کا نشان ملتا ہے نہ ہڈی کا۔ کبھی کبھی تو یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ بوڑھا آتش پرست نہ اپنے لئے روٹی مہیا کر پاتا ہے نہ میرے لئے۔ لیکن چونکہ میں اس کے دروازے پر پالا گیا ہوں۔ لہٰذا کبھی دوسرے کے دروازے کا رُخ نہیں کیا۔ اس بوڑھے مجوسی کے دروازے پر میرا یہی شیوہ ہے، کبھی اس کی نعمت کا شکرہ ادا کرنا، اور

کبھی صبر کرنا۔

لیکن جب تجھے ایک ہی شب روٹی حاصل نہیں ہوئی تو تیرے صبر کی عمارت شکستہ ہوگئی۔ تو نے اپنے رزاق حقیقی کی درگاہ سے منھ موڑ لیا۔ اور دوڑ کے ایک آتش پرست کے دروازے پر پہونچ گیا۔ تو نے ایک روٹی کے لئے اپنے دوست کو چھوڑ کر اس کے دشمن سے صُلح کر لی۔ اے نیک انسان تو خود انصاف کر کے بتلا کہ زیادہ بے حیا کون ہے؟۔ میں یا تو؟۔

وہ مرد عابد یہ باتیں سن کے مدہوش ہوگیا، اپنے ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور غش کر گیا۔

اے "بہائی" کے نفس کے کُتّے، اس قناعت کا سبق اُس بوڑھے مجوسی کے کُتّے سے حاصل کر اگر تیرے سامنے صبر کا کوئی دروازہ نہ کُھلے تو تو ایک آتش پرست کے خارش زدہ کُتّے سے بھی کمتر ہے۔)

(٧٢)

اسیری سے نجات اور حلال روزی کا حصول

مرحوم آقا میرزا محمود شیرازی نے جن سے چند داستانیں نقل کی جا چکی ہیں فرمایا کہ میں نے مرحوم حاج میرزا حسن ضیاء التجارؒ سیرازی سے جن کا کئی سال شیراز میں اور اس کے بعد تہران میں ایک بڑا دواخانہ تھا سنا کہ میں ایک سال کربلائے معلّٰی کی زیارت کے قصد سے کرمان شاہ کے راستے ایک قافلے کے ہمراہ روانہ ہوا، ایک اُلاغ (سواری کا خچر) کرائے پر حاصل کیا اور اس پر اپنا ضروری سامان بار کر کے روانہ ہو گیا۔ جب ہم قزوین کے نزدیک پہونچے تو ایک شخص جو قافلے کے ساتھ پیدل سفر کر رہا تھا مجھ کو تنہا دیکھ کر میرے قریب آیا اور میرے کاموں میں میرا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ ہم دونوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں کاظمینؑ تک تمہارا ساتھ دوں گا۔ اور عجلت کے ساتھ منزل پر پہونچ کر کوئی مناسب جگہ تلاش کر لوں گا۔ پھر جب تم بھی پہونچ جاؤ گے تو کھانے میں شریک ہو جاؤں گا۔ ہم لوگ اسی طرح سے کاظمینؑ پہونچے۔

میں نے اس شخص کا نام اور حالات پوچھے تو اس نے کہا میرا نام کربلائی محمد ہے اور میں قمشہ اصفہان کا رہنے والا ہوں۔ سات سال قبل امام رضا علیہ السّلام کی زیارت کے لئے سفر کر رہا تھا یہاں تک کہ استرآباد کے حدود میں ترکمانوں نے قافلے کو لوٹ لیا اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے جا کر اپنا غلام بنا لیا۔ روزانہ دن بھر مجھ سے کام لیتے تھے جس سے میں سخت پریشان اور فشار کے عالم میں تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں نے طے کیا کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو ان کے قبضے سے فرار اختیار کروں۔ اور اپنے کو اس مصیبت سے نجات دوں۔ میں نے نذر کی کہ اگر خدا نے میری مدد فرمائی اور مجھے نجات بخشی تا کہ اپنے وطن پہونچ سکوں تو اسی راستے سے کربلائے معلّٰی میں حاضری کا شرف حاصل کروں گا۔ پس میں ایک بہانے سے تھوڑا ان سے

دور ہوا، اور چونکہ رات تھی اور وہ لوگ سو رہے تھے لہٰذا مجھے نہیں دیکھ سکے۔ اور میں تیزی سے دوڑتا ہوا ایسے مقام پر پہونچ گیا کہ ان کے شر سے محفوظ ہونے کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ خدا کا شکر ادا کیا۔ اور اسی جگہ سے کربلائے معلّٰی کا عزم کر کے چلا آ رہا ہوں۔

مرحوم ضیاء التجار نے بتایا کہ سامرا کا ارادہ رکھتا تھا لہٰذا میں نے اس سے کہا کہ آؤ پہلے ہم دونوں سامرا چلتے ہیں۔ اس کے بعد ساتھ ہی زیارت کربلا سے مشرّف ہوں گے اور اس سلسلے میں کافی اصرار کیا لیکن اس نے قبول نہیں کیا۔ اور کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو مجھے اپنی نذر پوری کرنا چاہیئے۔ میں نے کچھ پیسے اس کے سامنے رکھے اور کہا کہ جسقدر چاہو اٹھا لو۔ لیکن اس نے کچھ بھی نہیں اٹھایا۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو صرف تین ایرانی ریال (تقریباً چار پیسے کا سکہ) اٹھا لئے اور چلا گیا۔ اس کے بعد وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

جب میں نجف اشرف سے مشرف ہوا۔ تو ایک روز صحن مقدس میں بالائے سر کی جانب سے گزر رہا تھا تو نظر آیا کہ بہت سے لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ بھیڑ کو پیچھے ہٹا کے اس کے قریب پہونچا۔ تو دیکھا کہ وہی میرا ہمسفر کربلائی محمد قمشہ ای ہے۔ اس نے ایک کپڑے سے اپنی گردن کو رواق کی جالی سے باندھ رکھا تھا۔ اور گریہ کر رہا تھا تہران کا ایک شخص کہہ رہا تھا کہ تم جو کچھ بھی چاہتے ہو میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ اور اسے سو تومان نقد دے رہا تھا۔ لیکن اس نے قبول نہیں کیا۔ میں نے اس کے پاس جا کے کہا کہ رفیق! تم جناب امیرؑ سے کیا چاہتے ہو؟ اٹھو اور اٹھ کے میری قیام گاہ تک چلو۔ تمھیں جس چیز کی ضرورت ہو گی میں اسے مہیّا کروں گا۔ لیکن اس نے میری درخواست کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ میں ان حضرتؑ سے ایک ایسی چیز کی حاجت رکھتا ہوں جس پر کوئی دوسرا شخص قدرت نہیں رکھتا۔ اور جب تک میں اسے حاصل نہیں کر لونگا یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا۔ جب میں نے اپنے اسرار کا کوئی نتیجہ نہیں دیکھا تو اسے چھوڑ کر چلا آیا۔

دوسرے روز میں نے اسے صحن مقدس میں دیکھا۔ اس نے خوشی اور شادمانی کے ساتھ ہنستے ہوئے کہا۔ دیکھا تم نے میں نے اپنی حاجت حاصل کر لی۔ پھر بغل میں ہاتھ ڈال کے ایک حوالے کی سند باہر نکالی اور کہا میں نے اسے جناب امیرؑ سے پایا ہے۔ پس میں نے اس کی

تحریر کو دیکھا تو وہ اس نہج پر تھی کہ سامنے اور پشت کی طرف سے نیز اوپر اور نیچے کی جانب سے یکساں تھی اور ہر رُخ سے پڑھی جاتی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کس چیز کا حوالہ ہے اور کس کے ذمّے ہے؟ اس نے کہا میں اس کے حصول کے بعد تمھیں بتاؤنگا۔ چنانچہ میرا تہران کا پتہ لیا اور چلا گیا۔ چند سال کے بعد وہ ایک روز تہران میں میری دوکان پر پہونچا میں نے اسے پہچاننے کے بعد شکوہ کیا اور کہا کہ آیا تم نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ مجھے اس حوالے کے بارے میں مطلع کروگے۔ جو حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے مجھے عنائت فرمایا تھا۔ اس نے کہا میں کئی مرتبہ تہران آیا مگر تم شیراز گئے ہوئے تھے۔

اب تمھیں تبانے کے لئے آیا ہوں کہ جناب امیؑر کی خدمت میں میری حاجت ایسے حلال رزق کے بارے میں تھی جس کی وجہ سے میں اپنی ساری زندگی اطمینان سے بسر کرسکوں حضرت نے سادات میں سے ایک محترم ہستی کے لئے حوالہ عطا فرمایا کہ وہ زمین کا ایک مخصوص قطعہ اور اس کے ساتھ تخم ریزی کے لئے غلّہ بھی مجھ کو دے دیں۔

ان سیّد نے بھی تعمیل حکم کی اور اسی سال سے ابتک اس زمین کی زراعت سے میری زندگی انتہائی خوشحالی کے ساتھ بسر ہو رہی ہے اور میں بہت مطمئن ہوں۔

---

(۷۳)

جنابِ میثمؒ کی کرامت

اسی ۸۸ سنہ (مُطابق آبان ۴۷ سنہ) میں ہم نجف اشرف میں زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہونے کے موقع پر ایک روز جناب آقائے سیّد احمد نجفی خراسانی کے ہمراہ جناب میثم کی قبر کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ وہاں ایک خادم تھا جس نے ہم سے محبّت کا اظہار کرتے ہوئے چائے پیش کی اور اس کے عوض میں ہم سے کچھ قبول بھی نہیں کیا۔ اس نے کہا میرا تو حق الخدمت خود جناب میثم مجھے پہونچاتے ہیں۔ میں کئی سال سے یہاں ان کی قبر مبارک کی خدمتگذاری کر رہا ہوں۔ ہر چند روز کے بعد وہ خواب میں مجھکو کوفے کی افتادہ زمین کے ایک گوشے کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ اور میں اسے کھودتا ہوں تو ایک سکّہ ملتا ہے جسے فروخت کر کے ایک مدّت تک ضروریات زندگی پورے کرتا ہوں۔ اسے جو سکّے دستیاب ہوتے تھے انمیں سے ایک ہم لوگوں کو بھی دکھایا۔ وہ سکّہ سبز رنگ کا اور ایرانی ریال سے کچھ چھوٹا تھا۔ اور اس پر خط کوفی میں کلمۂ طیّبۂ توحید نقش تھا۔

(۷۴)

نابینا کی شفاء

عالِم متقی جناب حاج سیّد محمد جعفر سُبحانی امام جماعت مسجد آقالر نے فرمایا کہ مجھے خواب کے عالم میں قبۂ حُسینیہ کے اندر مقام اجابت دعا کی نشاندہی کی گئی اور وہ جگہ قبر مقدّس کے سرہانے جناب حبیب ابن مظاہر کی قبر کے سامنے تھی۔

میں ایک سفر زیارت میں والد مرحوم کے ہمراہ مشرف ہوا۔ ناگہاں میرے باپ کی آنکھوں میں درد شروع ہوا۔ اور وہ دونوں آنکھوں سے نابینا ہو گئے۔ اس واقعے سے میں سخت پریشانی اور زحمت میں مبتلا ہو گیا کیونکہ اب مجھے ہر وقت ان کی نگہداشت کرنا تھی۔ ان کا ہاتھ تھام کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچانا۔ اور ان کے ضروری حوائج کو انجام دینا تھا۔

غرضیکہ میں اسی عالم میں حرم اقدس سے مشرف ہوا۔ اور اسی قبولیت دعا کے مقام پر پہونچ کے عرض کیا کہ میں آپ سے اپنے باپ کی آنکھیں چاہتا ہوں۔ اس کے بعد رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگوار میرے والد کے سرہانے تشریف لائے، ان کی آنکھوں پہ اپنا دست مبارک پھیرا اور مجھ سے فرمایا کہ یہ ہیں آنکھیں، لیکن اصل خراب ہے۔

جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ والد کی دونوں آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں اور بینائی واپس آگئی ہے۔ لیکن فقرۂ "اصل خراب ہے" کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ یہاں تک کہ اس معجزے کے تین روز بعد میرے باپ نے دنیا سے رحلت کی، اور اس وقت مذکورہ فقرے کا مفہوم واضح ہوا۔

---

(۷۵)

عطائے حُسینی

نیز جناب آقائے حاج سیّد محمد جعفر موصوف نے نقل فرمایا کہ ایک سال میں اپنی والدہ مرحومہ کے ہمراہ کربلائے معلّٰی کی زیارت سے مشرف ہوا، اسی دوران وہ مرحومہ بیمار ہو گئیں اور ان کے مرض نے چالیس روز سے زیادہ طول کھینچا، اس کی وجہ سے میں بہت زیادہ مقروض ہو گیا۔ اور اس مدّت میں نہ شیراز سے نہ کسی اور ذریعہ سے مجھ کو کوئی مدد مل سکی پس میں نے اپنے آقا کی خدمت میں پناہ لی اور حرم مطہر میں حاضر ہو کر اسی بالائے سر کے مقام پر عرض کیا کہ یا مولا! آپ خود جانتے ہیں کہ کسقدر پریشان اور مُصیبت میں گرفتار ہوں میری فریاد کو پہونچیے۔

جب میں حرم اقدس سے باہر نکلا تو زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مرحوم آیۃ اللہ میرزا محمد تقی شیرازی اعلی اللہ مقامہ کا ایک نمائندہ مجھ سے ملا اور کہا کہ مجھکو میرزا کی طرف سے ہدایت دی گئی ہے کہ آپ کو جس قدر ضرورت ہو میں ادا کر دوں۔ میں نے پوچھا کتنی رقم ہو گی اس نے کہا اس کی کوئی تعیین نہیں ہے، جتنی رقم کی آپکو ضرورت ہو۔ آپ خود معیّن کر دیں چنانچہ میں نے اس طرح اپنے تمام قرضوں کو ادا کر دیا۔ اور جب تک کربلائے معلّٰی میں قیام رہا، میرے جملہ اخراجات پورے ہوتے رہے۔

---

(۷۶)

عزادارِ حسینؑ سے بدگمانی

آقائے سید محمود عطاران نے بیان کیا ہے کہ ایک سال میں عشرۂ محرّم کے درمیان محلہ سروزک کے ماتمی دستے میں شامل تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان زنجیر زنی کے دوران عورتوں پر نظر ڈال رہا ہے۔ میں غیرت کی وجہ سے اس حرکت کو برداشت نہ کر سکا۔ اور اسے ایک تھپڑ مار کے صف سے باہر نکال دیا۔

اس کے چند منٹ بعد ہی میرے ہاتھ میں درد پیدا ہوا۔ اور لحمہ بہ لحمہ بڑھنے لگا۔، یہاں تک کہ میں نے تکلیف کی شدّت سے مجبور ہو کر ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا۔ اس نے کہا کہ درد کا سبب اور اس کا اثر تو میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ لیکن میرے پاس ایک روغن ہے جو درد کو ساکن کر دیتا ہے۔

میں نے وہ روغن لے کر استعمال کیا۔ لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ دَرد ہر لحظہ تیز تر ہوتا گیا اور ہاتھ کا وَرم اور آماس بھی بڑھتا رہا۔ میں گھر واپس آگیا اور مسلسل نالہ و فریاد کرتا رہا۔ رات کو سو بھی نہیں سکا۔ لیکن صبح کے قریب ایک لحظہ کے لئے آنکھ لگ گئی۔ تو حضرت شاہ چراغ کو دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ تمھیں اس جوان کو راضی کرنا چاہئے۔

جب میں غفلت سے ہوشیار ہوا تو سمجھ لیا کہ درد کا سبب کیا ہے۔ چنانچہ گھر سے نکلا اور اس جوان کو تلاش کر کے اس سے معذرت کی اور اسے اپنے سے راضی کیا۔ فوراً درد رفع ہو گیا اور ورم و آماس بھی دور ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ میں نے خطا و بدگمانی کی تھی۔ اور ایک عزادار سید الشہداءؑ کی توہین کی تھی۔

یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ مومن اور خدا اور رسولؐ اور امام سے عقیدت رکھنے والے، انسان کی اذیت اور اہانت بہت خطرناک اور بلا و قہر الٰہی کے نزول کی باعث ہے۔

---

(۷۷)

اِحسانُ کا بدلہ

بزرگوار عالم جناب آقائے حاج معین شیرازی تے جن سے چند داستانیں نقل کی جا چکی ہیں فرمایا کہ آقا سید حسین ورشوچی (گلٹ کے سوداگر) جو تہران کے بازار میں گلٹ کی تجارت کرتے ہیں۔ ایک بار سخت تنگدستی میں مبتلا ہو گئے۔ سارا سرمایہ ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا، اور بہت زیادہ مقروض ہو گئے۔

اسی زمانے میں ایک لڑکی ان کی دوکان پر آئی اور کہا میں ایک یہودی لڑکی ہوں میرا باپ انتقال کر چکا ہے۔ میرے پاس صرف ایکسو بیس[۱۲۰] تومان ہیں اور میں عقد کرنا چاہتی ہوں۔ سنا ہے آپ ایک دیانتدار انسان ہیں لہٰذا یہ رقم لیجئے اور اس کے عوض میں جو چیزیں اس کاغذ میں درج ہیں میرے جہیز کے لئے دیدیجئے۔ میں نے اسے منظور کیا اور جتنا سامان میری دوکان پر تھا وہ اور بقیہ دوسری دوکانوں سے مہیا کر کے حساب کیا۔ اس کی قیمت ایکسو پچاس تومان ہوئی۔ لڑکی نے کہا جتنے پیسے میں نے آپ کو دیئے ہیں ان کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ میں نے کہا میں بھی مطالبہ نہیں کر رہا ہوں لڑکی نے سر اٹھایا اور میرے لئے دُعا کی۔ اس کے بعد چلنے لگی تو میں نے ساری اشیاء ایک گاڑی میں رکھی چونکہ اس کے پاس کرایے کے پیسے نہیں تھے لہٰذا میں نے کرایہ بھی ادا کیا۔ اور وہ اپنے گھر چلی گئی۔

ایک روز میں نے اپنے دل میں کہا کہ اپنے دوست حاج علی آقا علاقہ بند سے جو تہران کے دولتمندوں میں سے ہیں اپنا حال کہوں۔ اور ان سے کچھ پیسے حاصل کر لوں چنانچہ صبح سویرے ہی شمیران گیا، وہاں سے تحفے کے لئے دو[۲] من سیب خرید لے (ایران میں من تقریباً تین[۳] کلو کا ہوتا ہے) اور امام زادہ قاسم میں ان کے باغ کے دروازے

پر دستک دی ۔ باغبان باہر آیا تو میں نے سیب اس کے سُپرد کئے اور کہا حاجی سے کہدینا کہ حسین ورشوچی آیا تھا۔ جب وہ سیب لے کے چلا گیا۔ تو میری آنکھیں کھلیں اور میں نے اپنے کو ملامت کی کہ تو ایک مخلوق کے دروازے پر کیوں حاضر ہوا ۔ اور غیر خدا سے اپنی امید کیوں وابستہ کی چنانچہ پشیمانی کے عالم میں فوراً وہاں سے بھاگ کے صحرا میں پہونچا اور بار بار خاک پر سجدے کرنے اور گریہ وزاری میں مشغول ہوا اور اپنے پروردگار سے توبہ اور استغفار کرنے لگا۔

جب میں نے شہر کی طرف واپسی کا قصد کیا تو ایسا راستہ اختیار کیا جسمیں یہ احتمال نہیں تھا۔ کہ حاجی کے کارندے مجھے دیکھ لیں گے اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ وہ میری جستجو کے لئے اپنے آدمی ضرور بھیجیں گے ۔ اور ظہر کے وقت تک دوکان پر بھی نہیں گیا۔ جب مجھ کو اطمینان ہو گیا کہ اب حاجی کا کوئی ملازم مجھ کو نہیں دیکھے گا تو دوکان پر آیا میرے کارندوں نے بتایا کہ حاجی علی آقا کے آدمی کئی بار آچکے ہیں۔ لیکن آپ یہاں موجود نہیں تھے۔ اتنی دیر میں ان کا ایک نوکر پھر آ گیا، اور کہا کہ آپ صبح کو آئے تھے لیکن واپس کیوں چلے آئے۔ حاجی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ واپس گیا تو حاجی کا بیٹا آ گیا اور کہا کہ میرے والد آپ کے منتظر ہیں۔ میں نے کہا مجھے ان سے کوئی کام نہیں ہے۔ آخر کار وہ بھی چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں دیکھا کہ خود حاجی بیماری کی حالت میں چھڑی ٹیکتے ہوئے آرہے ہیں انھوں نے کہا تم صبح کو کیسے واپس چلے آئے یقیناً تم کو کوئی ضرورت تھی۔ مجھ سے بتاؤ تاکہ میں دیکھوں کہ تمھاری حاجت کیا ہے؟ میں نے سختی سے انکار کیا۔ اور کہا کوئی اشتباہ ہوا ہے؟

خلاصہ یہ کہ حاجی ناراضگی اور غصّے کے عالم میں واپس ہوئے۔

چند روز کے بعد میں ظہر کے وقت اپنے گھر کے اندر بیٹھا ہوا روٹی اور انگور کھا رہا تھا کہ ایک تاجر جو میرا رفیق بھی تھا وارد ہوا ۔ اور کہا میرے پاس کچھ تجارت کا مال ہے جو تمھارے کام کا ہے ۔ اس نے ایک مدّت سے میرے گھر کے گودام میں جگہ روک رکھی ہے ۔ وہ پگھلائے ہوئے گِلٹ کی اینٹیں ہیں۔

میں نے کہا مجھکو ضرورت نہیں ہے ۔ لیکن بالآخر اسی نرخ پر جس پر اس نے خریدا تھا یعنی ایک اینٹ کے سترہ تومان کے حساب سے اس نے میرے ہاتھ وہ مال ادھار قیمت پر فروخت کر دیا۔ اس کے بعد عصر کے وقت وہ تمام اینٹیں جو ایکہزار سے بھی زیادہ تھیں لے آیا جن سے میری دوکان کا سارا گودام بھر گیا۔ دوسرے روز میں نمونے کے طور پر ایک اینٹ گِلٹ کے کارخانے لے گیا، ان لوگوں نے کہا تم کہاں سے لے آئے؟ یہ مال تو ایک مدّت سے نایاب ہو چکا ہے۔ آخر کار ان لوگوں نے ایک اینٹ کے پچاس تومان قیمت پر وہ ساری اینٹیں ، خرید لیں۔

اس رقم سے میں نے اپنا تمام قرض ادا کیا۔ نئے سرے سے سرمایہ درست کیا۔ اور خدا کا شکر بجالایا۔

یہ داستان اور اسی جیسے دیگر واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک موحّد شخص کو مصیبت کے وقت خدا کے علاوہ کسی اور سے امیدیں وابستہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہ جان لینا چاہیئے کہ وہ اگر غیر خدا سے اپنے توقعات منقطع کرکے صرف اپنے پروردگار سے لو لگائیگا تو وہ بہترین صورت سے اس کا کام انجام کو پہونچائے گا۔ کار خود گر بخدا باز گذاری حافظ۔ اے بسا عیش کہ با بخت خداداده کنی (یعنی اگر تم اپنا کام خدا کے ذمّے چھوڑ دو گے تو اس کی بخشی ہوئی خوش نصیبی سے بہت عیش وعشرت میں بسر کرو گے)

(۷۸)

زائرین کی طرف التفات

(۱۴ رجب ۱۳۵۳ھ کو) زیارت کربلائے معلّٰی کے لئے میرے آخری سفر کے دوران، آقائے سیّد عبد الرسول خادم نے موجودہ کلید بردار کے والد مرحوم سیّد عبد الحسین کلید برادر حضرت سید الشہداء ع سے جو ایک صاحب علم و فضل اور نیک سیرت انسان تھے نقل کیا کہ ایک رات انھوں نے حرم اقدس میں دیکھا کہ ایک پابرہنہ عرب ضریح مطہر پر اپنا خون آلودہ اور کثیف پاؤں رکھے ہوئے عرضِ حال کر رہا ہے۔ مرحوم نے اسے جھنجھوڑا اور حکم دیا کہ اسے حرم سے باہر نکال دیا جائے۔ جب وہ جانے لگا تو کہا "اے حسینؑ! میں سمجھتا تھا کہ یہ آپ کا گھر ہے؟ لیکن اب معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کا مکان ہے۔ ان مرحوم نے اسی شب خواب میں دیکھا کہ حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام صحن مقدس میں منبر پر تشریف فرما ہیں، مومنین کی روحیں آپکی خدمت میں حاضر ہیں۔ اور حضرت اپنے خدّام کی شکایت فرما رہے ہیں۔ کلید برادر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا، یا جدّاہ! ہم لوگوں سے کون سا عمل خلافِ ادب صادر ہوا ہے، فرمایا آج کی شب تم نے میرے عزیز ترین مہمان کو سخت و سُست الفاظ کہہ کے اسے میرے حرم سے باہر نکالا ہے۔ جب تک تم اس زائر کو راضی نہیں کروگے میں تم سے راضی نہیں ہوں اور خدا بھی راضی نہیں ہے۔ انھوں نے عرض کیا یا جدّاہ! میں اسے پہچانتا نہیں ہوں، اور یہ بھی نہیں جانتا وہ اب کہاں ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ اس وقت (خیمہ گاہ کے نزدیک) حسن پاشا کے گھر میں آرام کر رہا ہے۔ اور وہ ہمارے حرم میں بھی آئے گا۔ اسے ہم سے ایک کام تھا جسے ہم نے انجام دے دیا ہے۔ وہ اپنے مفلوج بیٹے کی شفا چاہتا تھا۔ کل وہ اور اس کے قبیلے والے آئیں گے ان کا استقبال کرنا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو چند خدّام کو اپنے ساتھ لیکر گئے اور اس مُسافر کو اسی جگہ پایا۔ جس کے بارے میں حضرتؑ نے فرمایا تھا۔ انھوں نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ پورے احترام کے ساتھ اپنے گھر لائے اور بہترین طریقے سے اس کی ضیافت کی" اس کے بعد صبح کو تیسؔ خدام کے ہمراہ استقبال کو نکلے تھوڑا راستہ طے کرنے کے بعد دیکھا کہ ایک جماعت مسرّت کا مظاہرہ کرتی ہوئی آرہی ہے اور اس مفلوج بچّے کو بھی ساتھ لا رہی ہے۔ جسے شفا حاصل ہوئی ہے۔ پھر یہ سب لوگ حرم مطہر سے مشرف ہوئے۔

(۷۹)

جہنّم سے آزادی اور عنایت رضویؑ

اہلبیت علیہم السّلام کے سچے محب جناب حیدر آقا تہرانی نے نقل کیا کہ چند سال قبل ایک روز میں امام رضا علیہ السّلام کے رواق مطہر میں حاضر تھا کہ ایک بوڑھے انسان پر نظر پڑی جس کی کمر جھکی ہوئی تھی، سر اور چہرے کے بال سفید تھے اور بھنویں آنکھوں پر لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کے حضور قلب اور خضوع و خشوع نے مجھ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جب اس نے اٹھنا چاہا تو میں نے دیکھا کہ وہ جنبش کرنے پر قادر نہیں ہے۔ میں نے کھڑے ہونے میں اس کی مدد کی۔ اور پوچھا کہ آپ کی قیام گاہ کہاں ہے۔ تاکہ میں آپ کو وہاں تک پہونچا دوں۔؟ اس نے کہا کہ مدرسۂ خیرات خاں کے ایک حجرے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ میں نے اسے اس کی منزل تک پہونچایا اور مجھے اس سے شدید ہمدردی اور عقیدت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ میں اس کے پاس ہر روز جاتا تھا اور اس کے کاموں میں مدد کرتا تھا۔ میں نے اس کا نام، اس کا وطن اور اس کے حالات دریافت کئے۔ تو اس نے بتایا کہ میرا نام ابراہیم ہے میں عراق کا رہنے والا ہوں۔ لیکن فارسی زبان بھی جانتا ہوں اس نے اپنے فارسی کے ضمن میں بیان کیا۔ کہ میں اپنی جوانی کے سن سے ہر سال حضرت رضا علیہ السّلام کی زیارت کے لئے آتا ہوں اور یہاں تھوڑا ٹھہر کے عراق واپس چلا جاتا ہوں جوانی کے عہد میں جب کہ اس وقت تک موٹر گاڑیوں کا رواج نہیں ہوا تھا۔ دو مرتبہ پاپیادہ چل کے زیارت سے مشرف ہوا۔ پہلی بار دیگر تین جوان افراد نے جو میرے ہم سن تھے اور ہمارے درمیان

ایمانی رفاقت اور دوستی کا رشتہ قائم تھا۔ اور ہم لوگ آپس میں شدید محبت کرتے تھے ایک فرسخ تک میری مشایعت کی اور وہ میری مفارقت سے نیز اس وجہ سے کہ وہ میرے ہمراہ زیارت سے مشرّف نہیں ہو سکتے سخت افسردہ اور پریشان تھے جب مجھ سے رخصت ہونے لگے تو روتے ہوئے کہا۔ کہ تم جوان ہو اور پاپیادہ زحمتیں برداشت کرتے ہوئے اس پہلے سفر میں جا رہے ہو۔ یقیناً تمھارے اوپر نگاہِ کرم ہوگی لہٰذا تم سے ہماری حاجت یہ ہے کہ ہم تینوں افراد کی جانب سے بھی امام علیہ السّلام کی خدمت میں سلام پیش کر دینا اور اس مقدس مقام پر ہمیں بھی یاد رکھنا۔ پس میں ان سے رخصت ہو کر مشہد مقدّس کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہاں پہونچنے کے بعد اسی خستہ حالی اور پریشانی کی حالت میں حرم مطہر سے مشرف ہوا۔ زیارت کے بعد حرم کے ایک گوشے میں گر گیا۔ اور مجھ پر بیخودی اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ حضرت رضا علیہ السلام اپنے دست مبارک میں بیشمار رقعے لئے ہوئے ہیں۔ اور تمام مرد و زن زائرین کو یہاں تک کہ بچّوں کو بھی ایک ایک رقعہ عطا فرما رہے ہیں۔ جب حضرتؑ میرے قریب پہونچے تو مجھے چار رقعے مرحمت فرمائے۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے مجھ کو چار رقعے کس وجہ سے عنایت فرمائے۔؟ فرمایا ایک تمھارے لئے ہے اور تین تمھارے تین رفیقوں کے لئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کام حضرتؑ کے لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا کسی دوسرے شخص کو حکم فرمادیں کہ یہ رقعے تقسیم کر دے۔ حضرتؑ فرمایا یہ سارا مجمع میری ہی امید میں آیا ہے۔ لہٰذا میرا فرض ہے کہ میں بذاتِ خود ان تک پہونچوں۔

پس میں نے ان میں سے ایک رقعہ کھول کے پڑھا تو اسمیں چار جملے لکھے ہوئے تھے۔

"بَرَائَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَ اَمَانٌ مِّنَ الْحِسَابِ وَدُخُوْلٌ فِی الْجَنَّۃِ وَاَنَا ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ" (یعنی آتش جہنم سے آزادی، حساب سے پناہ، اور جنّت میں داخلہ۔ اور میں ہوں۔۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرزند۔ ۱۲۔ مترجم) ہم اس داستان سے دو نتیجے اخذ کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ امام رضا علیہ السّلام اپنی قبر کے زائرین پر بہت ہی مہربانی اور عنایت و مرحمت فرماتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص نجات کی امید میں آپکی پناہ طلب کرے گا آپ اس کے بارے میں شفاعت فرمائیں گے۔ اور کوئی شخص حضرتؑ کے دروازے سے محروم واپس نہ

ہو گا۔

اور دوسرا یہ کہ جو شخص صدق دل سے ان حضرت کی زیارت کی آرزو رکھتا ہو، لیکن اُسے اس کا موقع میسّر نہ ہو اور وہ کسی دوسرے سے التماس کرے کہ اس کی نیابت میں زیارت بجالائے تو وہ اسی شخص کے مانند ہے جو خود زیارت کرے اور یہ مطلب صرف انھیں حضرتؑ کی زیارت سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ جملہ امور خیر کے لئے ہے۔ یعنی جو شخص کسی کارِ خیر کو دوست رکھتا ہو۔ اس شخص کو جو اسے انجام دیدے تو یقیناً وہ اسی شخص کے مثل ہو گا۔ اور اسی کے مانند ثواب پائے گا۔ اور روائیتوں میں اس امر کے شواہد کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے جسوقت جناب جابر ابنِ عبد اللہ انصاری قبر حضرت سید الشہداءؑ کی زیارت کے لئے کربلائے معلّیٰ میں حاضر تھے تو قبور شہدائے کربلا کی زیارت کے بعد ان حضرات سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ خدا کی قسم آپلوگ جس مرحلے میں داخل ہوئے اسمیں ہم بھی آپ کے ساتھ شریک تھے۔ عطیہ بن سعد کوفی نے جو ان کے ہمراہ تھے کہا کہ ہم شہدائے کربلا کے ساتھ کیونکر شریک ہیں در حالیکہ ہم کسی نشیب و فراز میں ان کے ہمراہ نہیں تھے اور ان کی ہمراہی میں تلوار نہیں چلائی۔ ان کے سر و تن میں جدائی ہوئی، ان کے بچّے یتیم ہوئے اور ان کی عورتیں بیوہ ہوئیں۔

"فَقَالَ لِیْ یَاعَطِیَّۃُ سَمِعْتُ حَبِیْبِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ یَقُوْلُ مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا حُشِرَ مَعَھُمْ وَمَنْ اَحَبَّ عَمَلَ قَوْمٍ شَرِکَ فِیْ عَمَلِھِمْ وَالَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ نِیَّتِیْ وَ نِیَّۃُ اَصْحَابِیْ عَلٰی مَا مَضٰی عَلَیْہِ الْحُسَیْنُ وَاَصْحَابُہٗ"

یعنی جابر نے کہا کہ اے عطیہ! میں نے اپنے حبیب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی قوم کو دوست رکھتا ہے اسی کے ساتھ محشور ہو گا اور جو شخص کسی قوم کے عمل کو دوست رکھتا ہو گا وہ اس کے عمل میں شریک ہو گا۔ قسم اس خدا کی جس نے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا میری اور میرے اصحاب کی نیت وہی ہے جس پر حسین علیہ السّلام اور آپ کے اصحاب دنیا سے اٹھے۔ (نفس المہموم ص۲۰۰) اسی ضمن میں امام رضا علیہ السّلام نے ریان ابن شبیب سے فرمایا۔

"یَابْنَ شُبَیْبٍ اِنْ سَرَّكَ اَنْ یَّكُوْنَ لَكَ مِنَ الثَّوَابِ مِثْلُ مَا لِمَنِ اسْتُشْهِدَ مَعَ الْحُسَیْنِ فَقُلْ مَتٰی مَا ذَكَرْتَهٗ یَا لَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا" یعنی اے شبیب کے فرزند! اگر تمھارے لئے یہ امر باعثِ مسرّت ہے کہ تمھیں بھی ویسا ہی ثواب حاصل ہو جیسا ان حضرات کو حاصل ہوا جو حسین علیہ السّلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ تو جس وقت ان حضرات کو یاد کرو تو کہو، "یَا لَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا" (نفس المهموم ص۱۷)

یعنی کاش میں بھی اصحابِ حسینؑ کے ساتھ ہوتا تو بڑی سعادت حاصل کرتا اس مقام پر یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ شہداء کے ثواب تک رسائی اسی وقت ممکن ہے جب انسان اس تمنّا میں صادق ہو، یعنی خدا کی راہ میں قتل ہونا اس کی دلی خواہش ہو اس طور پر کہ اگر ایسا موقع پیش آجائے تو اپنی ذات اپنی اولاد اور اپنے مال و منصب کی محبّت اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔

پس اگر اپنی ذات و شہوات کی محبت اور دنیا کی جانب رغبت نے اس کے دل کو سطح سے گھیر لیا ہو کہ اگر وہ واقعۂ کربلا میں موجود ہوتا تو یہ تعلقات اسے شہیدوں میں شامل ہونے کی اجازت نہ دیتے تو وہ یالیتنی کا جملہ کہنے میں جھوٹا ہے۔

اہلِ علم میں سے ایک صاحب بتاتے تھے کہ میں برسوں دھوکے اور اشتباہ میں رہا۔ اور اپنے کو شہیدانِ کربلا کے ثواب میں شریک سمجھتا رہا، یہاں تک کہ ایک رات خواب میں سانحۂ کربلا کا منظر اسی تفصیل کے ساتھ مشاہدہ کیا جو کتب مقاتل میں درج ہے اور اپنے کو امام علیہ السّلام کے نزدیک پایا پس میں نے حضرت قاسم ابن امام حسن علیہم السلام کو دیکھا کہ وہ میدان میں تشریف لے گئے اور شہید ہو گئے۔ اس موقع پر میرے دل میں آیا کہ اب چونکہ امامؑ کے دیگر انصار موجود نہیں ہیں لہٰذا حضرت مجھ کو جہاد کا حکم دیں گے، پس میں نے خوف کے عالم میں اپنے کو چھپانے کی غرض سے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ وہاں ایک گھوڑا نظر آیا، اس پر سوار ہو کے تیزی کے ساتھ بھاگ نکلا یہاں تک کہ خوف و ہراس کی شدّت سے میری آنکھ کھُل گئی۔ تب مجھ کو اندازہ ہوا کہ میں نے ایک عمر فریب نفس اور اشتباہ میں گزاری ہے۔ اور خدا کی راہ میں قتل ہونے کی تمنّا جو مجھ کو وردِ زبان رہتی تھی حقیقت سے خالی اور جھوٹی تھی۔ یہ ماجرا

نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ محترم ناظرین غلط فہمی میں گرفتار نہ ہوں اور یہ جان لیں کہ اوّل تو شہداء کے ثواب کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ تمنّا حقیقی ہو اور یہ دل کے اوپر محبّت دنیا کے تسلّط کے ساتھ ساتھ محال ہو گا۔ اس کے لئے جہادِ نفس اور ہوا و ہوس سے نبرد آزمائی میں ایک عمر صرف کرنا ہو گی اور اس سلسلے میں مستقل طور پر محنت و مشقّت اور شکنجے کی زحمت برداشت کرنا ہو گی تاکہ کچھ حقیقت پیدا ہو سکے۔ اگر شہید ایک مرتبہ میدان جنگ میں پہونچ کے قتل اور اس کے بعد راحت و آرام سے لطف اندوز ہو جاتا ہے تو نفس کے ساتھ جہاد کرنے والا انسان زندگی بھر نفس اور شیطان سے جنگ کرنے میں مشغول رہتا ہے اسی لئے حدیث نبویؐ میں اسے جہادِ اکبر کا نام دیا گیا ہے۔

اور دوم یہ کہ جس صورت میں تمنا حقیقی ہو اسے شہید کے ثواب جیسا ثواب دیا جاتا ہے نہ کہ بعینہ وہی ثواب۔ کیونکہ خداوند عالم نے شہدائے کربلا کو انکی حیرت انگیز فداکاری کے عوض میں جو درجہ اور مقام مرحمت فرمایا ہے۔ وہ اولین و آخرین میں سے کسی شہید کو بھی نہیں دیا تو اس کا کیا ذکر جو صرف تمنا کر تا رہا ہو۔ البتہ اسکی تمنّا کے بدلے میں اگر اس کے اندر حقیقت بھی ہو۔ اپنے فضل و کرم سے شہیدوں کے ثواب سے مشابہ اور ملتا جلتا ہوا ثواب عنایت فرمائے گا۔

(۸۰)

عورتوں کے چھ فرائض اور سچا خواب

چند سال قبل ایک محترمہ سیدانی نے جو مسجد جامع کی نماز جماعت میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتی تھیں مجھ سے کہا کہ میں مدتوں سے اپنی جدۂ ماجدہ صدیقۂ طاہرہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے اپنی نجات کے لئے متوسل ہوں۔ یہاں تک کہ گذشتہ شب مجھ کو خواب میں ان حضرت کی زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ بی بی ہم عورتیں کیا کریں تا کہ نجات یافتہ ہو جائیں۔ ان جناب نے فرمایا کہ تم عورتیں چھ چیزوں کی پابند رہو تا کہ اہلِ نجات میں سے ہو جاؤ۔ میں نے وہ چھ چیزیں دریافت کرنے سے غفلت کی۔ یہاں تک کہ میری آنکھ کھل گئی۔

آپ بتائیں کہ وہ چھ چیزیں کیا ہیں؟ میری نظر میں آیا کہ قرآن مجید کے اندر سورۂ ممتحنہ کے آخر میں عورتوں کے فرائض اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی بیعت کی قبولیت کے شرائط بیان کئے گئے ہیں۔ پس میں نے مذکورہ سورہ کی بارھویں آیت کی طرف رجوع کیا۔ اور ان شرطوں کو شمار کیا تو دیکھا کہ چھ چیزیں ہیں۔

میں نے ان محترمہ کو متوجہ کیا کہ قطعاً حضرت صدیقہ کبریٰ کی مراد یہی چھ چیزیں تھیں اور اس غرض سے کہ مسلمان اور مومنہ عورتیں اپنے فرائض کو پہچانیں۔ مذکورہ آیت کو مختصر ترجمے کے ساتھ نقل کر رہا ہوں۔

"یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"

(سورۂ ممتحنہ آیت ۱۲)

یعنی اے پیغمبرؐ جب مومن عورتیں تمھارے پاس آئیں اور تم سے عہد کرنا چاہیں کہ چھ چیزوں کو ترک کریں گی جن میں سے پہلی یہ کہ کسی چیز کو خدا کی شریک قرار نہ دیں گی (یعنی ذات وصفات اور افعال وعبادت میں اس تفصیل کے ساتھ جو کتاب گناہانِ کبیرہ میں درج ہے)۔ دوسری وَلَا یَسْرِقْنَ یعنی شوہر یا کسی دوسرے کے مال میں چوری نہ کریں گی۔ تیسری وَلَا یَزْنِیْنَ یعنی زنا نہ کریں گی۔ چوتھی وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ یعنی اپنی اولاد کو قتل نہ کرینگی (اور قتل اولاد میں اسقاط حمل بلکہ اس کے ساتھ بچے کا مادہ تولید یعنی نطفہ، علقہ اور مضغہ بھی شامل ہے کیونکہ ان کا اسقاط بھی حرام اور دیت کا موجب ہے اس کی تفصیل بھی کتاب گناہانِ کبیرہ میں موجود ہے۔) پانچویں وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یعنی اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے افترا پردازی کے ذریعے کوئی بہتان تیار کر کے نہ لائینگی اور کسی پر تہمت تراشی نہ کریں گی۔ (مثال کے طور پر کوئی لاوارث بچہ کہیں سے اٹھا لائیں اور کہیں کہ یہ میرے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ اور میرا بچہ ہے۔ یا پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور انھیں زنا کاری کی نسبت دیں اسی طرح سے مجموعی طور پر ہر طرح کا بہتان عاید کرنے سے پرہیز۔) یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ یعنی جو تمھارا فرمان ہوگا اس میں تمھاری مخالفت نہ کریں گی۔ (مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یا شوہر کی اطاعت پر عمل، اور نامحرم اور اجنبی مرد کو چھونے یا اسے نظر بھر کے دیکھنے سے اجتناب وغیرہ) فَبَایِعْهُنَّ یعنی پس ان شرطوں کے ساتھ ان عورتوں سے بیعت لے لو اور ان کے لئے خدا سے بخشش طلب کرو، کیونکہ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے۔ اور مہربان ہے۔

(۸۱)

امام حسینؑ کی عنایت اور غرق سے نجات

کوہ داراب کے ساکن متقی و پرہیزگار جناب شیخ محمد انصاری نے نقل فرمایا کہ میں سنہ ۱۳۵ھ میں زیارت کربلا سے مشرف ہوا۔ میرا بیٹا بیمار تھا لہذا شفا طلب کرنے کے قصد سے اسے بھی ساتھ لے گیا۔ اربعین کے روز غسل زیارت کے لئے اپنے فرزند کے ساتھ نہر فرات کے کنارے پہونچا اور نہر کے ایک گوشے میں اسے لے کر پانی میں اترا اور غسل میں مشغول ہو گیا ناگاہ دیکھا کہ پانی کا ریلا اسے بہا لے گیا اور بہت فاصلے پر صرف اس کا سر نظر آرہا تھا۔ میں تیرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اور وہاں کوئی دوسرا شخص بھی موجود نہیں تھا جو پیر کے جا سکتا اور اسے ڈوبنے سے بچاتا۔ پس میں انتہائی دل شکستگی اور پریشانی کے عالم میں اپنے پروردگار سے ملتجی ہوا اور حضرت سید الشہداء کے حق کی قسم دیکر اپنا بیٹا طلب کیا میں اپنے فرزند پر اپنی نظریں جمائے ہوئے تھا یکایک دیکھا کہ وہ میری طرف واپس آرہا ہے۔ جب وہ میرے قریب پہونچا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے پانی سے نکال لیا۔ اور اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے کہا میں نے کسی کو دیکھا تو نہیں، البتہ ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص میرا بازو پکڑے ہوئے مجھے آپ کے پاس لا رہا ہے۔

پس میں سجدے میں گر گیا۔ اور اپنی دعا کی قبولیت پر خدا کا شکر ادا کیا۔

(۸۲)

حضرت حجتؑ کی فریاد رسی

جناب شیخ موصوف نے فرمایا کہ میں اسی سفر میں سامراء سے مشرّف ہوا۔ جب میں نے سرداب مقدس میں حاضری کا قصد کیا تو مغرب کا وقت گزر چکا تھا اور میں نے ابھی نماز واجب ادا نہیں کی تھی سرداب کے دروازے سے متصل جو مسجد ہے میں نے دیکھا کہ اس میں جماعت ہو رہی ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ مسجد اہل تسنن کے تصرف میں ہے۔ اور یہ لوگ نماز عشاء میں مشغول ہیں پس میں اپنے بیٹے کے ساتھ مسجد کے برآمدے میں پہونچا اور اس کے ایک گوشے میں نماز اور تربت امام حسین علیہ السّلام کی سجدہ گاہ پر سجدے میں مشغول ہو گیا۔ جب جماعت ختم ہوئی تو لوگ میرے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے غیظ و غضب کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ اور سخت و سست کہہ رہے تھے۔ اب مجھے احساس ہوا کہ مجھ کو اشتباہ ہوا ہے۔ اور میں نے تقیہ نہیں کیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو برآمدے کی ساری روشنیاں گل کر دیں۔ اور دروازہ باہر سے بند کر لیا۔ میں نے ہر چند استغاثہ اور فریاد کی کہ میں مسافر اور زائر ہوں۔ لیکن انھوں نے کوئی اعتنا نہیں کی اس وقت مجھ پر اور میرے بیٹے پر ایک عجیب وحشت اور اضطراب کی حالت طاری ہوئی اور ہم کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں پس ہم لوگ گریہ و زاری کرتے ہوئے اضطرار کے عالم میں حضرت حجتؑ عجل اللہ فرجہ سے متوسل ہوئے اور ان حضرت کے وسیلے سے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں نجات کے طالب ہوئے ناگاہ میرے فرزند نے جو دیوار کے قریب کھڑا رو رہا تھا کہا کہ بابا جان آئیے راستہ پیدا ہو گیا ہے اور دروازے کے قریب دیوار کے اندر جو ستون ہے وہ اوپر اٹھ گیا ہے۔ میں نے دیکھا تو واقعتاً وہ ستون دو تین بالشت زمین سے اس طرح بلند ہو گیا تھا کہ اس کے نیچے سے با آسانی گزرا جا سکتا تھا۔ جب ہم دونوں اسکے نیچے سے نکل کے باہر آگئے تو وہ اپنی سابقہ حالت پر واپس ہو گیا اور راستہ بند ہو گیا میں خدا کا شکر بجا لایا صبح کو آکے وہ مقام دیکھا تو ستون کی جنبش کا کوئی اثر اور نشان نظر نہیں آیا۔ اور د[illegible]یں سوئی کی نوک کے برابر بھی کوئی شگاف موجود نہیں تھا۔

(۸۳)

حضرت فاطمہؑ کے نام پر قفل کا کھلنا

خصوصی کرامتوں کے حامل حاج سیّد مرتضیٰ کشمیری کے فرزند سیّد بزرگوار جناب آقا سیّد علی نقی کشمیری نے فرمایا کہ میں نے فاضل محترم جناب آقائے سیّد عبّاس لاری سے سنا ہے کہ جب میں دینی علوم کی تحصیل کے لئے نجف اشرف میں مقیم تھا تو ماہِ رمضان المبارک میں ایک روز عصر کے وقت اپنی افطاری کا انتظام کر کے اسے حجرے کے اندر رکھا اور باہر آکر دروازہ مقفل کر دیا۔ پھر نماز مغرب وعشاء ادا کرنے کے بعد کچھ رات گئے افطار کرنے کیلئے مدرسے واپس آیا، حجرے کے دروازے پر پہونچ کے جیب میں ہاتھ ڈالا تو کنجی نہیں ملی مدرسے کے اندر ہر طرف جستجو کی اور وہاں موجود بعض طلاب سے بھی دریافت کیا۔ لیکن کنجی کا پتہ نہیں چلا۔ میں بھوک کی شدّت اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے سخت پریشان ہو گیا چنانچہ مدرسہ سے نکل کر حرم اقدس تک اپنی آمد و رفت کے راستے پر غور کرنے لگا ناگاہ مرحوم حاج سیّد مرتضیٰ کشمیری نظر آئے انھوں نے میری حیرانی کا سبب پوچھا تو میں نے صورتحال بیان کی، پس وہ میرے ہمراہ مدرسے کے اندر تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں "اگر کوئی مادر حضرت موسیٰؑ کا نام جانتا ہو اور بند قفل پر وہ نام لے تو قفل کھل جائے گا۔ آیا ہماری جدّہ ماجدہ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا ان سے کم ہیں۔ پس انھوں نے قفل پر ہاتھ رکھا۔ اور ندا کی، یا فاطمہؑ! قفل فوراً کھل گیا۔

(۸۴)

مُصیبت کے بعد راحت

نیز جناب سیّد موصوف نے جناب علم الہدیٰ ملایری کا یہ بیان نقل فرمایا جس زمانے میں تحصیل علم دین کی غرض سے میرا قیام نجف اشرف میں تھا۔ چند روز تک میں اپنی معاشی تنگی کی وجہ سے سخت پریشان حالی میں مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز روٹی خریدنے اور اپنے عیال کے لئے آذوقہ فراہم کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ میں حیرانی کے عالم میں گھر سے نکل کر بازار پہونچا اور بازار کے شروع سے آخر تک کئی چکّر لگائے۔ لیکن کسی سے اپنا حال بیان نہیں کیا۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ بازار میں اس طرح پھرنا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا بازار سے نکل کے ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ اور حاج سعید کے مکان کے قریب پہونچا۔ ناگاہ مرحوم حاج سیّد مرتضیٰ کشمیری اعلی اللہ مقامہ کو دیکھا جب وہ میرے پاس پہونچے تو اپنی طرف سے ابتدا کرتے ہوئے فرمایا، تمھیں کیا ہو رہا ہے؟ تمھارے جد امیر المومنین علیہ السلام جو کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ اور کبھی دو دو روز تک فاقہ شکنی کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا پس انھوں نے حضرت کے کچھ صبر آزما حالات بیان کر کے مجھے تسلّی دی اور فرمایا، صبر کرو یقیناً فارغ البالی حاصل ہو گی نجف کے اندر تو زحمت برداشت کرنا اور تکلیف اٹھانا ہی چاہیے اس کے بعد چند فلس (اس زمانے کا رائج الوقت سکّہ) میری جیب میں ڈالے اور فرمایا انھیں شمار کرنا اور کسی کو اس کی اطلاع بھی نہ کرنا۔ اور ان میں سے جتنا چاہنا خرچ کرنا۔ پھر وہ مجھ سے رخصت ہو کر چلے گئے اور میں بازار میں آکر انھیں پیسوں سے روٹی اور نانخورش خرید کے گھر لے گیا۔ اسی طرح کچھ دنوں تک غذا کی خریداری کرتا رہا۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ اب چونکہ یہ پیسے ختم نہیں ہو رہے ہیں اور جب بھی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوں موجود ملتے ہیں۔ لہٰذا بہتر ہو گا کہ ان سے اپنے عیال کو بھی آسودگی اور آرام پہونچاؤں۔ پس میں نے اس روز گوشت خریدا میری زوجہ نے کہا معلوم ہوتا ہے آپکو خوشحالی حاصل ہو گئی ہے میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا، اگر ایسا ہے تو میرے لباس کے لئے کچھ کپڑے کا انتظام کر دیجئے۔ میں بازار گیا اور اُن کی

خواہش کے مُطابق کپڑا خریدنے کے بعد جیب میں ہاتھ ڈال کے کچھ پیسے نکالے اور بزاز کے سامنے رکھتے ہوئے کہا، ان میں سے کپڑوں کی جو قیمت ہو لے لو، اور اگر کچھ کمی ہو تو وہ بھی پوری کر دوں۔ جب اس نے پیسوں کو شمار کیا تو قیمت کے مُطابق تھے۔ ایک سال سے زیادہ مدّت تک میرا یہی حال رہا کہ روزانہ جتنی ضرورت ہوتی تھی ان پیسوں میں سے خرچ کرتا رہا۔ اور کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ایک روز دھونے کے لئے لباس اتارا اور اس چیز سے غفلت کی کہ جیب سے پیسے نکال لوں۔ پھر گھر سے باہر چلا گیا۔ لباس دھونے کے وقت میرے ایک بیٹے نے جیب میں ہاتھ ڈال کے وہ پیسے نکال لئے۔ اور سب کے سب اُس روز کے ضروریات میں خرچ کر دیئے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ کسی چیز میں برکت پیدا ہونا اور صرف کرنے سے اس کا کم نہ ہونا خداوند کریم سے ایک ممکن بلکہ واقعی اَمر ہے۔ اس کے شواہد کثرت سے ہیں بلکہ کتابوں میں درج ہیں۔ لیکن اس مقام پر انکو نقل کرنا کتاب کے موضوع سے الگ ہے۔ ان کے لئے مرحوم حاج سیّد مرتضیٰ کشمیری کے کرامات اور حضرت حجّت العصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی خدمت میں ان کا مشرف ہونا نجف اشرف کے اکثر علماء کے نزدیک مسلّم ہے۔

(۸۵)

خیال کی اطلاع

نیز جناب سیّد موصوف نے عالم ربّانی حاج سیّد مرتضیٰ کشمیری کے شاگرد مرحوم شیخ حسین حلاوی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ مرحوم آقائے سیّد محسن عالمی کی دختر سے عقد کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ اس بارے میں استخارے کے لئے سیّد استاد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قبل اس کے کہ اپنا اصل مقصد ظاہر کروں عرض کیا کہ میرے لئے ایک استخارہ فرما دیجئے۔ جناب سیّد نے تھوڑے سے تامّل کے بعد فرمایا کہ میں اسکو پسند نہیں کرتا۔ کہ سیدانی غیر سیّد کے ساتھ عقد کرے۔ جب انھوں نے ابتدا ہی میں یہ فرما دیا تو میں نے استخارے کا ارادہ ترک کر دیا۔

(۸۶)

گم شدہ چیز کی بازیابی

صاحب فضیلت اور ثقہ بزرگوار جناب حاج شیخ محمد تقی لاری نے جو چند سال تک نجف اشرف میں قیام کر چکے تھے نقل کیا کہ ایک روز میں کربلائے معلّٰی کے بازار میں اپنے ایک بزاز دوست کی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا، ناگاہ میں نے دیکھا کہ بازار کے وسط میں ایک سونے کا سکّہ پڑا ہوا ہے اور ادھر سے گذرنے والے اسے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ میں بغیر کسی سے کچھ کہے ہوئے اس طرف گیا اور اسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو سمجھ میں آیا کہ مجھے دھوکا ہوا ہے۔ وہ سونا نہیں بلکہ ناک کی منجمد رطوبت ہے۔ مجھے اپنی حرکت بری معلوم ہوئی۔ اور میں پلٹ کے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور اس کو کسی نے محسوس نہیں کیا۔ دوبارہ نظر ڈالی تو دیکھا کہ طلائی سکّہ ہے۔ کافی غور و خوض کے بعد جب پورا یقین ہوگیا تو پھر اس کے پاس پہونچا اور اسے اٹھانا چاہا تو نظر آیا کہ وہی ناک کی رطوبت ہے۔ میں شرمندہ ہو کر اپنی جگہ واپس آگیا۔ سہ بارہ اس پر نگاہ دوڑائی۔ تو دیکھا کہ سونے کا سکّہ ہے۔ تو اس مرتبہ میں نہیں اٹھا۔ اور اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ پس دیکھا کہ اہل علم میں سے ایک محترم سید پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر نگاہیں ڈالتے ہوئے آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سکّے کے پاس پہونچے تو فوراً اسے اٹھا کے جیب میں رکھ لیا۔ جب وہ جانے لگے تو میں تیزی کے ساتھ ان کے پاس پہونچا۔ انکا حال پوچھا اور کہا کہ وہ طلائی سکّہ کیسا تھا۔

انھوں نے کہا کہ خدا نے آج مجھے ایک نومولود بیٹا عنایت فرمایا ہے۔ گھر کے اخراجات کے لئے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ لہذا فلاں شخص سے وہ سکّہ قرض لیا اور بازار جا کے ضروری

چیزیں خریدیں۔ لیکن جب قیمت دینے کے لئے سکّہ خردہ کرانا چاہا تو وہ نہیں ملا۔ میں نے سمجھ لیا کہ کہیں گر گیا ہے۔ چنانچہ اپنی گذرگاہ پر ڈھونڈھتا رہا۔ اور بالآخر پاگیا۔

یہ داستان نقل کرنے کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ ہمارا خالق اور پروردگار جو بندوں کے امور کا مدبّر ہے ایک لحظے کے لئے بھی ان کے معاملات کی اصلاح سے جزئی یا کلّی طور پر غفلت نہیں فرماتا۔ آپ اس داستان میں دیکھتے ہیں کہ طلائی سکّے کو کس طرح جناب شیخ موصوف پر مشتبہ فرما کے انھیں اٹھانے سے باز رکھا۔ کیونکہ اگر وہ اٹھالے جاتے تو بیچارے سید آتے اور اسے نہ پاکر سخت پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔

پس ایک موحّد انسان کو ہمیشہ اپنے پروردگار پر توکل اور اعتماد رکھنا چاہیئے۔

وھو نعم الوکیل۔

(۸۷)

اپنے زائرین پر امام حسینؑ کا کرم

نجف اشرف کے بعض معتمد اہلِ علم نے عالم زاہد مرحوم شیخ حسین بن شیخ مشکور کا یہ بیان نقل کیا کہ میں نے عالم رویا (خواب) میں دیکھا کہ میں حضرت سیّد الشہداء کے حرم مطہر میں حاضر ہوں اسی دوران ایک جوان اور چُست و چالاک عرب حرم میں داخل ہوا۔ اور مسکراہٹ کے ساتھ حضرتؑ کو سلام کیا۔ اور حضرتؑ نے بھی تبسّم کے ساتھ اس کا جواب دیا۔ دوسرے روز رات کے وقت جبکہ شبِ جمعہ تھی میں حرم مطہر میں مشرّف ہوا، اور ایک گوشے میں بیٹھ گیا ناگاہ وہی عرب جسے خواب میں دیکھا تھا وارد ہوا، اور جب ضریح مقدّس کے سامنے پہونچا تو مسکرا کے سلام کیا۔ لیکن میں نے حضرت سیّد الشہداءؑ کو نہیں دیکھا۔ میں نے اس عرب کے اوپر نظر رکھی۔ یہاں تک کہ جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اس کے پیچھے میں بھی نکلا اور امامؑ کی خدمت میں مسکرانے کا سبب دریافت کیا۔ ساتھ ہی اپنے خواب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ تم نے کیا کیا ہے۔ کہ امامؑ تمھیں مسکرا کے جواب دیتے ہیں۔ اس نے کہا میرے ماں اور باپ دونوں بوڑھے ہیں۔ اور میں کربلائے معلّٰی سے چند فرسخ کے فاصلے پر رہتا ہوں۔ جب میں شبِ جمعہ میں زیارت کے لئے آتا ہوں تو ایک ہفتے میں اپنے باپ کو الاغ پر سوار کر کے لاتا ہوں۔ اور دوسرے ہفتے ماں کو۔ یہاں تک کہ ایک شب جمعہ میں جب میرے باپ کی باری تھی انھیں سوار کیا تو میری ماں نے رونا شروع کیا۔ اور کہا مجھے بھی لیتے چلو، شاید میں اگلے ہفتے تک زندہ نہ رہوں۔ میں نے کہا بارش ہو رہی ہے اور ہوا بھی سرد ہے۔ ایسے موسم میں آپ کا چلنا آسان نہ ہو گا۔ لیکن وہ رکنے پر آمادہ نہیں ہوئیں۔ مجبوراً باپ کو سوار کیا اور ماں کو کندھے پر بٹھا کے سخت زحمت کیساتھ

دونوں کو حرم تک پہونچایا۔

جب میں اس حالت میں اپنے ماں باپ کے ہمراہ حرم میں داخل ہوا تو حضرت سیّد الشہداءؑ کو دیکھا اور سلام کیا۔ اور ان حضرتؑ نے تبسّم فرماتے ہوئے جواب دیا، اس کے بعد سے اب تک ہر شب جمعہ میں جب میں زیارت سے مشرّف ہوتا ہوں تو حضرتؑ کو دیکھتا ہوں اور آپ مجھے مسکرا کے جواب دیتے ہیں۔

اس داستان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو جو چیز بزرگانِ دین کی عنایت اور رضامندی کی مستحق بناتی ہے وہ ہے مومنین خصوصاً والدین اور خاص الخاص طور سے قبر حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام زائرین کے ساتھ صدق اخلاص اور محبّت کا سلوک اور ان کی خدمتگزاری۔

(۸۸)

فقیہ عادل کا درجہ

نیز مرحوم شیخ محمد نہاوندی سے نقل کیا ہے کہ ایک شب انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ مشہد مقدّس کی زیارت سے مشرّف ہوئے اور حرم کے اندر داخل ہوئے تو بالائے سر (سرہانے) کی جانب حضرت حجّت ابن الحسن عجل اللہ تعالےٰ فرجہ کو دیکھا۔ ان کے دل میں گزرا کہ انھیں مراجع کرام حضرات سے خمس سہم امام علیہ السّلام میں تصرّف کی اجازت تو حاصل ہے، لیکن بہتر ہوگا کہ خود حضرتؑ ہی سے اجازت لے لیں۔ پس حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی اور عرض کیا کہ آپ اپنے سہم میں کس حد تک تصرّف کا اذن عطا فرماتے ہیں۔؟ حضرتؑ نے فرمایا ایک مہینے میں اتنی رقم (لیکن وہ مقدار ان کی یادداشت سے نکل گئی تھی) چند سال کے بعد شیخ محمد موصوف زیارت مشہد مقدّس کے لئے حاضر ہوئے تو انھیں اوقات میں مرحوم آیۃ اللہ حاج آقا سیّد حسین بروجردی بھی وہاں موجود تھے۔ ایک روز شیخ محمد حرم کے اندر داخل ہوئے اور بالائے سر (سرہانے) کی طرف پہونچے تو دیکھا کہ جس جگہ حضرت حجّت عجل اللہ فرجہ تشریف فرما تھے آقائے بروجردی بھی وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے دل میں آیا کہ اکثر مراجع تقلید سے تو سہم امام علیہ السّلام میں تصرف کی اجازت لے چکا ہوں۔ لیکن اچھا ہوگا کہ آقائے بروجردی سے بھی اجازت لے لوں چنانچہ ان کی خدمت بھی پہونچ کے اذن طلب کیا۔ انھوں نے بھی فرمایا کہ ایک ماہ میں اتنی رقم (یعنی اُسی مقدار میں جو حضرت حجّتؑ نے خواب میں ارشاد فرمائی تھی) پس شیخ کو چند سال قبل کے خواب کی پوری تفصیل یاد آگئی۔ اور انھوں نے سمجھ لیا کہ سب کچھ بعینہ اسی طرح پیش آیا ہے سوا اس کے کہ بجائے حضرت حجّت عجل اللہ فرجہ آقائے بروجردی بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت امام علیہ السّلام کے زمانے میں شیعوں کو فقیہ عادل کا مرتبہ سمجھنا چاہیئے۔ اسے اپنے امامؑ کا نائب جاننا چاہیئے۔ اس کی قدردانی کرنا

چاہیئے، وظائف شرعیہ اور احکام الٰہی معلوم کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور اس کے حکم کو حکم امامؑ تسلیم کرنا چاہیئے۔

کتاب مفاتیح الجنان میں حاج علی بغدادی کی جو داستان نقل کی گئی ہے اس میں بھی حضرت حجّتؑ عجل اللہ فرجہ نے حاج علی سے فرمایا ہے کہ نجف اشرف کے مراجع یعنی شیخ مرتضٰی انصاری، شیخ محمد حسین کاظمی، اور شیخ محمد حسن شروقی میرے وکلاء ہیں۔ نیز فرمایا کہ میرا جو حق انھیں پہونچا دو گے وہ مقبول ہے۔

(۸۹)

انجام کا خوف

جناب آقائے منوچہر موریسی سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایک طویل داستان نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس زمانے میں وہ لارستان کے اطراف میں قریہ اسیر کے اندر تعلیم وتدریس کے کام میں مشغول تھے تو اس قریہ کا ایک جوان باشندہ جس کا نام احمد تھا سخت بیمار ہوا یہاں تک کہ اس پر نزع کی حالت طاری ہوگئی۔ پس اس کے عالم احتضار میں آقائے منوچہر نے اسے عقائد کی تلقین کرنا شروع کی۔ اس نے شدید اصرار کے بعد کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ زبان پر جاری کیا اسی طرح مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی بہت مشکل سے کہا، لیکن عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ کا جملہ ادا نہیں کیا۔ جب زیادہ کوشش کی گئی تو سر ہلا کے اسے کہنے سے انکار کیا، پھر زبان سے بھی کہا، کہ میں نہیں کہوں گا۔ اس کے بعد اس پر غفلت اور بیہوشی کی حالت طاری ہوگئی۔ اور جو لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے ہٹ گئے۔ وہ چند روز تک اسی عالم میں رہا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے شہر شیراز لیجا کر ہسپتال میں داخل کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس کی حالت سنبھل گئی۔ اور وہ ہسپتال سے خارج ہوگیا۔ یہ اسے دیکھنے کے لئے گئے اور کہا کہ اس روز جب میں تمھیں تلقین کر رہا تھا تم عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ کہنے سے کیوں انکار کر رہے تھے۔؟ یہ سوال سنتے ہی احمد پر ایک خوف اور وحشت کی کیفیت طاری ہوگئی اس نے اپنے ہونٹ کاٹنا شروع کئے۔ اور کہا جس وقت تم مجھے کلمۂ شہادت کی تلقین کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ شہادت ایک زنجیر کی صورت میں ہے۔ جس کے تین مضبوط حلقے ہیں۔ پہلے حلقے پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، دوسرے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اور تیسرے پر عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا، پہلا حلقہ میرے ہاتھ میں، دوسرا وسط میں، اور تیسرا ایک وحشت ناک صورت والے دیو کے ہاتھ میں تھا۔ اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک کیسہ تھا جس کے بارے میں محسوس ہو رہا تھا کہ میرا

سارا مال و دولت روپیہ پیسہ اسی کے اندر ہے۔ میں نے تمھاری تلقین سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو کہہ دیا لیکن جب عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ کہنا چاہتا تھا تو وہ دیونما شخص زنجیر کو سختی کے ساتھ میرے ہاتھ سے کھینچتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اگر تم نے فقرہ کہا تو میں تمھارا تمام پیسہ اور بینک کے کاغذات جو اس کیسے میں ہیں لے جاؤں گا۔ اور میں بھی اس خوف سے کہ میرا تمام سرمایہ لے کے چلا نہ جائے نہیں کہتا تھا۔ مجھے اس حالت میں اپنے پیسوں سے بہت زیادہ محبّت ہوگئی تھی۔ لیکن اس موقع پر بھی حلقۂ توحید کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ اور چھوڑ نہیں رہا تھا۔ میں اسی کشمکش اور پریشانی میں مبتلا تھا۔ کہ ناگاہ ایک دلکش اور نورانی صورت سیّد ظاہر ہوئے اور اپنا پائے مبارک زنجیر پر اس طرح سے رکھ دیا کہ اس دیو صورت کا ہاتھ ان بزرگوار کے پاؤں کے نیچے آ کے کچل گیا۔ اس نے ایک چیخ مار کے زنجیر چھوڑ دی، اور پوری زنجیر میرے ہاتھ میں آ گئی۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا کہ کیا ہوا۔ یہاں تک کہ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے کو پسینے میں غرق اور بستر علالت پر پایا۔

میں نے اس داستان کے مانند لائق اعتماد حضرات سے ایسے افراد کے بارے میں دیگر داستانیں بھی سنی ہیں۔ جنھیں آخری عمر میں دنیا سے شدید لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ اور ان کی یہ محبّت دنیا دینی اور ایمانی روابط پر غالب آگئی تھی۔ بلکہ وہ ان چیزوں سے انکار اور اظہارِ نفرت کے ساتھ مرے لیکن ان کو نقل کرنا غیر ضروری اور طول کلام کا باعث ہے۔

اسی طرح اس بارے میں کچھ واقعات معتبر کتابوں میں بھی نقل ہوئے ہیں جن میں سے صرف ایک واقعہ کتاب منتخب التواریخ باب ۱۴ حکایت نمبر ۶ سے نقل کیا جا رہا ہے۔ حکایت کا خلاصہ یہ ہے۔

اہل علم میں سے ایک شخص کے احتضار کا وقت آیا تو بعض حضرات نے اس کے سرہانے دعائے عدیلہ پڑھنا شروع کی۔ جب اشھد ان الائمۃ الابرار کے جملے پر پہونچے تو اس نے کہا، یہ پہلی بات ہے۔ یعنی میں اسے قبول نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اسے تین بار اس کی تلقین کی گئی۔ لیکن وہ ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ یہ پہلی بات ہے۔ اس کے ایک لحظہ بعد ہی اس کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹنے لگا۔ اور اس نے آنکھیں کھول کے حجرے کے ایک گوشے میں رکھے

ہوئے صندوق کی طرف اشارہ کیا، اور اسے کھولنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے صندوق سے ایک پرچہ نکال کے اسے دیا۔ جسے اس نے پھاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے ایک شخص کو پانچ تومان قرض دیئے تھے اور اس سے یہ تحریری سند لے لی تھی، جب مجھ سے کہا جاتا تھا کہو، واشھد ان الائمۃ الابرار، تو میں دیکھتا تھا کہ ایک سفید داڑھی والا بوڑھا شخص صندوق پر کھڑا ہوا ہے اور اسی سند کو ہاتھ میں لئے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے یہ کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا تو میں اسے چاک کر ڈالوں گا۔

مجھے اس سند سے اتنی شدید محبت ہو گئی تھی کہ میں شہادت کے یہ الفاظ ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ اب چونکہ خدا نے مجھ پر کرم فرمایا ہے اور مجھے شفا بخشی ہے لہٰذا میں نے اسے خود ہی چاک کر دیا ہے تاکہ کلمۂ شہادت سے روکنے والی کوئی چیز باقی ہی نہ رہے۔

یہ داستان پڑھنے اور سننے والے کے اندر خوف اور امید کی دونوں حالتیں پیدا ہونا چاہیئے۔ حالتِ خوف اس لئے کہ وہ اپنے دل میں دنیا کی محبّت اور فانی امور کی جانب کشش سے ڈرے کیونکہ شیاطین اسی وسیلے سے اس پر کامیابی پاتے اور مسلّط ہوتے ہیں۔ چونکہ شیاطین کو انسان پر قبضہ حاصل کرنے کا راستہ صرف انھیں چیزوں کے ذریعے ملتا ہے، جن سے اس کو قلبی تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا دل کو دنیا کی محبّت سے خالی ہونا چاہیئے۔ یا کم از کم خدا اور رسولؐ، امامؑ اور عالم آخرت کی محبّت اس پر اس حد تک غالب ہو کہ دنیاوی تعلقات سے منھ موڑ لے۔ لیکن الٰہی روابط سے دستبردار نہ ہو۔ اور اپنے دین کو مال و اولاد اور دیگر دنیاوی دلچسپیوں سے زیادہ عزیز رکھّے۔ اس طرح سے کہ ان تمام چیزوں کو اپنے دین پر قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ اور یہ رشتے ان کے دل میں اس کے دین سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے ہوں

حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ماہ رمضان المبارک کی فضیلت میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اور جسے شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے عیون الاخبار میں نقل کیا ہے اس کے آخر میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے گریہ فرمایا تو حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے گریہ کا سبب دریافت کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میرا گریہ ان مصیبتوں کی وجہ سے ہے جو اس مہینے میں تم کو پہونچیں گی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب تم نماز میں مشغول ہوگے۔ تو ایک شقی ترین خلق تمھارے

سر پر ضربت لگائے گا۔ اور اس ضرب سے تمھاری داڑھی کو خون سے رنگین کرے گا۔" فقال امیرُ المومنینَ ع یا رسولَ اللہِ ص وذالکَ فی سلامۃٍ من دینی۔ فقالَ ص فی سلامۃٍ من دینکَ"

یعنی امیر المومنین علیہ السّلام نے پوچھا "یا رسول اللہ! آیا ضربت لگنے اور شہید ہونے کے وقت میرا دین سلامت رہے گا۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا اور بشارت دی ہاں۔ تمھارا دین سالم رہے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کا دین سلامت رہے تو جو مصیبت بھی اس کے سر پر آئے یا جو چیز بھی اس سے لی جائے یہاں تک کہ جان بھی چلی جائے تو اس کے لئے سہل ہے۔

حضرت ابو الفضل العبّاس علیہ السّلام نے روزِ عاشورہ اپنا داہنا ہاتھ قطع کئے جانے کے بعد یہ شعر پڑھے۔

وَاللہِ اِنْ قَطَعْتُمُوْا یَمِیْنِیْ — اِنِّیْ اُحَامِیْ اَبَداً عَنْ دِیْنِیْ
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْیَقِیْنِ — نَجْلِ النَّبِیِّ الطَّاهِرِ الْاَمِیْنِ

یعنی خدا کی قسم اگرچہ تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا ہے لیکن میں اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ اور ہمیشہ اس کی حمایت جاری رکھوں گا۔ اور اپنے امامؑ کی حمایت کرتا رہوں گا۔ جو راستگو طاہر و امین پیغمبرؐ کے فرزند ہیں۔

پھر جب آپکا بایاں ہاتھ قطع ہوا تو فرمایا۔

یَا نَفْسُ لَا تَخْشَیْ مِنَ الْکُفَّارِ — وَاَبْشِرِیْ بِالرَّحْمَةِ الْجَبَّارِ
مَعَ النَّبِیِّ السَّیِّدِ الْمُخْتَارِ — قَدْ قَطَعُوْا بِبَغْیِهِمْ یَسَارِیْ
فَاَصْلِهِمْ یَا رَبِّ حَرَّ النَّارِ

یعنی اپنے نفس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اے نفس! کافروں کے آزار اور اذیت رسانی سے خوف زدہ نہو، اور اس پروردگار کی رحمت سے جو تلافی کرنے والا ہے اور رسول مختار کا ساتھ دینے سے جو کائنات کے سید و سردار ہیں شادکام رہ۔ کفّار نے اپنے ظلم سے میرا بایاں ہاتھ بھی قطع کر دیا، خداوندا! انھیں آتش جہنّم کی حرارت میں داخل فرما۔

خلاصہ یہ کہ انسان کے لئے دین کے مقابلے میں ہر قسم کی محرومیت اور آزار و مضرّت بے حقیقت ہونا چاہیئے۔ اور خدا اور رسولؐ، امامؑ اور عالمِ آخرت سے اس کا قلبی تعلق ہر چیز

سے یہاں تک کہ اس کی جان سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا ایمان درست نہیں ہے۔

"وَعَنِ الصَّادِقِ عٰ لَا يُمَحِّضُ رَجُلٌ اَلْاِيْمَانَ بِاللّٰهِ حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ وَوَلَدِهٖ وَاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَمِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ"۔

"وَعَنِ النَّبِيِّ صٰ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنَنَّ عَبْدٌ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَاَبَوَيْهِ وَاَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" (سفینۃ البحار جلد ۱ صہ ۲۰۱)

یعنی امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اللہ پر اپنے ایمان کو خالص نہیں کر سکتا، جب تک خدا اس کے نزدیک خود اس کی جان، اس کے باپ، اس کی ماں، اس کے فرزند، اس کے اہل، اس کے مال اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔

اور حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ قسم اس خدا کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بندہ ہرگز اس وقت تک با ایمان نہیں ہوتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان، اس کے والدین، اس کے اہل وعیال اس کے فرزند اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہونگا۔

یہ دونوں حدیثیں سورۂ توبہ کی آیت ۶۵ کے مُطابق ہیں۔ ارشاد ہے۔

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٟاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ"

یعنی کہدو اگر تمھارے باپ دادا اور تمھارے فرزند اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو تمھارے نزدیک اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو کہ خدا اپنا فرمان نافذ کرے۔ (یعنی تم پر عذاب کا حکم دے) اور خدا بدکار لوگوں کی ہدایت نہیں فرماتا۔

مختصر طور پر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جو شخص خدا اور رسولؐ اور امامؑ اور آخرت کے باقی امور کے مقابلے میں شہوات نفسانی اور دنیا کے فانی امور سے زیادہ دلبستگی رکھتا ہو وہ سخت

خطرے میں ہے یعنی اسے ایسے امتحانات پیش آئیں گے کہ وہ اکثر مواقع پر اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر دے گا اور اگر وہ دنیاوی زندگی کی مدّت سلامتی سے گزار بھی لے جائے تو عمر کے آخری لمحات میں شیاطین کے دستبرد کا خطرہ درپیش ہوگا۔ جیسا کہ مذکورہ داستان میں نقل ہوا ہے، سوا اس صورت کے کہ خدا کا فضل وکرم مدد فرمائے اور خطرے کے اوقات میں دستگیری فرمائے اور اس کے لئے سوا اس صورت کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ کہ اس پروردگار کی بارگاہ میں تضرع وزاری کے ساتھ التجا کی جائے کہ وہ اس کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے، "فَاِذَا دَعَا دَعَا اَلْحَمَّاتُ عَلَى الْاِيْمَانِ" (اصول کافی کتاب الایمان والکفر)۔

یعنی جب بندہ دعا کرتا ہے اور الحام وزاری کے ساتھ خدا کو پکارتا ہے تو وہ ایمان پر مرتا ہے۔

کنوں ہر ساعت غم بیش دارم — کہ روزِ واپسیں درپیش دارم
در آں ساعت خدایا یاریے دہ — زغفلت بندہ را بیداریے دہ
در آں ساعت ز شیطانم نگہدار — بہ لطفت نور ایمانم نگہدار
چو جانِ من رسد در نزع برلب — فرو مگذار دستم گیر یارب
چو در جانم نماند زاں لقا ہوش — تو در جانم مکن نامت فراموش

(یعنی اب تو ہر ساعت میرا غم بڑھتا جاتا ہے اس لئے کہ موت کا دن سامنے ہے۔ خداوندا اس وقت مدد فرمانا اور بندے کو غفلت سے ہوشیار رکھنا، اس موقع پر مجھے شیطان سے محفوظ رکھنا۔ اور اپنی مہربانی سے ایمان کا نور قائم رکھنا۔ جب عالم نزع میں میری جان لبوں پر ہو تو مجھے نظر انداز نہ کرنا بلکہ دستگیری فرمانا۔ اگر مجھ کو تیری ملاقات کا ہوش باقی نہ رہے تو میرے دل و دماغ سے اپنے نام کو محو نہ فرمانا)

البتہ امید ورجاء کے بارے میں یہ جان لینا چاہیئے کہ جو شخص سچائی اور خلوص کے ساتھ اپنے پروردگار پر ایمان لایا ہو، محمدؐ وآلِ محمدؐ علیہم السّلام کو اولیائے خدا، اسکی حجتیں اور اس کی وحی کی تبلیغ کا ذریعہ جانتا ہو۔ انھیں جان ودل سے دوست رکھتا ہو، نیز عالم آخرت پر یقین رکھتا ہو اور اسے دنیا سے اہم جانتا ہو، بہشت اور جوار اہلبیتؑ علیہم السلام میں پہونچنے

اور لقائے الٰہی کا مشتاق اور آرزومند ہو، اس طور سے کہ یہ ایمان و محبت اس کے دل میں راسخ ہو جس کا لازمی نتیجہ پروردگار کی بارگاہ میں خضوع و خشوع اس کی عبودیت و اس کی اطاعت وعبادت پر آمادگی ہے۔ ایسا ایمان اگر آخر عمر تک باقی رہے اور انسان اسے ہاتھ سے نہ جانے دے تو وہ شیاطین کے حملے اور تسلّط کی زد میں نہ آئے گا، اور جیسا کہ پروردگار نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے، اپنے مومن بندے کی مدد فرمائے گا۔ ارشاد ہے، وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" (سورہ ۲ آیت ۱۴۳) یعنی خدا تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرتا، یقیناً خدا انسانوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

"وَیُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ" (سورہ ۱۴ آیت ۲۷)
یعنی خدا ثابت و استوار رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے راست و محکم قول کے سبب سے دنیا اور آخرت کی زندگی میں۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، شیطان ہمارے دوستوں میں سے کسی شخص کی موت کے وقت حاضر ہوتا ہے۔ اور اس کی داہنی و بائیں جانب سے پیش قدمی کرتا ہے تاکہ اس کے ایمان کو چھین لے۔ لیکن خدا اسے اس کا موقع نہیں دیتا جیسا کہ ارشاد ہے۔ پھر آپؑ نے آیت "وَیُثَبِّتُ اللّٰہُ الخ" کی تلاوت فرمائی۔

اس مطلب پر بہت سی روایتیں منقول ہیں۔ اور دونوں مذکورہ داستانوں میں بھی آپ نے قدرت کی مدد اور شیطان کے شر سے نجات دینے کو ملاحظہ فرمایا ہے۔ ایسی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔

(۹۰)

شش ماہہ لڑکی کی زندگی اور سب کی موت

نیز جناب مولوی موصوف نے نقل کیا کہ تقریباً تیس سال قبل کوئٹہ بلوچستان میں (جو اب پاکستان کا حصّہ ہے) ایسا سخت زلزلہ آیا تھا کہ اس سے سارا شہر تباہ ہو گیا تھا۔ اور تقریباً پچیس ہزار افراد ہلاک ہوئے تھے۔ میرزا محمد تقی کے فرزند میرزا محمد شریف کی ایک شش ماہہ لڑکی جس کا نام حمیرا تھا زلزلے کے وقت گہوارے کے اندر تھی، ایک ہفتہ گزرنے کے بعد انگریز حکومت نے حکم دیا کہ مسلمانوں ہندوؤں اور دیگر فرقوں کے اشخاص کی جتنی بھی لاشیں دستیاب ہوں وہ سب یکجا کر کے جلا دی جائیں۔ ایک بچّی کی ماں (زمرد دختر رجب علی) نے اپنے شوہر سے کہا کہ گھر کے مقام پر جائے اور بتائی ہوئی نشانی کے مُطابق اس کی بچّی کی لاش نکال کے لے آئے تاکہ وہ اہلِ ہنود کی لاشوں کے ساتھ جلائی نہ جائے۔ جب اس جگہ کی کُھدائی کی گئی تو نظر آیا کہ دو لوہے کے گرڈر ترچھے ہو کر گہوارے کے اوپر مُڑ کے ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے چھت کا ملبہ بچّی تک نہیں پہونچ سکا ہے، اور ایک ڈھیلا اس کے منہ کے اندر ہے جسے وہ چوس رہی ہے۔ البتہ ایک ڈھیلا لگ جانے سے اس کی پیشانی کا ایک حصّہ زخمی ہو گیا تھا۔ چونکہ وہ لڑکی زندہ ہے لہٰذا اس زخم کا نشان اب بھی اس کی پیشانی پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا خاندان ہمارے اعزاء میں سے ہے۔

(۹۱)

علیؑ کے حق میں غفلت نہ کرو

جناب مولوی موصوف نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ قندھار میں ایک نیک سیرت شخص مُحبِّ علیؑ کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ علیہ السّلام کی محبّت نے اس کے سارے دل کا احاطہ کر لیا تھا۔ اور وہ حضرتؑ کے عشق کی اس منزل پر پہونچا ہوا تھا۔ کہ جب اس سے کہا جاتا تھا، مُحبِّ علیؑ! "بیدار علیؑ باش" (یعنی علیؑ کے حق میں ہوشیار رہو) تو اس کی عام حالت میں انقلاب آجاتا تھا۔ اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ جب اس کا انتقال ہوا اور غسل خانے میں اسے غسل دیا جا رہا تھا تو اس کے سارے دوست احباب رو رہے تھے۔ اسی حال میں اس کے ایک دوست نے اسے آواز دی اور کہا، محبّ علیؑ! بیدار علیؑ باش دفعتاً اس کا داہنہ ہاتھ بلند ہوا جسے اس نے آہستہ آہستہ اپنے سینے پر رکھ لیا۔ جب یہ بات مشہور ہوئی تو قندھار کے شیعہ اسے دیکھنے کے لئے جوق در جوق پہونچنے لگے۔ اور یہ منظر دیکھ کے ذوق و شوق کے عالم میں ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ غسل کے خاتمے تک اس کا ہاتھ اسی طرح سے سینے کے اوپر رہا۔

گر نام تو بر سرم بگویند فریاد بر آید از روانم

(یعنی اگر میرے سرہانے تمھارا نام لے لیا جائے تو میری روح سے نالہ و فریاد کی آواز بلند ہوگی)۔

حضرت امیرالمومنینؑ ابن ابیطالبؑ اور دیگر حضرات اہلبیت علیہم السّلام کی محبّت تمام مسلمانوں پر ایک اہم الٰہی فریضہ ہے۔ قرآن مجید میں اسے اجر رسالت بتایا گیا ہے۔ اور

متواتر احادیث و روایات میں اسے خدا اور رسولؐ پر ایمان کا لازمی حصّہ بلکہ نفس ایمان قرار دیا گیا ہے۔ نیز دنیا و آخرت میں اس کے عظیم اثرات و نتائج کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

ان حقائق کو جاننے کے لئے کتاب بحار الانوار جلد ۷ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے اِس مقام پر صرف ایک حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جسے اہل تسنّن کے بڑے محقق اور مُفسّر نے تفسیر کشاف میں آیت "قُل لَّا اَسئَلُکُم عَلَیہِ اَجراً اِلَّا المَوَدَّۃَ فِی القُربیٰ" کے تحت نقل کیا ہے۔ اور اس سے امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔

"حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو شخص آل محمدؐ کی دوستی کے ساتھ دنیا سے اٹھا وہ شہید، بخشا ہوا، توبہ کیا ہوا، اور کامل ایمان کے ساتھ مرا، ملک الموت اور منکر و نکیر اسے جنّت کی بشارت دیتے ہیں۔ اور اسے اکرام و احترام کے ساتھ اس طرح بہشت میں لیجاتے ہیں۔ جس طرح عروس کو حجلۂ عروسی میں لیجایا جاتا ہے۔ اس کی قبر کے اندر دو دروازے بہشت کی جانب کُھل جاتے ہیں۔ خدا اسکی قبر کو ملائکۂ رحمت کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ سُنّت رسول خداؐ اور جماعت مسلمین پر مرتا ہے۔ آگاہ رہو کہ جو شخص آلِ محمدؐ کی دشمنی پر دنیا سے اٹھا وہ کافر مرا، اور قیامت کے روز اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ رحمت خدا سے محروم ہے۔ اور بہشت کی خوشبو اس کے مشام تک نہیں پہونچ سکتی۔[۱]

---

[۱]۔ عَنِ النَّبِیِّ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَہِیدًا اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ تَائِبًا اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مُؤْمِنًا مُسْتَکْمِلَ الْاِیْمَانِ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ بَشَّرَہٗ مَلَکُ الْمَوْتِ بِالْجَنَّۃِ ثُمَّ مُنْکَرٌ وَّنَکِیْرٌ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ یُزَفُّ اِلَی الْجَنَّۃِ کَمَا تُزَفُّ الْعَرُوْسُ اِلٰی بَیْتِ زَوْجِہَا اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ فُتِحَ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ بَابَانِ اِلَی الْجَنَّۃِ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَعَلَ اللّٰہُ قَبْرَہٗ مَزَارَ مَلَائِکَۃِ الرَّحْمَۃِ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْہِ اٰیِسٌ مِّنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ کَافِرًا اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ لَمْ یَشُمَّ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ ۔

غرضکہ خدا اور رسولؐ اور آلِ محمد علیہم السّلام کی محبّت کا واجب ہونا اور اس کے برکات بدیہی ہیں۔ جس چیز کی یاد آوری لازمی ہے وہ محبت کے مراتب کا جاننا ہے اور یہ کہ اس کا پہلا مرتبہ واجب ہے لیکن اس کے عظیم آثار سے بہرہ مندی اس محبّت کی قوّت اور شدّت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا کیا کہنا ایسی محبت کا جو عشق کے درجے تک پہونچ جائے۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی شخص حقیقی محبّت کا ایک ذرّہ بھی دل میں رکھتا ہو اور اسی کے ساتھ مرجائے تو ہلاکت ابدی اور رحمت خداوندی سے دوری میں مبتلا نہ ہوگا۔ بالآخر اہلِ نجات میں شامل ہو کر اپنے محبوبوں یعنی آلِ محمّد علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے ملحق ہو جائے گا۔ ہر چند کہ تین لاکھ سال کے عذاب یا رحمتِ خدا سے دوری کے بعد ایسا ہو۔ جیسی کہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اگر کسی شخص کو محبّت کا بلند ترین مرتبہ نصیب ہو جائے، یعنی خدا کی اور جو چیزیں اس کی ذات سے وابستہ ہیں۔ (مثلاً رسولؐ و آلِ رسولؐ، صاحبان ایمان، اور عالم آخرت) اُن کی محبّت اس کے تمام دل کا احاطہ کرلے اور غیر خدا کی دوستی اور قلبی کشش کا ایک ذرّہ بھی اس کے دل میں باقی نہ ہو۔ اور اگر ہو بھی تو خدا کے لئے اور الٰہی جذبہ کی وجہ سے ہو۔ مثال کے طور پر بیوی بچّوں کو اس حیثیت سے دوست رکھے کہ وہ خدا کی امانت ونعمت وعنایت ہیں۔ اور مال کو اس لحاظ سے محبوب رکھے کہ وہ خدا کی راہ میں صرف کرنے کی جہت سے بارگاہِ الٰہی میں تقرّب کا وسیلہ ہے۔ تو یقیناً ایسا شخص موت کے وقت ہی سے اپنے حقیقی محبوب کے ساتھ متصل ہو جائے گا۔ اور اس کے لئے درمیان میں کوئی حجاب نہ ہوگا۔

کہا جا سکتا ہے کہ جن روائیتوں میں اہلبیت علیہم السلام کے شیعوں اور دوستوں کے مقامات ودرجات اور سعادتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ انھیں حضرات کے بارے میں ہیں جو محبّت کے اس اعلےٰ درجے پہ فائز ہوں۔

مجلسی اوّل علیہ الرحمہ نے زیارت جامعہ کی شرح میں جملۂ " ذَوِیْ الاٰنْعَمْ وَتُقْبَلُ الطَّاعَةُ الْمُفْتَرَضَةُ " کے ذیل میں فرمایا ہے کہ " وَالْأَخْبَارُ بِوُجُوْبِ الْمَوَدَّةِ مُتَوَاتِرَةٌ وَأَقَلُّ مَرَاتِبِهَا أَنْ يَكُوْنُوْا أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ أَنْفُسِنَا وَأَقْصَاهَا الْعِشْقُ "، یعنی محبت آلِ محمدؐ کے وجوب پر دلالت کرنے والی روائیتیں متواتر یعنی قطعی ہیں۔ اور اس محبّت کا کمترین مرتبہ یہ ہے کہ حضرات

ہمارے نزدیک ہماری جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں[۱] اور اس کا آخری درجہ عشق ہے۔

محدّث جزائری کتاب انوار النعمانیہ کے اندر نورِ محبّت کے بارے میں کہتے ہیں کہ محبّت کے مراتب بے شمار ہیں۔ لیکن انھیں پانچ درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(اوّل) استحسان ہے۔ اور وہ محبوب کے محاسن وکمالات اور صفات حمیدہ دیکھنے اور سننے سے حاصل ہوتا ہے۔

(دوم) مودّت اور محبوب کی جانب دل کا میلان اور اس کے ساتھ روحانی الفت اور اُنس ہے۔

(سوم) خُلّت، یعنی محبّت کا دل میں اس طرح سے جاگزیں ہونا کہ محبوب کی محبّت سارے دل کو گھیر لے۔

(چہارم) عشق اور وہ محبّت میں اتنی زیادتی ہے کہ ایک لحظہ بھی محبوب کی یاد سے غافل نہ ہو۔ اور اس کے دل میں ہمیشہ محبوب کا تصوّر قائم رہے۔

(پنجم) ولہٗ اور یہ ہے محب دل میں محبوب کے علاوہ اور کسی شے کا نہ پایا جانا۔ اور اس کا محبوب کے علاوہ اور کسی چیز پر راضی نہ ہونا۔ اس کے بعد موصوف نے ان میں سے ہر ایک کے مرتبے کی تشریح فرمائی ہے۔ اور اسے حقیقی محبّت سے مُطابق کیا ہے۔ ساتھ ہی اہلِ محبّت کے کچھ عجیب وغریب حالات بھی نقل فرمائے ہیں۔

۱۔ مجلسی علیہ الرحمہ کا قول ہر چند درست اور داستان نمبر ۸۹ میں منقول دو روائیتوں کے مُطابق ہے لیکن آیات وروایات کے ظاہری مطالب سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ اگر خدا اور محمدؐ وآلِ محمدؐ علیہم السلام کی دوستی اور ایمان دل میں جاگزیں ہو جائے اور انسان اسے دنیا سے اپنے ساتھ لے جائے تو ہر چند یہ اس مرتبے سے کمتر ہو۔ لیکن وہ آخر کار اہلِ نجات میں سے ہوگا۔ البتہ حقیقی محبت جسقدر کم ہوگی اس کا فائدہ بھی اتنا ہی کم ہوگا۔ نیز چونکہ اس پر واجب تھا کہ اس کے دل میں حقیقی محبت حُبّ دنیا اور شہوات نفس سے زیادہ ہو لہٰذا وہ مواخذے اور دیگر مجبتوں کے شدید اثرات میں گرفتار ہوگا۔ اگر حُبّ حقیقی کے اختیاری ہونے، دل سے حبّ مجازی کو دفع کرنے اور اس تکلیف کے اثبات کی تفصیل مطلوب ہو تو میری جدید کتاب قلب سلیم کی طرف رجوع کیا جائے۔

اسی طرح کتاب گلزار اکبری گلشن ۶۶ میں چند حیرت انگیز واقعات ان اشخاص کے بارے میں مذکور ہیں جن کی موت کے بعد ان کے اجسام اور ان کی قبروں سے ان کا مشاہدہ کیا گیا۔ لیکن انھیں نقل کرنا موضوع کتاب سے الگ اور طول کلام کا باعث ہے۔

اس مطالب کی جانب اشارہ کرنے سے دو باتیں مقصود ہیں۔ ایک یہ کہ انھیں پڑھنے والا حقیقی محبت کی جس منزل میں بھی ہو اسی پر قانع نہ ہو جائے۔ بلکہ کوشش کرکے مجازی محبتوں یعنی دنیا کی دوستی اور نفسانی خواہشوں کو دل سے خارج کرے اور حقیقی محبت یعنی خدا اور اس کی طرف بازگشت کرنے والی ہر چیز کی دوستی کا اپنے قلب میں اضافہ کرے۔ تاکہ مقام محبت کے برکات اور درجات سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکے۔

اے یکدلہ صد دلہ دل یکدلہ کن — مہر دگراں راز دل خود یلہ کن
یک لحظہ باخلاص بیا بر در ما — گر کام تو بر نیاید از ما گلہ کن

یعنی اے وہ شخص جس کے ایک دل میں سیکڑوں خواہشیں پل رہی ہیں اپنے دل میں یکسوئی پیدا کر۔ دوسروں کی محبت اپنے دل سے نکال دے اور ایک لحظے کے لئے اخلاص کے ساتھ میرے دروازے پر حاضر ہو۔ اگر تجھے کامیابی نہ ہو تو ہم سے شکوہ کرنا اور دوسری غرض یہ کہ محترم ناظرین موت کے بعد محب علیؑ کے ہاتھ کی جنبش پر تعجب نہ کریں۔ اور اس کا انکار نہ کریں بلکہ یہ جان لیں کہ محبت کی شدت کی حالت میں محب کی روح محبوب سے متصل ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ محبوب (یعنی حضرت علی علیہ السلام) حیات و قدرت کے معدن و مخزن ہیں لہذا اگر آپ کے محب سے حیات کے ایسے آثار ظاہر ہوں تو کوئی حیرت کا مقام نہیں ہے۔

(۹۲)

سادات کی عظمت اور شان

انھیں مولوی موصوف نے نقل کیا کہ ایک روز حیدرآباد دکن کے نواب نظام فنس میں سوار ہوئے اور چند اہل ہنود اسے کاندھوں پر اٹھا کر لے چلے۔ (جیسا کہ اس زمانے میں یہ رواج شاہی شان و شوکت میں داخل تھا۔) اسی حالت میں نظام پر ایک غنودگی اور غفلت کی کیفیت طاری ہوئی۔ اور انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرما رہے ہیں۔ نظام! تمھیں شرم نہیں آتی کہ اپنا فنس سادات کے کندھوں پر اٹھوا رہے ہو۔ نظام نے آنکھیں کھولیں اور اضطراب کے عالم میں حمالوں سے کہا کہ سواری زمین پر رکھ دو۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا ہم سے کوئی خطا ہو گئی ہے۔؟ نظام نے کہا، نہیں لیکن فنس اٹھانے کے لئے دوسرے لوگ بلائے جائیں۔ چنانچہ دوسرے حمال بلائے گئے اور وہ سواری لے کر آگے بڑھے۔ جب نظام اپنی منزل مقصود تک پہونچ کے واپس ہوئے۔ تو ان افراد کو جو ابتداء میں فنس کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے، خلوت میں طلب کیا۔ ان کے گلے میں باہیں ڈال کے ان سے معانقہ کیا، ان کے چہروں پر بوسے دیئے۔ اور کہا تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے جواب دیا ہم فلاں بستی کے رہنے والے ہیں۔ پوچھا کیا تم ہمیشہ سے اسی قریے میں آباد ہو۔ انھوں نے کہا ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہمارے اجداد عرب سے آکر یہاں بس گئے تھے۔ نظام نے کہا جاؤ اور اگر تمھارے اجداد کے زمانے کی کچھ تحریریں تمھارے یہاں موجود ہوں تو انھیں ڈھونڈھ کے اور جمع کرکے میرے پاس لے آؤ۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور جو کاغذات مل سکے لے آئے۔ بادشاہ کو ان کے اندر ان کے اجداد کا شجرہ اور نسب نامہ بھی ملا جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نسب کا سلسلہ، حضرت علیؑ ابن موسیٰؑ الرضا علیہما السلام تک پہونچتا ہے اور وہ رضوی سادات میں سے ہیں۔ نظام نے رونا شروع کیا اور کہا تم لوگ ہندو کیونکر ہو گئے۔ جب کہ تم لوگ مسلمانوں کی اولاد بلکہ مسلمانوں

کے آقا اور سردار ہو۔ وہ سب بہت متاثر ہوئے۔ اور مسلمان ہو کر شیعہ اثناء عشری مذہب اختیار کیا۔ اور نظام نے بھی انھیں کافی املاک اور جاگیریں عطا کیں۔

سادات اور اولادِ رسولؐ کے جلیل القدر سلسلے کے اکرام و احترام کا لازمی ہونا ہمارے مذہب کے مسلمات میں سے ہے۔ چنانچہ کتاب گناہانِ کبیرہ جلد اوّل کے اندر صلۂ رحم کی بحث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس مطلب کی تفصیل دلائل کے ساتھ ساتھ کتاب ، ، فضائل السادات میں موجود ہے۔ مرحوم نوری رحمت اللہ علیہ نے کتاب کلمۂ طیّبہ میں چالیس روائیتیں اور داستانیں ایسے اشخاص کے بارے میں نقل کی ہیں جنھوں نے اس ذریّت طاہرہ کے اکرام و احترام کی برکت سے عظیم آثار و نتائج کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، "اَکْرِمُوْا اَوْلَادِیَ الصَّالِحُوْنَ لِلّٰہِ وَ الطَّالِحُوْنَ لِیْ" یعنی جو سادات متقی اور پرہیزگار ہیں ان کا خدا کے لئے احترام کرو اور جو ایسے نہیں ہیں ان کی تکریم میری خاطر سے اور مجھ سے نسبت حاصل ہونے کی وجہ سے کرو۔[1]

---

[1] کتاب کلمۂ طیّبہ صفحہ ۳۴۰ پر اس حدیث کو کتاب درۃ الباہرہ شہید اوّلؒ، کتاب منہاج الصفوی، اور مناقب دولت آبادی سے نقل کیا ہے۔

(۹۳)

حضرت ابوالفضل العبّاسؑ کی کرامت

جناب مولوی موصوف نے نقل کیا کہ میرے بھائی محمد اسحاق کو بچپنے میں سل کا مرض لاحق ہوا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ اس کے علاج سے مایوس ہو گئے۔ میرے باپ اسے کربلائے معلّٰی لے گئے اور حضرت ابوالفضل العباسؑ کے حرم میں ضریح مقدس سے باندھ کر حضرتؑ سے التجا کی کہ خدا سے اس کی شفا دو کی، ورنہ موت کی دعا فرمادیں۔ اس کے بعد وہ رواق کے اندر نماز میں مشغول ہو گئے۔

جب وہ بچّے کے پاس واپس آئے تو اس نے کہا۔ "بابا! میں بھوکا ہوں۔ انھوں نے اس کے چہرے پر نگاہ کی۔ تو دیکھا کہ اس کے رخساروں کا رنگ بدل گیا ہے۔ اور وہ صحتیاب ہو چکا ہے۔ اسے وہاں سے باہر لائے۔ صبح کو اس نے انار کی خواہش کی اور آٹھ انار اور ایک بڑی روٹی کھالی۔ پھر بھی اس پر مرض کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ اب وہ نجفِ اشرف میں سکونت پذیر ہے۔ اور حضرت حمزہ میں روٹی پکانے کا کام کرتا ہے۔

میں اپنے ایک سفر میں زیارت حضرت حمزہ سے مشرّف ہوا اور جناب مولوی موصوف کی ہمراہی میں محمد اسحاق مذکور سے ملاقات کی تو دیکھا کہ ان سے تقویٰ و پرہیزگاری اور نیک نفسی و دینداری کے آثار ظاہر ہیں۔

(۹۴)

شمع کی روشنی قائم رہتی ہے

نیز نقل فرمایا کہ میری ماں کو تلاوت قرآن سے بہت شغف تھا اور وہ اکثر ایک شب و روز میں سات پاروں کی تلاوت کرلیتی تھیں۔ ماہ رمضان کی راتوں میں سوتی نہیں تھیں اور تلاوت قرآن اور دعاو نماز میں مشغول رہتی تھیں۔

ایک شب شمعدان میں صرف ایک انگل شمع باقی رہ گئی تھی۔ ہم گھر سے باہر جاکر شمع مہیا کر سکتے تھے۔ لیکن حکومت کی طرف سے پابندی نافذ تھی کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر کسی شخص کو گلی یا بازار میں دیکھ لیتے تھے تو اسے پکڑ کے حوالات میں بند کر دیتے تھے اور اس پر جرمانہ بھی کرتے تھے۔

میری ماں اسی مختصر سی شمع کی روشنی میں تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوگئیں۔ خدا کی قسم رات کے آخر تک میری ماں اسی طرح قرآن اور دعائیں پڑھتی رہیں۔ اور شمع تمام نہیں ہوئی جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ہم لوگ سحری کھانے میں مشغول ہوئے لیکن شمع پھر بھی ختم نہیں ہوئی۔

جب اذان صبح کی آواز بلند ہوئی تو وہ خاموش ہونا شروع ہوئی اور گل ہوگئی۔ خلاصہ یہ کہ صرف ایک انگل شمع میری ماں کی برکت سے نو گھنٹوں تک روشنی دیتی رہی۔

(۹۵)

غمِ حسینؑ میں شیر کا گریہ

مرحوم آقا سید مرتضیٰ کشمیری کے فرزند اور بزرگوار عالم جناب حاج سیّد محمد رضوی کشمیری کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ کشمیر میں ایک پہاڑ کے دامن میں ایک عزاخانہ ہے جس کے اطراف اتنے بلند ہیں کہ باہر سے اندرونی منظر دیکھا جاسکتا ہے۔ اور اس کی چھت کا کچھ حصّہ روشنی اور ہوا کے لئے کھلا ہوا ہے ہر سال ایّام عاشورہ میں اس کے اندر حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کی عزاداری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور شیعوں کی ایک جماعت یکجا ہوکر مراسم عزا انجام دیتی ہے۔ محرّم کی پہلی شب سے قریب کے جنگل سے ایک شیر آتا ہے اور عزاخانے کی چھت پر جاکے اور اپنا سر اسی روشندان میں داخل کرکے، عزاداروں کو دیکھتا رہتا ہے اور اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گرتے رہتے ہیں شب عاشورہ تک ہر رات یہی صورتحال قائم رہتی ہے۔ اور وہ مجلس ختم ہونے کے بعد چلا جاتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس بستی میں محرّم کی پہلی تاریخ کے بارے میں اشتباہ اور اختلاف نہیں ہوتا ہے کیونکہ شیر کے آنے سے معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ آج ایّام عزاء کی پہلی شب ہے۔ ایّام عاشورہ میں بعض حیوانات پر بارہا حزن وغم کے آثار کا مشاہدہ ہوا ہے۔ اور موثق ومعتبر حضرات سے اس کی تصدیق ہوئی ہے۔ ناظرین محترم کی بصیرت میں اضافے کے لئے اس مقام پر کتاب کلمۂ طیّبہ نوری سے ایک عجیب داستان نقل کی جاتی ہے عالمِ جلیل اور کامل نبیل صاحبِ کرامات باہرہ ومقامات ظاہرہ آخوند ملّا زین العابدین سلماسی اعلیٰ اللہ مقامہ نے فرمایا کہ جب ہم زیارت حضرت امام رضا علیہ السّلام کے سفر سے واپس ہو رہے تھے تو ہمارا گذر کوہ الوند کی طرف سے ہوا۔ جو ہمدان کے قریب واقع ہے۔ وہاں ہم لوگوں نے منزل کی

یہ بہار کا موسم تھا، میرے ہمراہی خیمے نصب کرنے میں مشغول ہو گئے، اور میں پہاڑ کے دامن کا نظارہ کرنے لگا۔ ناگاہ میری نظر ایک سفید چیز پر پڑی۔ جب میں نے غور کیا تو دیکھا کہ ایک سفید ریش بوڑھا انسان ہے جو سر پر ایک چھوٹا سا عمامہ رکھے ہوئے ایک تقریباً چار ہاتھ بلند چٹّان پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کے گرد بڑے بڑے پتھر چُن رکھے ہیں جن کی وجہ سے صرف اس کا سر ہی نظر آرہا ہے میں اس کے قریب گیا اور سلام کر کے اخلاص و محبّت کا اظہار کیا تو وہ بھی مجھ سے مانوس ہو گیا۔ اور اپنی قیام گاہ سے نیچے اتر آیا، اس کے بعد اپنا حال اس طرح بیان کیا۔ کہ میں اس گمراہ گروہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ جنھوں نے اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے اپنے مختلف نام رکھ چھوڑے ہیں۔ اور عجیب عجیب شکلوں کے ساتھ باہر نکلتے ہیں بلکہ میرے اہل و عیال بھی موجود ہیں اور ان کے امور کی درستی کے بعد میں نے فراغت اور اطمینان کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔ اس کے پاس اس دور کے علماء کے عملے بھی موجود تھے۔ اور وہ اٹھارہ سال سے اس جگہ مقیم تھا۔

وہاں اس نے جو عجیب چیزیں مشاہدہ کی ہوں ان کے بارے میں دریافت کرنے پر بتایا کہ، میں یہاں رجب کے مہینے میں آیا تھا۔ جب پانچ ماہ سے زائد مدّت گزر گئی تو ایک رات میں نماز مغرب میں مشغول تھا کہ یکایک ایک عظیم جوش و خروش کا شور بلند ہوا۔ اور عجیب و غریب قسم کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ پس میں خوفزدہ ہو گیا اور نماز کو مختصر کر کے نظر ڈالی تو دیکھا کہ سارا بیابان جانوروں سے بھر گیا ہے۔ اور وہ سب میری ہی طرف آرہے ہیں، میرا خوف اور اضطراب اور بڑھ گیا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس ہجوم میں مختلف اور متضاد قسموں کے حیوانات موجود ہیں۔ جیسے شیر، ہرن، کوہستانی گائیں، چیتے اور بھیڑیئے، اور یہ سب آپس میں مخلوط ہیں اور عجیب و غریب آوازوں میں چیخ رہے ہیں۔ پھر وہ سب کے سب یہاں آکے میرے گرد جمع ہو گئے اور اپنے سروں کو میری جانب بلند کر کے نالۂ و فریاد کرنے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ یہ وحشی جانور اور درندے جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں مجھ پر حملہ کرنے کے لئے یکجا ہوئے ہوں درحالیکہ یہ خود ایک دوسرے پر حملہ نہیں کر رہے ہیں۔ یقیناً اس کا باعث کوئی عظیم امر اور عجیب حادثہ

ہی ہو سکتا ہے۔ جب میں نے غور کیا تو یاد آیا کہ یہ عاشورہ کی شب ہے۔ اور یہ فریاد و فغاں اور اجتماعی گریہ و نالہ مصیبت حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کے لئے ہے۔ جب میں مطمئن ہو گیا تو عمامہ سر سے الگ کر کے اپنا سر پیٹنے لگا۔ اپنے کو یہاں سے نیچے گرا دیا اور کہہ رہا تھا حسینؑ حسینؑ شہید حسینؑ۔ میں اسی طرح کے الفاظ ادا کرتا رہا، یہاں تک کہ ان جانوروں نے اپنے درمیان میرے لئے جگہ خالی کر دی اور میرے گرد حلقہ باندھ لیا۔ پس ان میں سے بعض زمین پر سر ٹپک رہے تھے اور بعض اپنے کو خاک پر گرا رہے تھے۔ ہم سب اسی عالم میں رہے یہاں تک کہ صبح طالع ہو گئی۔ تو پہلے وہ جانور چلے گئے جو زیادہ وحشی تھے۔ اس کے بعد دوسرے بھی اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ سب متفرق ہو گئے اس سال سے ابتک یعنی اٹھارہ سال کی مدّت سے برابر۔ ان حیوانات کا یہی طریقہ ہے۔ چنانچہ اگر کبھی مجھکو عاشورہ کی تاریخ میں شبہ ہوتا ہے تو ان کے اجتماع سے اطمینان ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ عابد اُٹھا اور اپنی افطاری اور سحری کے لئے دو روٹیاں پکانے کی غرض سے تھوڑا آٹا گوندھا اور آگ روشن کی۔ میں نے اس سے خواہش کی کہ وہ کل میرا مہمان رہے۔ میں کچھ کھانا پکوا کے لے آؤں گا۔ اس نے کہا کل کی غذا میرے پاس موجود ہے اگر کل کوئی اور انتظام نہ ہوا تو پرسوں تمہارا مہمان رہوں گا۔ جب رات ہوئی تو میں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ کہ ایک ایسے محترم مہمان کے لئے اچھی غذا کا اہتمام کرو جس نے برسوں سے کوئی پکّا ہوا کھانا استعمال نہیں کیا ہے پس وہ لوگ رات ہی سے آمادہ ہو گئے۔ صبح کو چاول تیار کئے میں مُصلّے پر بیٹھا ہوا نماز کے تعقیبات میں مشغول تھا کہ طلوعِ آفتاب کے قریب ایک شخص کو دیکھا جو تیزی کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ رہا تھا۔ مجھ کو خطرہ محسوس ہوا تو میں نے اپنے ملازم سے جس کا نام جعفر تھا کہا کہ اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب اسے آواز دی گئی تو اس نے کہا میں پیاسا ہوں میرے لئے پانی کا انتظام کرو میں عابد کے پاس جا رہا ہوں۔ وہاں سے واپس ہو کر تمھارے پاس آؤں گا۔

وہ عابد کے پاس پہونچا اُسے کوئی چیز دے کے ہماری طرف واپس آیا۔ اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا اس قدر عجلت کا سبب کیا تھا؟ تمھیں کون سا کام درپیش تھا تم نے عابد کو کیا دیا ہے؟ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا میں دراصل شہر خوی

آذربائیجان کا باشندہ ہوں۔ مجھ کو بچپن میں اغوا کرکے بیچ لیا گیا تھا۔ فلاں حاجی دبّاغ نے مجھے خرید لیا اور معلّم کے پاس بٹھا کے خط و کتابت اور دینی مسائل کی تعلیم دلوائی، اس کے بعد میری شادی کر دی اور مستقل سرمائے کا انتظام کرکے مجھے کفیل بنا دیا۔

گذشتہ شب میں نے خواب میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی زیارت کی۔ حضرتؑ نے مجھ سے فرمایا کہ طلوعِ آفتاب سے قبل ہی ایک من (ایرانی وزن کے حساب سے) پاکیزہ آٹا اس عابد کو پہونچا دینا جو کہ کوہ الوند میں مقیم ہے۔ میں نے عرض کیا، میں آپ پر فدا ہو جاؤں میں کیونکر معلوم کروں کہ یہ آٹا حلال اور پاکیزہ ہے۔؟

فرمایا فلاں حاجی دبّاغ کے پاس جاؤ! میں خواب سے بیدار ہوا۔ لیکن رات کے صحیح وقت کا اندازہ نہ کر سکا۔ اور اس خوف کے باعث گھر سے نکل پڑا کہ ایسا نہ ہو کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے عابد تک نہ پہونچ سکوں۔ مجھے دباغ کے گھر کا پورا پتہ بھی معلوم نہیں تھا۔ جب میں تھوڑا آگے بڑھا تو رات میں گشت کرنے والے سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ اور داروغہ کے پاس لے گئے۔ اس نے کہا، اے لڑکے یہ کون سا وقت ہے گھر سے باہر نکلنے کا۔ میں نے کہا مجھے فلاں حاجی دبّاغ سے ایک کام ہے۔ ہم نے معاہدہ کیا ہے کہ رات کے پچھلے پہر ان سے ملاقات کروں گا۔ جب میری آنکھ کھلی تو صحیح وقت معلوم نہ کر سکا۔ لہذا وعدہ خلافی کے ڈر سے گھر سے روانہ ہو گیا۔ اور گشت کے سپاہی مجھے گرفتار کرکے آپ کے پاس لے آئے۔

وہ دبّاغ ایک مشہور و معروف انسان تھا۔ داروغہ نے کہا میں اس جوان کی پیشانی پر صداقت اور نیک نفسی کے علامات دیکھ رہا ہوں۔ اسے حاجی دبّاغ کے گھر لے جاؤ، اگر وہ اسے پہچان لیں اور اسے اپنے گھر لے جائیں تو اسے چھوڑ دینا ورنہ میرے پاس واپس لے آنا۔ وہ لوگ مجھے حاجی دبّاغ کے دروازے پر لائے اور یہ کہہ کر ایک طرف ہٹ گئے کہ یہ ہے اُن کا گھر۔ پس میں نے دروازے پر دستک دی۔ خود حاجی باہر آئے، میں نے انھیں سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ مجھ سے بغلگیر ہوئے میری پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور گھر کے اندر لے گئے وہ سپاہی یہ دیکھ کر واپس چلے گئے۔

میں نے کہا، میں ایک من حلال اور پاکیزہ آٹا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا بسر و چشم،

اور جا کے ایک تھیلا لے آئے جس کا منھ بندھا ہوا تھا۔ اور کہا کہ یہ اسی مقدار میں ہے۔ میں نے کہا، اس کی قیمت کیا ہوئی۔ انھوں نے کہا جنھوں نے تمھیں اس کا حکم دیا ہے، انھیں نے مجھے بھی حکم دیا ہے۔ کہ تم سے قیمت نہ لوں۔

پس میں نے وہ تھیلا کندھے پر رکھا۔ اور پہاڑ پر چڑھنے سے پہلے اس خوف سے کہ وقت نہ نکل جائے تعجیل کے ساتھ نماز صبح ادا کی۔ اور یہ سب خدا کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

جناب آخوند علیہ الرحمہ نے فرمایا، اس پہاڑ کے دامن کے قریب ہی جہاں ہم نے منزل کی تھی صحرا نشینوں کی ایک جماعت آباد تھی۔ جن کے یہاں بھیڑیں پلی ہوئی تھیں۔ ہم نے تھوڑا دہی اور پنیر خریدنے کے لئے ان کے پاس آدمی بھیجا لیکن انھوں نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ اور اسے اپنے یہاں سے نکال دیا۔ وہ خالی ہاتھ اور پریشان حال واپس آیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ ان میں سے چند لوگ اضطراب کی حالت میں ہمارے پاس آئے۔ اور کہا کہ ہم نے دہی اور پنیر فروخت کرنے سے انکار کیا، اور آپ کے بھیجے ہوئے آدمی کو دھتکار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری بھیڑوں میں ایک بیماری پیدا ہو گئی ہے۔ وہ کھڑی کھڑی کانپنے لگتی ہیں۔ اس کے بعد گر کے مَر جاتی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ ہمارے بُرے سلوک کی سزا ہے۔ پس ہم آپ کی پناہ میں آئے ہیں۔ کہ اس بلا کو ہم سے دور کیجئے۔

میں نے ان کے لئے ایک دعا لکھی۔ اور کہا کہ اسے بھیڑوں کے درمیان ایک لکڑی پر نصب کر دینا وہ دعا لیجانے کے تھوڑی دیر بعد ان میں کے تمام مرد واپس آئے اور اپنے ساتھ اتنی زیادہ مقدار میں پنیر لائے جسے ہم اٹھا بھی نہ سکتے تھے۔

اس کے بعد ہم عابد کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ تمھارے اور اس جماعت کے درمیان ایک عجیب حادثہ رونما ہوا ہے۔ قوم جن کے ایک شخص نے جو اسی مقام پر سکونت پذیر ہے مجھے تمھارے ان بعض آدمیوں کے ان لوگوں کے پاس جانے، دہی وغیرہ کے فروخت سے ان کے انکار اور تمھارے فرستادہ کو اذیت دے کے اپنے پاس سے بھگانے کی خبر دی، اور بتایا کہ یہاں بسنے والے جنّات کو تم سے ہمدردی پیدا ہوئی۔ اور ان پر اس قدر غضبناک ہوئے کہ ان کی بھیڑوں کو تلف

کرنا شروع کیا۔ انھوں نے تمھارے پاس پناہ لی اور تم سے ایک دُعا حاصل کی جو جنّات کی تہدید اور تنبیہ پر مشتمل تھی۔ جنّات نے وہ تحریر دیکھی تو آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اب جبکہ وہ خود ہی ان لوگوں سے راضی ہو گئے ہیں اور ہم کو ڈرا رہے ہیں تو ہم بھی انکی بھیڑوں سے دستبردار ہو جائیں۔

اس کے بعد عابد نے اپنے بستر کے نیچے ہاتھ ڈالا اور وہ دعا نکال کے مجھے دی۔ اس عابد کا نام حُسین زاہد تھا۔

(۹۶)

وسیلۂ حضرت سیّد الشہداءؑ سے مریض کی شفا

جناب مولوی موصوف نے نقل کیا کہ قندھار میں عزاداری حضرت سید الشہداءؑ کے لئے ہمارے اجداد کا ایک عزاخانہ ہے۔ میری ماں کی عم زاد بہن (چچا کی بیٹی) "عالمتاب" جو مرحوم حاج شیخ محمد طاہر قندھاری کی پھوپھی ہیں، باوجود یہ کہ نہ کسی مکتب میں گئیں نہ کسی سے تعلیم حاصل کی، نہ خط پڑھ سکتی ہیں اپنے عقیدے کی صفائی اور پاکیزگی کی بنا پر وضو کر کے ایک بار صلوات پڑھتی ہیں اور قرآن مجید کی سطر پر ہاتھ رکھ کے تلاوت شروع کر دیتی ہیں۔ اور ہر سطر کی تلاوت سے پہلے بھی ایک صلوات پڑھ لیتی ہیں۔ اسی طریقے سے پورا قران پڑھتی رہتی ہیں۔ اور ان کی یہ صلاحیت برابر قائم ہے۔

ان محترمہ کا ایک بیٹا ہے جس کا نام عبد الرؤف ہے۔ بچپن میں اس کے سینے اور پیٹھ میں بہت اونچا کوبڑ موجود تھا۔ جسے میں نے خود بارہا دیکھا ہے۔ عزاداری کی غرض سے شب عاشورہ عالمتاب اسی مذکورہ عزاخانے میں گئیں۔ اور اپنے ساتھ اپنے اس چار سالہ کُبڑے بچّے کو بھی لے گئیں۔ اس کے باپ اور ماں دونوں اس کی موت کی تمنّا کرتے تھے کیونکہ اس صورتحال سے خود اسے اور اس کے والدین کو بہت تکلیف تھی۔ مجلسِ عزاء کے بعد انھوں نے اس کی گردن منبر سے باندھ دی اور کہا۔ یا حسینؑ خدا سے دعا کیجئے کہ اس بچّے کو کل تک یا شفا عطا فرمائے یا موت دیدے۔ ہم سو گئے تھے، دفعتاً لوگوں کے شور کی آوازوں سے بیدار ہو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ بچّے کا بدن کانپ رہا ہے۔ وہ اوپر کو اچھلتا ہے پھر نیچے کو گر جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی نعرے مار رہا ہے۔ ہم لوگ پریشان ہو گئے۔ میری ماں نے

عالمتاب سے کہا۔ بچّے کو گھر لے جاؤ تاکہ اسے وہیں موت آ جائے۔ اور اس کا باپ جو ایک غصّہ ور انسان ہے کوئی اعتراض نہ کرے۔

ماں نے بچّے کو گود میں اٹھایا اور اس کی شدید کپکپاہٹ کی وجہ سے وہ بھی کانپ رہی تھی۔ میں اس کے گھر تک ساتھ گیا۔ بچّے کی لغزش تین چار روز تک مُسلسل قائم رہی۔ اس کے بعد اس کے جسم اور گوشت کے فاضل حصّے پانی ہو کر بہہ گئے۔ اور اس کا سینہ اور پُشت اس طرح سے صاف ہو گئی کہ اُبھار کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ چند روز قبل وہ اپنی ماں کے ہمراہ زیارت کے لئے عراق آیا تھا۔ تو میں نے اس سے ملاقات کی تھی۔ وہ ایک صالح اور بلند قامت جوان ہے۔ ابھی وہ اور اس کی ماں زندہ ہے۔

---

(۹۷)

حضرت حُرؑ کی کرامت

جناب مولوی موصوف ہی نے بیان کیا ہے کہ میں تیئس ۲۳ سال قبل کربلائے معلّٰی میں تھا اور اختلال حواس میں مبتلا تھا۔ میرے رفقاء تفریح اور تبدیلِ آب و ہوا کی غرض سے مجھے حضرت حُرؑ کے روضے کی طرف لے گئے۔ میں حرم کے اندر پہونچا تو کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ لہٰذا بیٹھ کے ایک مختصر زیارت پڑھی۔ اسی اثناء میں دیکھا کہ ایک صحرانشیں عرب عورت آئی اور ضریح مبارک کے قریب بیٹھ کے اپنی انگلی ضریح کے حلقے میں ڈالی اور یہ دعا پڑھی۔ یَا کَاشِفَ الْکَرْبِ عَنْ وَجْهِ مَوْلَانَا الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِکْشِفْ لَنَا الْکُرُوْبَ الْعِظَامَ بِحَقِّ مَوْلَانَا الْحُسَیْنِ" پھر اپنی انگلی نکال کر اس سے متصّل دوسرے حلقے میں ڈالی اور یہی دعا پڑھی۔ اسی طرح وہ دعا پڑھتی رہی اور ضریح کا دورہ کرتی رہی۔ اس کے پانچویں یا چھٹے دور میں میں نے بھی یہ الفاظ یاد کر لئے، اور چونکہ کھڑے ہو کر اوپر سے شروع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا لہٰذا اپنے کو کھینچتے ہوئے کسی طرح میں نے ضریح تک پہونچایا اور اپنی انگلی ضریح کے نیچے والے حلقے میں ڈال کر یہی دعا پڑھی۔ اسی طرح دوسرے حلقے میں پڑھنے کے بعد جب تیسرے حلقے میں پڑھنا شروع کیا تو ضریح کے اندر سے میری انگلیوں میں ایک ہلکی سی گرمی محسوس ہوئی جو میرے جسم کے تمام رگ و پے میں سرایت کر گئی جس طرح انجکشن کی دوا بدن میں سرایت کرتی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اٹھ سکتا ہوں۔ چنانچہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ اور اسی حالت سے بقیہ حلقوں میں بھی دعا پڑھی۔

اسی وقت میرا مرض مکمّل طور سے برطرف ہو گیا۔ اور پھر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ چونکہ بعض اشخاص حضرات محمد ابن یزید ریاحی کی منزلت کے بارے میں شک کرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص تھے جو حضرت سید الشہداءؑ کے راستے میں حایل ہوئے اور حضرتؑ کو مدینے واپس جانے سے روکا۔ لہٰذا ان کا شبہہ دور کرنے اور ان جناب کا مقام و منزل واضح کرنے کے لئے متوجہ کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت حُرؑ ایک مرد شریف و بزرگوار اور کوفے کے اندر ریاست کے مالک تھے۔ اور ان کا سیّد الشہداءؑ کے سامنے آنا اپنی ریاست کی حفاظت کے اور اس امید پہ تھا کہ یہ مرحلہ آخر کار صلح و آشتی پر تمام ہو جائے گا۔ البتہ حضرتؑ کے ساتھ جنگ اور امامؑ کا قتل ایسی چیزیں تھیں جن کا تصوّر بھی حُر کو نہیں تھا۔ اور نہ وہ ان پر یقین کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے خود فرمایا کہ اگر انھیں روز عاشورہ کے سانحے اور امامؑ کے قتل کا اندازہ ہوتا تو وہ کبھی ایسی خطا کے مرتکب نہ ہوتے۔ جب انھوں نے روز عاشورہ امام کی تجویزیں سنیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مجھے چھوڑ دیا جائے تاکہ میں اپنے باقی ماندہ اہلبیتؑ کے ساتھ عراق سے باہر چلا جاؤں۔ اور ابن سعدؔ نے ان میں سے کسی ایک کو بھی قبول نہیں کیا۔ تو جناب حُر اس کے پاس آئے اور کہا، کیا تو حسینؑ سے جنگ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا، ہاں! ایسی جنگ جس کا کم سے کم نتیجہ جسموں سے سروں اور ہاتھوں کی جدائی ہوگی۔ جناب حُر نے فرمایا، آیا تو حسینؑ کی ان پیشکشوں میں سے کسی ایک کو بھی منظور نہیں کرے گا۔ تاکہ بات صلح اور سلامتی پر ختم ہو۔ عمر سعد نے کہا، ابن زیاد اس پر راضی نہیں ہے۔ حُرؑ غصے اور صدمے کے عالم میں واپس ہوئے اور اپنے گھوڑے کو پانی پلانے کے بہانے لشکر سے دور ہو کر امام حسینؑ کی قیام گاہ سے آہستہ آہستہ قریب ہونے لگے مہاجر بن اوس نے ان سے کہا۔ تمھارا کیا ارادہ ہے۔؟ کیا تم حملہ کرنا چاہتے ہو؟ حُرؑ نے اسکو کوئی جواب نہیں دیا اور ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مہاجر نے کہا، اے حُرؑ! تمھارے عمل نے ہم کو شک میں ڈال دیا ہے۔ خدا کی قسم ہم نے کسی جنگ میں تمھارا یہ حال نہیں دیکھا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھتا کہ کوفے والوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو میں تمھارے علاوہ کسی کا نام نہ لیتا۔ پھر تمھاری یہ لرزش کس وجہ سے ہے۔؟ حُرؑ نے کہا بخدا میں اپنے آپ کو بہشت اور دوزخ کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔ اور خدا کی قسم میں بہشت کے علاوہ اور کوئی چیز اختیار نہ کروں گا۔ اگرچہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور آگ میں جلا دیا

جاؤں، اس کے بعد اپنا گھوڑا امام حسین علیہ السلام کی طرف دوڑا دیا۔ سپر الٹی کر لی، دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کے کہا۔ خداوندا! میں تیری بارگاہ میں اپنے عمل بد سے توبہ کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے تیرے اولیاء اور تیرے پیغمبرؐ کی دختر کی اولاد کے دلوں کو اذیت پہونچائی ہے۔

جب اس عاجزی کی حالت میں امامؑ کے سامنے پہونچے تو سلام کیا، اپنے کو زمین پر گرا دیا۔ اور امامؑ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ حضرتؑ نے فرمایا سر اٹھاؤ! تم کون ہو؟ (معلوم ہوتا ہے شرمندگی کی شدّت سے انھوں نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا) انھوں عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ میں حُر ابن یزید ہوں۔ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے آپ کو مدینے جانے سے روکا۔ آپ پر سختی کی یہاں تک کہ اس منزل میں بھی آپ پر تنگی کی۔ خدا کی قسم میرا یہ گمان نہیں تھا کہ یہ لوگ آپ کی خواہشوں کو ٹھکرا دیں گے اور آپ کے قتل پر آمادہ ہو جائیں گے۔ آیا میری توبہ مقبول نہیں ہے۔ امامؑ نے فرمایا یقیناً خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ تمھاری توبہ بھی قبول فرمائے گا۔ اور تمھیں بخش دے گا۔

اس کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ جسوقت میں کوفے سے نکلا تھا تو ایک آواز میرے کانوں میں آئی تھی کہ، اے حُرؑ! تمھیں جنّت کی خوشخبری ہو۔ (یقیناً یہ بشارت ان کے انجام کے اعتبار سے تھی۔) اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا تھا۔ کہ یہ ہرگز بشارت نہیں ہو سکتی، کیونکہ میں تو فرزند رسولؐ سے مقابلے کے لئے جا رہا ہوں۔ ایسے موقع پر بشارت کا کیا مطلب ہے؟ لیکن اب سمجھ میں آیا کہ بشارت درست تھی۔ امامؑ نے فرمایا وہ خوشخبری دینے والے میرے بھائی حضرت خضرؑ تھے۔ ان کی بشارت سچّی ٹھہری اور تم اجر جمیل اور خیر کثیر پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے امام سے اجازت حاصل کی اور میدان میں پہونچ کے ان کفّار میں سے اسّی ۸۰ افراد کو جہنّم رسید کرنے کے بعد شہید ہوئے۔ اصحاب ان کی لاش اٹھا لائے۔ اور امامؑ کے پاس رکھ دی۔ حضرت ان کے خون آلودہ چہرے پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

"بَخٍّ بَخٍّ مَا اَخْطَأَتْ اُمُّكَ حِيْنَ سَمَّتْكَ حُرًّا اَنْتَ وَاللّٰهِ حُرٌّ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ لَهٗ"

یعنی آفریں ہو آفریں ہو تمھاری ماں نے تمھارا نام حُر رکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ خدا کی قسم

تم دُنیا و آخرت دونوں میں حُر ہو۔ پھر ان کے لئے استغفار فرمایا۔ بعض مقاتل میں امامؑ کے کچھ اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں جو حضرتؑ نے حُرؑ کا مرثیہ کہتے ہوئے نقل فرمائے تھے۔

یہ باتیں بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جناب حُرؑ نے اپنی خطا سے توبہ کر لی تھی۔ اور امامؑ نے ان کی توبہ قبول بھی فرمالی تھی انھوں نے امامؑ کے سامنے جہاد کیا اور حضرتؑ کی نصرت کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پس یہ فضیلت شہادت میں دیگر شہیدانِ کربلا کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ البتہ جملہ شہداء فضیلت شہادت کے علاوہ علم و عمل کے لحاظ سے بھی اپنی اپنی جگہ پر ایک خاص فضیلت کے حامل تھے۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ حضرت حُرؑ بھی ایک ایسی فضیلت رکھتے ہیں۔ جسے بقول مرحوم شیخ جعفر شوستری دیگر شہیدوں کی فضیلتوں سے کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور وہ ہے توبہ کا عمل، جو شخص فوج کا سردار ہو، چار ہزار کا لشکر اس کی ماتحتی میں ہو۔ اس کے لئے عیش و عشرت کے تمام مسائل فراہم ہوں۔ اور واقعۂ کربلا کے بعد ان سے بالاتر مقاصد و مدارج تک پہونچنے کی توقع رکھتا ہو وہ دفعتاً یادِ خدا میں محو اور خوف الٰہی سے اس طرح ترساں و لرزاں ہو جائے کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہو جائیں اس کے بعد اپنے گناہ پر شرمساری کی حالت میں اپنے چہرے کو چھپا کر اپنے کو خاک پر گرا دے۔ اسکی توبہ کی یہ کیفیت جو ایک قلبی عبادت ہے پروردگار کے نزدیک بہت ہی قدر و قیمت رکھتی ہے اس حد تک کہ وہ بندہ اپنے خالق کا محبوب بن جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ ان کی حالتِ توبہ نے امامؑ کو خوش کر دیا اور اسی لمحے حضرتؑ کے غم و آلام کو برطرف کر دیا۔ اس بیان سے جملہ "یَا کَاشِفَ الْکَرْبِ عَنْ وَجْہِ مَوْلَانَا الْحُسَیْنِ" کی صحت ثابت ہوتی ہے یعنی اے بزرگوار جنھوں نے اپنی توبہ کے ذریعے امامؑ کے چہرے سے غم دور کر دیا اور آپ کا دل شاد کر دیا۔

(ضمناً ہمیں بھی جان لینا چاہیے کہ اگر ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور توبہ کی وہی کیفیت ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو یقیناً امام زمانہؑ ہم سے راضی اور دلشاد ہو جائیں گے۔)

پس معلوم ہوا کہ حضرت حُرؑ آپؑ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے ثواب اور دنیوی و آخروی حاجتوں میں آپ سے توسّل کے بارے میں دیگر شہداء کے ساتھ مساوی درجہ رکھتے ہیں اور حضرت

حُرؑ یا حضرت ابوالفضل العبّاس علیہ السّلام یا کسی دیگر شہید سے خطاب کرنے میں یَا کَاشِفَ الْکَرْبِ کا فقرہ اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے درست ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا، لیکن چونکہ کسی معصوم سے منقول نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے شرع کی طرف سے وارد ہونے کا قصد نہ کرنا چاہیئے۔

جناب حُرؑ کے مرتبے کے بارے میں مزید اطمینان کے لئے ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جسے مرحوم سید نعمت اللہ جزائری نے کتاب انوار نعمانیہ میں بیان کیا ہے۔

جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے بغداد پر قبضہ کیا اور کربلائے معلّٰی کی زیارت سے مشرف ہوا تو بعض لوگوں کے بارے میں سنا کہ وہ جناب حُرؑ کے بارے میں طعنہ زنی کرتے ہیں۔ پس وہ خود قبرِ حُر کے پاس حاضر ہوا اور حکم دیا کہ قبر کھولی جائے۔ جب لوگ آپ کے جسم تک پہونچے تو دیکھا کہ بدن بالکل تازہ اور اسی روز کے مانند ہے جب آپ کی شہادت ہوئی تھی۔ دیکھا گیا کہ آپ کے سر پر ایک کپڑا بندھا ہوا ہے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ روز عاشورہ آپ کے سر مبارک پر ایک ضربت لگی تھی جس کی وجہ سے خون جاری تھا۔ امامؑ نے یہ کپڑا زخم کے اوپر باندھ دیا تھا۔ اور آپ اسی حالت میں دفن کئے گئے تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ کپڑا کھول دیا جائے۔ تاکہ میں اسے تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھوں۔ جب وہ کپڑا کھولا گیا تو اسی مقام زخم سے خون پھر جاری ہو گیا۔ اس جگہ دوسرا کپڑا باندھا گیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اور خون بدستور جاری رہا۔ مجبوراً وہی امامؑ کا کپڑا باندھا گیا تو خون رُک گیا۔ اس طرح بادشاہ کو جناب حُرؑ کے انجام اور مرتبے کی نیکی اور عظمت کا یقین ہو گیا۔ اور اس نے آپ کی قبر پر ایک قبہ اور روضہ تعمیر کرا کے ایک خادم مقرر کیا۔ یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ حضرت حُرؑ کی قبر مبارک مقام شہادت سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ جس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کے خاندان والوں نے جسد مبارک کو لے جا کر اپنی قیام گاہ کے قریب دفن کیا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ آپ دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے اس مقام پر پہونچے تو یہیں شہید ہوئے۔ اور پہلی وجہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

(۹۸)

سڑی ہوئی لاش اور دنیا کا مُردار

انھیں جناب مولوی موصوف نے آقا سیّد رضا موسوی قندھاری سے جو ایک فاضل و پرہیزگار سیّد تھے۔ یہ بیان نقل کیا کہ ان کے ماموں سُلطان محمد خیّاطی کا پیشہ کرتے تھے لیکن بہت تنگ دست اور پریشان حال تھے۔ ایک روز میں نے ان کو بشاش اور ہنستا ہوا پایا تو پوچھا، کیا بات ہے آج میں آپ کو شاد و خرّم دیکھ رہا ہوں۔؟ انھوں نے فرمایا ذرا ٹھہرو! قریب ہے کہ خوشی کی شدّت سے میرا دم نکل جائے۔ کل رات میں نے اپنے بچّوں کی عُریانی، ایامِ عید کی قربت اور اپنی پریشانی و فلاکت کے پیشِ نظر بہت گریہ کیا اور اپنے مولا امیرالمومنینؑ علیہ السّلام سے عرض کیا کہ آقا! کہ آپ شاہِ مرداں اور سارے زمانے میں سب سے زیادہ سخی ہیں۔ آپ میری مصیبتوں کو دیکھ رہے ہیں جب میں سویا تو دیکھا کہ قندھار کی عید گاہ کے دروازے سے باہر نکلا تو ایک بہت بڑا باغ نظر آیا۔ جس کا قلعہ سونے اور چاندی سے بنا تھا۔ اس میں ایک دروازہ تھا جس میں متعدد افراد کھڑے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب گیا۔ اور پوچھا کہ یہ باغ کس کا ہے۔؟ انھوں نے کہا حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا۔ میں نے التماس کیا کہ مجھے اس میں داخلے اور حضرت کے حضور میں حاضری کی اجازت دیں۔ انھوں نے بتایا کہ اسوقت یہاں حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم تشریف فرما ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اجازت دی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ پہلے حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اور آنحضرتؐ سے ایک سفارشی خط حاصل کروں گا۔ جب میں آنحضرتؐ کی خدمت میں پہونچا اور اپنی پریشانی کی شکایت کی تو فرمایا کہ اپنے آقا ابوالحسنؑ کے پاس جاؤ

میں نے عرض کیا مجھے کوئی حوالہ عنایت فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے مجھے ایک خط دیا اور دو آدمی بھی میرے ہمراہ بھیجے۔ جب میں حضرت ابوالحسنؑ کی خدمت میں پہونچا، تو آپ نے فرمایا، سُلطان محمد! تم کہاں تھے؟

میں نے کہا میں زمانے کی پریشانیوں سے آپ کی پناہ میں آیا ہوں۔ اور حضرت رسولخداؐ کا حوالہ بھی میرے پاس موجود ہے۔ حضرتؑ نے وہ حوالہ لے کر پڑھا اور مجھ پر ایک نظر ڈالی میرا بازو سختی سے پکڑ کے مجھے دیوار باغ کے پاس لے گئے اور اشارہ فرمایا کہ وہ دیوار شگافتہ ہو گئی۔ اور ایک تاریک و طولانی دالان ظاہر ہوا۔ مجھے ساتھ لے کر وہاں تشریف لے گئے میں اس صورتحال سے بہت خوفزدہ ہو گیا۔ آپ نے دوسرا اشارہ فرمایا تو روشنی پیدا ہو گئی۔ پھر ایک دروازہ نمایاں ہوا، اور ایک تیز بدبو میری ناک میں پہونچی۔ آپ نے سختی کے ساتھ مجھ سے فرمایا۔ کہ اس میں داخل ہو اور جو چاہتے ہو اُٹھالو۔ میں اس کے اندر پہونچا۔ تو دیکھا کہ ایک ویرانہ ہے جو مُردار لاشوں سے پٹا پڑا ہے۔ حضرتؑ نے زور دیتے ہوئے فرمایا، جلد اٹھاؤ! (وہاں لاشیں کھانے والے جانور بھی کثرت سے جمع تھے) میں نے مولاؑ کے خوف سے ہاتھ آگے بڑھایا تو ایک مُردہ مینڈک کا پاؤں میرے ہاتھ میں آ گیا۔ اور میں نے اسے اٹھا لیا۔ فرمایا، اٹھالیا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا، آؤ واپسی میں دالان روشن تھا۔ دالان کے وسط میں پانی سے بھری ہوئی دو دیگیں بجھے ہوئے چولھے پر رکھّی ہوئی تھیں۔ فرمایا۔ سلطان محمد جو کچھ تمھارے ہاتھ میں ہے اسے پانی میں ڈبو کر باہر نکالو۔ میں نے اسے پانی میں ڈالا تو دیکھا کہ وہ سونا بن گیا ہے۔ حضرتؑ نے مجھے دیکھا لیکن آپ کی ناراضگی کم ہو چکی تھی۔ فرمایا، سُلطان محمد! یہ تمھارے لئے بہتر نہیں ہے۔ تم میری محبّت چاہتے ہو یا یہ سونا۔ میں نے عرض کیا آپ کی محبّت چاہتا ہوں۔ فرمایا پس اسے اسی ویرانے میں پھینک دو!۔ اسے پھینکتے ہی میری آنکھ کُھل گئی۔ اور ایک نفیس خوشبو میرے مشام میں پہونچی۔ میں اپنی خوش نصیبی پر صبح تک گریہ کرتا رہا۔ اور خدا کا شکر بجالایا کہ میں نے آقاؑ کی محبّت کو ترجیح دی اور قبول کیا۔

آقا سیّد رضا نے فرمایا کہ اس واقعے کے بعد سلطان محمد کی دنیاوی پریشانی اور اضطرار دفع ہو گیا۔ اور ان کی اولاد کی حالت بھی سُدھر گئی۔

اس داستان کی روشنی میں چند حقیقتیں سامنے آتی ہیں جن کے ایک جزء کو اس مقام پر اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر انشاء اللہ صاحبان بصیرت افراد سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ دولتمندی، دنیوی نعمتوں کی فراوانی اور کامیابی عقل سلیم کے نزدیک ایک انسان کے لئے بذات خود اچھائی یا بُرائی سے متصف نہیں ہے۔ ہر چند دنیا کی تمام نعمتیں ذاتی طور پر بہتر ہیں لیکن انسان کی نسبت سے ان کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ اگر دولت وثروت کے مالک انسان کا قلبی تعلق عالم آخرت، ابدی قیام گاہ، اور جوار محمد و آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے قائم ہو اور دنیا میں جو کچھ اسے حاصل ہے وہ اسے جاگزیں نہ ہو، یعنی ان چیزوں کو بالذّات دوست نہ رکھتا ہو بلکہ انھیں اپنی ابدی زندگی کو سنبھالنے کا وسیلہ سمجھتا ہو تو یقیناً ایسی دولت وثروت اس کے لئے حقیقی نعمت وابدی سیاست کا پیش خیمہ ہے۔ اور ایسے شخص کی علامت یہ ہے کہ وہ دولت وثروت میں اضافے کی سعی تو کرتا ہے لیکن حرص وہوس اور اس کے ساتھ قلبی محبّت کی بنا پر نہیں اور اس کی حفاظت کی کوشش تو کرتا ہے لیکن حق کی راہ میں بخل سے کام نہیں لیتا یعنی باطل کے راستے پر تو ایک درہم صرف کرنے سے بھی احتراز کرتا ہے۔ لیکن خدا کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ بھی خرچ کرنے میں پس وپیش نہیں کرتا۔ نیز ایسا شخص اپنی ثروت پر ناز اور تکبّر نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے کو ایک تہی دست آدمی کے ساتھ یکساں اور مساوی حیثیت میں دیکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر اس کی تمام دولت اور دیگر مادی روابط تلف ہو جائیں تو اسے اندرونی اضطراب اور قلبی صدمہ لاحق نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کا قلبی میلان اور وابستگی صرف مادّی زندگی اور دنیاوی خواہشوں کے لئے وقف ہو۔ وہ دولتمندی کو بالذات دوست رکھتا ہو۔ اسے صرف نفسانی آرزوؤں کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتا ہو۔ مؤت کے بعد حیات پروردگار کی بارگاہ میں قرب اور جوار آلِ محمدؐ علیہم السّلام میں رسائی کو ایک فقط افسانہ جانتا ہو۔ یہ چیزیں صرف اس کی زبان تک محدود ہوں۔ جب یہ کہتا ہو کہ قیامت حق ہے۔ میزان وصراط وجنّت وجہنّم سب حق ہیں۔ تو یہ ایسے امور ہوں جو محض اس کی زبان پر جاری ہوں اور اس کا دلی تعلق تنہا دنیا سے ہو تو حتمی طور سے ایسے شخص کے لئے زیادتی ثروت اور دنیاوی کامیابیاں بلائے عظیم اور شقاوت

ابدی کی موجب ہیں۔ عالمِ حقیقت میں ایسے شخص کی مثال اس شخص کے مانند ہے جس کے لئے بادشاہی کا اہتمام ہو چکا ہو اور اب اُسے آگے بڑھ کے اور شاہی محل میں داخل ہو کے تخت سلطنت پر بیٹھنا اور انواع اقسام کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا ہو۔ پس وہ اثنائے راہ میں ایک ایسے ویرانے میں پہونچے جو لاشوں سے اور مُردار خوار جانوروں اور گدھوں سے بھرا ہوا ہو۔ وہ اسی ویرانے میں پڑاؤ ڈال دے۔ اور قصرِ شاہی کے عیش وعشرت کے مقابلے میں یہاں مُردار کھانے پر قناعت کرے۔ چنانچہ مذکورہ داستان میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چونکہ دولتمندی اور دنیاوی کامیابی اکثر انسان کے لئے ایک ایسا جال ثابت ہوتی ہے جو اسے اپنا شکار بنا لیتا ہے یعنی ان چیزوں کی محبّت اس کے دل میں جڑ پکڑ لیتی ہے۔ یہ عالم اعلیٰ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور بعد مؤت کے عالم سے اس کا قلبی تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

(۹۹)
میّت بہتر سال کے بعد بھی تازہ ہے

پیر روشن ضمیر حاج محمد علی سلامی ساکن ابرقو (جو یزد کے ملحقات میں سے ہے) نے جن کا سن شریف ۹۰ سال کے قریب ہے۔ اور جب وہ شیراز آتے ہیں تو مسجد جامع کی جماعت میں بھی شریک ہوتے ہیں بیان کیا کہ وہ ۱۳۰۰ھ میں شہرداری (میونسپلٹی) کیجانب سے ابرقو میں پارک کے گرد ٹرک بنانیکے لئے کھدائی میں مشغول تھے کہ ناگاہ ایک ایسے سرداب تک پہونچ گئے جس میں عالم بزرگوار حاج ملّا محمد صادق کا جسد محفوظ تھا انکے انتقال کو ۷۲ سال ہو چکے تھے لیکن انھوں نے دیکھا کہ انکا جسم بالکل تازہ ہے جیسے اسی روز دفن کئے گئے ہوں۔ ان کی انگلیاں اور ناخن سب کے سب صحیح وسالم تھے حاجی موصوف نے بتایا کہ میں نے اپنی نوجوانی کی عمر میں انھیں دیکھا تھا۔ چونکہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ انکا جنازہ نجف اشرف پہونچایا جائے لہٰذا اسے وقتی طور پر سرداب میں امانت رکھ دیا گیا تھا۔ اسکے بعد اسطرف توجہ نہیں ہوئی یہانتک کہ ان کے وصی بھی انتقال کر گئے اور کوئی دوسرا شخص جنازہ لیجانیوالا پیدا نہیں ہوا۔ اس واقعہ کو ہم لوگ بھول چکے تھے کہ اس روز بہتر سال کے بعد انکی میّت برآمد ہوئی۔ اور اسے تابوت میں رکھ کے قم لیجایا گیا پھر وہاں سے نجف اشرف منتقل کیا گیا۔

محترم ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض مقدّس روحوں کی اس حیات حقیقی کی تاثیر سے جو انھیں حاصل ہے انکے مبارک اجسام جنکے ساتھ انھوں نے برسوں کام کیا ہے۔ بندگی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ اور وہ ان سے مفارقت کے بعد مٹّی کے نیچے پوشیدہ ہو گئے ہیں انکی نظر توجہ سے پنہاں نہیں ہوتے اور اسی بنا پر ایک نامعلوم مدّت تک تروتازہ رہتے ہیں۔ بہت سے پیغمبروں، امام زادوں اور بزرگ علماء کے پاکیزہ اجسام ان کے انتقال کے صدہا سال کے بعد بھی ان کی قبروں کے اندر تازہ دیکھے ہیں۔ اور ان کا ذکر تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے مثال کے طور پر حضرت شعیبؑ، حضرت دانیالؑ، حضرت احمد بن موسیٰ شاہچراغ، سیّد علاء الدین حسین، جناب ابن بابویہ شیخ صدوق رے کے اندر اور جناب محمد بن یعقوب کلینی بغداد میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات جن کی پوری تفصیل موضوع کتاب سے خارج ہے۔

(۱۰۰)
نجفِ اشرف کا سفر اور بیٹے کی شفا

جناب آقائے شیخ محمد انصاری دارابی نے جن سے داستان نمبر ۸۲ نقل کی جا چکی ہے بیان کیا کہ سفر کربلائے معلّٰی سے پہلے مجھ سے عالم رویا (خواب) میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ زیارت کے لئے آؤ۔ میں نے عرض کیا میرے پاس سفر کے وسائل مہیّا نہیں ہیں۔ فرمایا یہ میرے ذمّے ہے۔ پس زیادہ مدّت نہیں گزری تھی کہ نجف اشرف تک پہونچنے کے اخراجات فراہم ہو گئے۔ اور نجف اشرف میں بھی وہاں قیام کرنے اور وہاں سے واپس آنے کے لئے حسبِ ضرورت پیسوں کا انتظام ہو گیا۔

اس کے علاوہ وہ میرے بیٹے کو صرع (مرگی) کا مرض لاحق تھا۔ چنانچہ اسے بھی طلب شفاء کے لئے ہمراہ لے گیا تھا۔ اور نجفِ اشرف میں خدا نے اسے بھی صحت عطا فرمائی۔

(۱۰۱)

پیسوں کا حصول اور اُن کا دوام

نیز انھوں نے اپنے باپ موسوم بہ شیخ محترم ابن شیخ عبدالصمد انصاری سے نقل کیا کہ میں اور میرے نے ایک رفیق سفر موسوم بہ غلام حسین زیارت کربلا کے مشتاق ہوئے لیکن ہمارے پاس زادراہ کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ہم دونوں کوہ دراب کی چوٹی سے خالی ہاتھ روانہ ہوئے۔ ہم لوگ ہر منزل پر دو ایک روز ٹھہر کر محنت مزدوری کرتے تھے پھر آگے بڑھتے تھے۔ یہانتک کہ ہم نے اپنے کو پانچ ماہ کی مدّت میں پاپیادہ کرمانشاہ کے راستے کربلائے معلّٰی پہونچایا، اور وہاں بھی روزانہ کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے تھے جس سے ہمارے خورد ونوش کا انتظام ہو جاتا تھا۔ لیکن نجف اشرف میں ہم کو دو روز تک کوئی کام نہیں ملا عید غدیر کی شب ہم بھوکے تھے اور کوئی ذریعہ بھی نظر نہیں آتا تھا لہٰذا ہم نے اپنے دل میں کہا۔ کہ ہمیں حرم اقدس ہی میں قیام کرنا چاہیئے۔ تاکہ اگر ہماری تقدیر میں مرنا ہی ہو تو اسی جگہ موت آئے جب تھوڑی رات گزری تو چار بزرگوار حضرات حرم مطہر میں داخل ہوئے ان میں سے ایک بزرگ میرے قریب تشریف لائے اور میرا، میرے باپ کا، میرے دادا کا، اور میرے پڑدادا کا نام لیا جس پر مجھ کو بہت تعجب ہوا۔ اس کے بعد چند نقرئی سکّے میرے ہاتھ میں رکھ کے چلے گئے جب میں نے انھیں شمار کیا تو تقریباً چار تومان تھے ہم لوگ دو ماہ تک عراق میں رہے اور انھیں پیسوں میں سے خرچ کرتے رہے۔ پھر وطن واپس آنے کے بعد بھی دو مہینوں تک انھیں میں سے خرچ کیا۔ اس کے بعد وہ دفعتاً ختم ہو گئے۔

(۱۰۲)

مریض کی شفا اور قبرِ میثم کی تعمیر

جناب آقائے قندھاری مذکور نیز نجف اشرف کے دیگر مؤثق اور معتمد افراد کی ایک جماعت نے نقل کیا کہ رشاد مرضہ جو عراق کے درجۂ اوّل کے تاجروں میں سے ہیں سات سال قبل اندرونی سرطان کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ عراق لبنان اور شام کے اطباء ان کے علاج سے عاجز ہو گئے تو انھوں نے اس کے لئے یوروپین ممالک کا سفر اختیار کیا۔ لیکن بالآخر وہاں بھی ان سے یہی کہا گیا کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے خواہ ہم اس کا آپریشن کریں یا نہ کریں۔ سرطان کی جڑیں دل میں پہونچ چکی ہیں۔ بالغرض اگر ہم آپریشن کریں بھی تو ہو سکتا ہے موت میں ایک ہفتے کی تاخیر ہو جائے۔ وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو چکے تھے کہ رات کو انھوں نے خواب میں ایک عرب کو دیکھا کہ وہ سوتی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے محاسن اوسط درجے کے ہیں۔ انھوں نے کہا رشاد مرضہ! اگر تم میری قبر کو درست کر دو تو میں خدا سے تمھاری شفا کے لئے دعا کروں گا"۔

انھوں نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ تو فرمایا میں میثم تمّار ہوں۔ (پہلے جناب میثم کا مقبرہ بہت مختصر اور معمولی حیثیت میں تھا)۔

یہ خواب سے بیدار ہو گئے، اس کے بعد دو مرتبہ سوئے۔ اور ہر بار یہی منظر دیکھا، یہاں تک کہ تیسری مرتبہ بھی یہی کیفیت مشاہدہ کی۔

صبح کو بیدار ہونے کے بعد ہوائی جہاز سے بغداد واپس ہوئے اور راستے کے درمیان ہی سے خود ان کی خواہش پر انھیں براہ راست جناب میثم کی قبر پر پہونچایا گیا۔ اور انھوں نے وہیں قیام کیا۔

رات کے وقت وہی شخصیت جسے انھوں نے خواب میں دیکھا تھا ان کی نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوئی اور آواز دی "رشاد مرضہ اقم"

یعنی، اٹھو! انھوں نے کہا میں اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر اس نے سختی سے کہا۔ "قم"۔ دفعتہً یہ کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے اندر مرض کا کوئی اثر بھی نہیں پایا۔

اس کے بعد یہ فوراً جناب میثم کا روضہ تعمیر کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور موجودہ شاندار قبہ بنوایا۔

پھر حضرت مسلم ابنِ عقیل کا روضہ تعمیر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس پر طلائی قبہ مکمّل کرایا۔

اس سے فراغت کے بعد مولائے کائینات حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کے گنبد کی جدید طلا کاری کے لئے دو سو کلو (۲ کوئنٹل) سونا پیش کیا اور بحمد اللہ اس کی تکمیل بھی ہو چکی ہے۔

---

(۱۰۳)

قم کے اندر اہلبیتؑ کا معجزہ

سیّد جلیل اور فاضل نبیل جناب آقائے سیّد حسن برقعی واعظ ساکن قم نے لکھا ہے کہ "آقائے قاسم عبدالحسینی نے جو آستانۂ مقدسۂ حضرت معصومہ سلام اللہ کے میوزیم کے محافظ دستے کے رکن اور اب بھی یعنی ۱۳۴۶ھ میں اسی جگہ پر خدمت میں مشغول ہیں اور جن کا ذاتی مکان خیابان تہران کوچۂ آنا اقبال میں ہے۔ مجھ سے بیان کیا کہ جس زمانے میں نقل و حمل کا کام کرنے والی ایک جماعت اپنا سامان جنوب کے راستے سے روس لے جاتی تھی اور فی الحال ایران میں موجود تھی۔ میں ریلوے میں کام کرتا تھا۔ اتفاق سے میرا ایک پاؤں پتھر ڈھونے والے ٹرک کے پہیئے کے نیچے آگیا۔ مجھے شہر قم کے فاطمی ہسپتال میں لے گئے۔ جہاں ڈاکٹر مدرسی کی (جو ابھی زندہ ہیں) اور ڈاکٹر سیفی کی نگرانی میں میرا علاج شروع ہوا۔

میرا پاؤں ورم کر کے ایک بڑے تکئے کے مانند ہو گیا تھا۔ مجھے درد کی شدّت کی وجہ سے پچاس شب و روز تک ایک لحظے کے لئے بھی نیند نہیں آئی، میں شدید درد کے باعث مستقل نالہ و فریاد کرتا تھا۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی شخص میرے پاؤں پر ہاتھ رکھ دے۔ کیونکہ میں درد کی وجہ سے بے قابو ہو جاتا تھا اور سارا وارڈ اور ہال میری چیخ پکار سے گونجنے لگتا تھا۔ میں اس دوران حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت زینبؑ اور حضرت معصومۂ قمؑ سے متوسّل تھا۔ اور میری ماں اپنے زیادہ تر اوقات میں حرم جناب معصومہ میں حاضر ہو کر توسّل اختیار کرتی تھیں۔

میری داہنی جانب تقریباً ایک میٹر کے فاصلے پر تیرہ، چودہ سال کا ایک لڑکا جس کا باپ ایک کاریگر تھا، میری ہی طرح بستر علالت پر پڑا ہوا تھا۔ اسے تہران میں گولی لگ گئی تھی اور زخم بگڑ کے جذام کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ڈاکٹر اس کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ وہ چند روز سے احتضار کی حالت میں تھا۔ کسی کسی وقت اس کی بہت ہی خفیف آواز سنائی دیتی تھی۔ اور جب نرسیں اس کی خبر گیری کے لئے آتی تھیں تو پوچھتی تھیں کہ کیا ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اور وہ سب ہر لحہ اس کی موت کی منتظر رہتی تھیں۔

پچاسویں شب میں نے خودکشی کی نیت سے تھوڑا زہر فراہم کر کے تکئے کے نیچے رکھ لیا۔ اور عزم کر لیا کہ آج کی رات اگر کوئی فائدہ نہ ہوا تو خودکشی کر لوں گا۔ کیونکہ اب میری طاقت جواب دے چکی تھی۔ میری ماں مجھے دیکھنے کے لئے آئی تو میں نے اس سے کہا۔ کہ اگر آپ نے آج کی شب جناب معصومہؑ سے میری شفا حاصل کر لی تو بہتر ہے ورنہ صبح کو تخت پر میری میت ملے گی۔ میں نے یہ بات کافی زور دیکر کہی، کیونکہ میرا پختہ ارادہ ہو چکا تھا۔ میری ماں غروب آفتاب کے وقت حرم مطہر کی طرف چلی گئیں۔ اسی رات تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ باعظمت بیبیاں (وارڈ کے دروازے سے نہیں بلکہ) باغ کے دروازے سے میرے کمرے میں جہاں وہ لڑکا بھی میرے پہلو میں تخت پر لیٹا ہوا تھا داخل ہوئیں۔ ان میں سے ایک بی بی کے بارے میں ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کی شخصیت سب سے بلند ہے۔ اور ایسا سمجھ میں آرہا تھا کہ پہلی جناب فاطمہ زہراؑ، دوسری حضرت زینبؑ، تیسری ، حضرت معصومۂ قم سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا سب سے آگے حضرت زینب سلام اللہ علیہا ان کے پیچھے اور جناب معصومہ سلام اللہ علیہا ان کے پیچھے پیچھے تشریف لا رہی تھیں۔ یہ بیبیاں براہ راست اسی لڑکے کے تخت کے پاس پہونچیں اور تینوں ایک دوسرے کے پہلو میں کھڑی ہو گئیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے لڑکے سے فرمایا۔ اٹھو! اس نے کہا میں اٹھ نہیں سکتا۔ پھر فرمایا، اٹھو! اس نے دوبارہ بھی یہی جواب دیا۔ آپ نے فرمایا تم اچھے ہو گئے ہو۔ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ وہ لڑکا اٹھ کے بیٹھ گیا۔ اب میں اس انتظار میں تھا کہ میری جانب بھی کچھ توجہ فرمائیں گی۔ لیکن میری توقع کے

برخلاف میرے تخت کی جانب متوجہ نہیں ہوئیں۔ اسی اثنا میں میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان مخدرات عصمت و طہارت کی نظر عنایت میرے حال پر نہیں تھی۔ چنانچہ تکیہ کے نیچے ہاتھ ڈالا تو جو زہر مہیا کیا تھا۔ اسے نکال کے کھا لوں پھر سوچا کہ جب انھوں نے میرے کمرے میں قدم رکھا ہے تو ممکن ہے ان کے قدم کی برکت سے میں نے بھی شفا پائی ہو۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے پاؤں پر رکھا تو دیکھا کہ درد نہیں کر رہا ہے پھر پاؤں کو آہستہ سے حرکت دی تو دیکھا کہ حرکت بھی کر رہا ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ مجھ پر بھی توجہ مبذول ہوئی ہے۔ جب صبح ہوئی تو نرسیں آئیں، پوچھا بچہ" کس حال میں ہے وہ اس خیال میں تھیں کہ بچّہ مر چکا ہے۔ میں نے کہا بچہ" اچھا ہو گیا ہے۔ انھوں نے کہا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو، میں نے کہا قطعاً ٹھیک ہو چکا ہے۔ اور چونکہ وہ سو رہا تھا لہٰذا میں نے کہا جگانا نہیں یہاں تک کہ جب وہ بیدار ہوا تو ڈاکٹر آئے اور اس کے پاؤں میں زخم کا کوئی نشان نہیں ملا۔ گویا کہ وہ کبھی زخمی تھا ہی نہیں۔ البتہ وہ لوگ ابھی اصل صورتحال سے بیخبر تھے

ایک نرس آئی اور اس نے معمول کے مطابق جدید مرہم پٹّی کے لئے میرے پاؤں کی پٹّی کھول کے روئی ہٹائی۔ چونکہ پاؤں کا ورم ختم ہو چکا تھا۔ لہٰذا روئی اور پاؤں کے درمیان فاصلہ موجود تھا۔ اور ظاہر ہو رہا تھا کہ حقیقتاً اُس مقام پر کوئی زخم یا چوٹ تھی ہی نہیں۔

میری ماں حرم سے واپس آئی تو اس کی آنکھیں روتے روتے ورم کر گئیں تھیں۔ مجھ سے پوچھا کیا حال ہے؟ میں نے اس خیال سے اپنی مکمّل صحت کا ذکر نہیں کیا کہ اسے شادی مرگ نہ ہو جائے۔ میں نے کہا پہلے سے بہتر ہوں۔ مجھے ایک چھڑی لا دیجئے تاکہ اس کے سہارے گھر تک جا سکوں (یہ محض ایک مصنوعی بہانہ تھا) غرض کہ گھر پہونچنے کے بعد سارا ماجرا نقل کیا۔ ادھر ہسپتال میں میری اور اس لڑکے کی شفایابی کے بعد تمام ڈاکٹروں اور نرسوں میں اس قدر جوش و خروش اور شور و غوغا برپا تھا کہ زبان اسے بیان کرنے سے قاصر ہے۔ گریے اور صلوات کی آوازوں سے کمرے اور وارڈ کی ساری فضا گونج رہی تھی۔

(۱۰۴)

حضرتِ ولی عصرؑ کا معجزہ اور مریضُ کی شفا

حقیر یعنی سید حسن برقعی کو ایک مدت سے مسجد صاحب الزمان ارواحنا فداہ معروف بہ مسجد جمکران قم میں حاضری کی توفیق حاصل ہے۔ تین ہفتے قبل (شب چہار شنبہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ میں) مشرف ہوا تو مسجد کے قہوہ خانے میں جہاں مسافر خستگی رفع کرنے کے لئے بیٹھتے اور چائے نوشی کرتے ہیں ایک شخص احمد پہلوانی ساکن شاہزادہ عبدالعظیم سے ملاقات ہوئی۔ عبداللہ کبابی توکل نے سلام کیا اور رسمی طور سے جواب سلام کے بعد باہم احوال پرسی کا سلسلہ شروع ہوا۔ انھوں نے کہا چار سال پورے ہو رہے ہیں میں چہار شنبہ کی شبوں میں مسجد جمکران سے مشرف ہو رہا ہوں۔ میں نے کہا، آپ نے باقاعدہ کوئی چیز دیکھی ہے۔ جس کی وجہ سے اتنی مستقل پابندی کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ دستور کے مطابق جو شخص امام زمانہ صلوات اللہ علیہ کے گھر میں آتا ہے وہ ناامید واپس نہیں جاتا۔ اور کیا آپ نے اپنی کوئی مُراد حاصل کی ہے۔؟

انھوں نے کہا ہاں، اگر میں نے کچھ دیکھا نہ ہوتا تو حاضری نہ دیتا۔ سال گذشتہ ایک چہار شنبہ کی شب میں تہران کے اندر میرے ایک عزیز قریب کی شادی تھی جس کی وجہ سے میں یہاں حاضر نہ ہو سکا۔ اگرچہ شادی کے جشن میں موسیقی وغیرہ جیسی کُھلی ہوئی معصیت کا ارتکاب نہیں تھا لیکن جب میں شام کا کھانا کھانے کے بعد اپنے گھر گیا اور سویا تو نصف شب کے بعد میری آنکھ کُھل گئی مجھے پیاس لگی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھنا چاہا تو دیکھا کہ میرا ایک پاؤں جنبش نہیں کر رہا ہے۔ میں نے پاؤں کو حرکت دینے کی ہرچند کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ میں نے اپنی اہلیہ کو جگایا اور بتایا کہ میرا پاؤں جنبش نہیں کر رہا ہے۔-----------

اس نے کہا شاید ٹھنڈک لگ گئی ہو۔ میں نے کہا سردی کا موسم نہیں ہے۔ (کیونکہ وہ گرمی کی فصل تھی) میں نے اپنے کو بالکل معذور پایا تو اپنے ایک ہمسائے اور دوست اصغر آقا کو بلانے کے لئے کہا، وہ آئے۔ تو میں نے کہا کسی ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ انھوں نے کہا اس وقت ڈاکٹر کہاں ملے گا۔

میں نے کہا، سوا اس کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ بالآخر وہ گئے اور ایک ڈاکٹر کو جن کا نام ڈاکٹر شاہرخی ہے اور مجسمۂ حضرت عبدالعظیم کے گرد دائرہ نما سڑک پر مطب کرتے ہیں لے آئے۔ ان کے پاس ایک ہتھوڑی تھی ابتدائی معائنہ کے بعد اسے میرے زانو پر مارا لیکن مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا، اور پاؤں نے حرکت نہیں کی۔ ایک سوئی بھی میرے پاؤں کے تلوے میں چبھوئی اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ دوسرے پاؤں میں چبھوئی وہاں بھی درد نہیں ہوا۔ پھر میرے بازو میں چبھوئی تو درد محسوس ہوا۔ ایک نسخہ لکھ دیا اور میری غیبت میں اصغر آقا سے کہہ گئے کہ سکتے کا مرض ہے اچھا نہیں ہوگا۔ جب صبح ہوئی اور بچے بستروں سے اٹھے اور مجھے اس حال میں دیکھا تو گریہ و زاری شروع کی۔ میری ماں کو علم ہوا تو انھوں نے بھی اپنا سر اور چہرہ پیٹنا شروع کر دیا۔ اور ہمارے گھر میں ایک شور و غوغا برپا ہو گیا، صبح کے تقریباً نو ۹ بجے ہوں گے جب میں نے کہا، یا امام زمانہؑ میں ہر چہار شنبے کی شب آپکی خدمت میں پہونچتا تھا۔ لیکن کل کی شب نہیں آسکا اور کوئی گناہ بھی نہیں کیا ہے۔ میری طرف توجہ فرمایئے اس کے بعد مجھ پر گریہ طاری ہو گیا اور پھر مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آقا تشریف لائے اور ایک عصا میرے ہاتھ میں دے کے فرمایا، اُٹھو! میں نے کہا آقا میں اس لائق نہیں۔!

فرمایا، میں کہتا ہوں اٹھو! میں نے کہا میں اٹھ نہیں سکتا۔ انھوں نے آگے بڑھ کے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حرکت دی اسی اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ پاؤں کو جنبش دے سکتا ہوں۔ چنانچہ میں اٹھ کے بیٹھ گیا، اس کے بعد کھڑا ہو گیا اور شوق کے عالم میں اطمینانِ قلب کے لئے اُچھلنے کودنے لگا۔ لیکن اس خیال سے کہ میری ماں مجھے اس حال میں نہ دیکھیں ورنہ خوشی سے انھیں سکتہ ہو سکتا ہے پھر لیٹ گیا۔

میری ماں آئیں تو میں نے کہا مجھے ایک چھڑی دیجئے۔ تاکہ اس کے سہارے اُٹھ سکوں اس طرح انھیں آہستہ آہستہ احساس کرایا، کہ میں حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالے فرجہ

سے توسل کی بدولت صحتیاب ہو چکا ہوں۔

میں نے کہا اصغر آقا کو بلائیے۔ جب وہ آئے تو میں نے کہا، ڈاکٹر کو لاؤ۔ اور ان سے کہو کہ فلاں شخص اچھا ہو گیا ہے۔ اصغر آقا گئے اور واپسی میں بتایا کہ ڈاکٹر کہتا ہے یہ جھوٹ ہے، وہ اچھے نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو خود چل کر یہاں آئیں۔ چنانچہ میں اپنے پاؤں سے چل کے گیا۔ پھر بھی انھوں نے یقین نہیں کیا۔ اور میرے تلوے میں سوئی چبھوئی جس سے میری چیخ بلند ہو گئی۔

مجھ سے پوچھا تم نے کیا کیا ہے؟ میں نے اپنا حال اور حضرت ولی عصرؑ سے توسل کی کیفیت بیان کی، تو انھوں نے کہا، یقیناً یہ معجزہ ہے۔ اگر تم یورپ اور امریکہ بھی گئے ہوتے تب بھی تمھارا علاج ممکن نہیں تھا۔

(۱۰۵)

ایک عجیب سرگذشت اور سختی کے بعد کشادگی

آقائے برقعی موصوف لکھتے ہیں کہ ایک شخص مشہدی محمد جہانگیر مختلف مقامات کا دورہ کر کے فرش اور کمبل بیچنے کا پیشہ کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اکثر کاشان بھی جاتے ہیں میں انھیں برسوں سے پہچانتا ہوں۔ لیکن کبھی ان کے ساتھ سفر یا ہم نشینی کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ البتہ یہ بخوبی جانتا ہوں کہ وہ ایک سچے انسان اور شرافت و نیک نفسی میں مشہور ہیں۔ باوجود یکہ ان کے پاس سرمایے کی بہت کمی ہے۔ اور چند روز قبل میں انکے گھر پر گیا تو دیکھا کہ ان کی زندگی بالکل متوسط درجے کی ہے، پھر بھی اگر وہ چاہیں تو اکثر تجّار انھیں ایک لاکھ تومان سے زیادہ قیمت کا مال دینے کو تیار ہیں۔ لیکن وہ خود اپنی مالی مقدرت کے مطابق ہی مال اٹھاتے ہیں۔

چند روز قبل جب میں کاشان کے سفر میں تھا، ان کے پہلو میں بیٹھنے کا موقع ملا انھوں نے دینی مطالب پر گفتگو اور معجزات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے بحث کے ضمن میں کہا کہ آقائے برقعی! انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل پر قابو رکھے تاکہ اس کی حاجت پوری ہو سکے۔ اس کے بعد مجمل طور سے اپنا حال بیان کیا، اور کہا کہ کسی دوسرے موقع پر اپنے حالات زندگی کی تفصیل بیان کروں گا۔ جس سے پوری ایک کتاب مرتب ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ میری حالت بہت اچھی تھی اور گھوم پھر کے فرش فروشی کرنے سے روزانہ تقریباً سو تومان یا اس سے بھی زیادہ کا نفع ہو جاتا تھا، لیکن جب انسان دولتمند ہو جاتا ہے تو گناہ بھی کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ میں بھی کبھی کبھی گناہ میں آلودہ ہونے لگا۔ یہانتک کہ

میرے اقبال کا ستارہ زوال کی طرف مائل ہوا۔ سارا سرمایہ میرے ہاتھوں سے جاتا رہا اور میں ایکہزار تومان سے زیادہ کا مقروض ہو گیا جبکہ ادائیگی کے لئے میرے پاس ایک تومان بھی نہیں تھا۔ کئی مہینوں تک میں اپنے مکان سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ جب میں بیٹھے بیٹھے خستہ ہو جاتا تھا تو راتوں کو لباس بدل کے پوری احتیاط کے ساتھ کوچے کے اندر نکلتا تھا۔

ایک رات میرے ایک قرضخواہ نے جس کو میرے باہر نکلنے کا علم تھا ایک سپاہی کو بلا کر اندھیرے میں بٹھا دیا۔ اور جیسے میں باہر آیا مجھے گرفتار کرا دیا۔ میں نے کوتوالی میں کہا کہ مجھے قید خانے لے چلو، لیکن رات بھر میں بھی تمھارا مطالبہ وصول نہ ہوگا۔ کیونکہ میرے پاس دس پیسے بھی نہیں ہیں۔ البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر خدائے عزّوجل نے گنجائش پیدا کی تو میں قرض ادا کروں گا۔ اس بات پر انھوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

ایک دوسرا قرضخواہ (جس کا انھوں نے نام بھی بتایا تھا) میرے دروازے پر آیا تھا۔ میری بیوی ایک چھوٹے دو سال کے بچے کو لے کر دروازے کے پیچھے پہونچی تو اس نے دروازے پر ایسی لات ماری کہ اس کی ضرب میری زوجہ کے پیٹ اور اس بچے پر لگی کہ بچّہ چند گھنٹوں میں مر گیا۔ اور میری زوجہ بیمار ہو گئی اور باوجود اس کے کہ اس واقعے کو بیس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں وہ اب بھی بیمار ہے۔ میرے گھر میں جو کچھ بھی تھا اسے لیجا کر میری بیوی نے فروخت کر دیا۔ یہاں تک کہ ہم ایک روٹی خریدنے کے لئے کبھی کبھی چائے کی پیالی (فنجان) اور تشتری بھی فروخت کر دیتے تھے۔

بالآخر میں نے طے کیا کہ ایران سے نکل کے عتبات عالیات کی طرف چلا جاؤں۔ شاید وہاں کوئی کام مل جائے اور ساتھ ہی قرضخواہوں کے شر سے بھی محفوظ رہوں۔ اس کے علاوہ ائمۂ اطہار علیہم السلام سے توسل بھی اختیار کروں۔ میں اپنے وطن سے خرم شہر کے راستے روانہ ہوا میرے ساتھ صرف ایک چھوٹی سی خورجین تھی جسمیں مختصر سا سامان رکھ لیا تھا۔ یہاں کھانے کے لئے بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ جب میں عراق کی سرزمین پر پہونچا تو تنہائی کا عالم تھا۔ اور راستے سے بھی واقف نہیں تھا۔ بغیر سمجھے بوجھے ایک نخلستان میں چل نکلا یہ نہیں جانتا تھا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ اور یہ راستہ کہاں پہ تمام ہوگا۔ وہاں کوئی دوسرا شخص بھی نہ تھا جس سے راستہ دریافت کرتا۔ نہ

کھانے کے لئے کوئی غذا موجود تھی۔ میں بھوک اور سفر کی تھکن سے نڈھال ہو چکا تھا۔ درخت سے گرے ہوئے کچھ خرمے زمین پر پڑے ہوئے تھے لیکن انھیں اس خیال سے نہیں کھایا کہ ان کا استعمال میرے لئے جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسی حالت میں رات ہو گئی۔ اور اندھیرا چھا گیا، میں اسی سنسان اور تاریک نخلستان میں بیٹھ گیا۔ اپنی خورجین زمین کے اوپر رکھ دی اور مجھ پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔ میں بلند آواز سے رو رہا تھا کہ ناگہاں دیکھا کہ ایک بہت ہی نورانی صورت بزرگوار تشریف لائے۔ ان کے سر پر بغیر عقال کے ایک چفیہ تھا۔ (اس سے مُراد وہ رومال ہے جو عرب لوگ اپنے سروں پر باندھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ سربند نہیں تھا۔) انھوں نے فارسی زبان میں فرمایا۔ اسقدر پریشان کیوں ہو؟ غم نہ کرو میں ابھی تمھیں پہونچاتا ہوں میں نے کہا، آقا! میں راستے سے واقف نہیں ہوں۔ فرمایا میں تمھاری راہنمائی کروں گا۔ اپنی خورجین اٹھاؤ اور میرے ساتھ آؤ۔ میں شاید دس قدم بھی نہیں چلا تھا کہ دیکھا ایک چوڑی پختہ سڑک ہے۔ فرمایا اسی جگہ ٹھہرو ابھی ایک بس آئے گی اور تمھیں لیجائے گی۔ اتنے میں دور سے بس کی روشنی ظاہر ہوئی اور وہ آقا چلے گئے۔ جب گاڑی میرے قریب پہونچی تو خود ہی رک گئی۔ اور مجھے سوار کر لیا۔ ایک مقام پر پہونچ کے مجھے دوسری بس میں بٹھا دیا، اور مجھ سے کوئی کرایہ بھی نہیں مانگا۔ اسی طرح کربلائے معلّٰی تک ہر ایک بس والا مجھے منزل بہ منزل دوسری بس کے حوالے کرتا رہا۔ اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ کرایہ لاؤ۔ گویا کہ وہ پہلے ہی سے اس کام پہ مامور تھے۔

کربلائے معلّٰی میں بھی مجھے کوئی کام نہیں ملا میری حالت بہت خراب تھی چنانچہ میں حضرت سید الشہداء علیہ السّلام کے حرم مطہر میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ آقا! میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ میرے حالات درست فرما دیجئے۔ اس کے بعد بہت گریہ کیا۔ جب میں حرم اقدس سے باہر آیا تو (یہ اربعین کا روز تھا) میں نے انھیں آقا کو دیکھا، جنھیں نخلستان میں دیکھا تھا۔ میں نے سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا۔ اور مجھے دس دینار مرحمت کر کے فرمایا کہ یہ دس دینار لو! میں نے کہا، آقا! یہ کم ہیں۔ فرمایا کم نہیں ہیں، اگر کم ہوں گے تو میں اور دیدوں گا۔ میں نے

کہا، آقا! آپ کا پتہ کیا ہے؟ فرمایا، ہم انھیں جگہوں پر ملتے ہیں۔

مشہدی محمد کہتے تھے کہ وہ پیسے بھی عجیب تھے۔ ان سے ایک عجیب قسم کی عطر کی خوشبو آتی تھی میں ان سے جو مال خریدتا تھا۔ اس میں کئی گنا فائدہ ہوتا تھا۔ میں نے اس طرح بہت نفع کمایا۔ جب چند ہزار تومان پس انداز ہو جاتے تھے۔ تو ایران آ کر قرضخواہوں میں تقسیم کر دیتا تھا اور یہ ساری آمدنی انھیں دس۱۰ دینار سے ہو رہی تھی۔

دوسرے ایک سال میں نے ۲۸ صفر کو حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے حرم اقدس میں انھیں آقا کو دیکھا تو میں نے کہا، کہ آقا! میری اور مدد فرما دیجئے، انھوں نے مزید پانچ دینار مرحمت فرمائے۔ لیکن اس کے بعد پھر ان کی زیارت نہیں ہوئی۔

ایک روز میں نجف اشرف کے بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک تجارت پیشہ شخص نے مجھے آواز دی میں اس کے سامنے پہونچا تو اس نے کہا، کیا تم میرے حجرے تک چل سکتے ہو۔؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تمھارے پاس کوئی ضامن ہے۔ میں نے کہا دو ضمانتدار ہیں۔ اس نے کہا، کون؟ میں نے کہا ایک خدائے عزّ و جلّ اور دوسرے امیر المومنین صلوات اللہ علیہ۔ اس نے اسے قبول کر لیا۔ وہ کہتے تھے کہ وہ تاجر کبھی کبھی ایک ایک ہزار دینار میرے سپرد کر دیتا تھا۔ اور میں بغداد جا کر جنس کی خریداری کر کے لاتا تھا۔ میں اس تجارت میں اس کا شریک تھا۔ میں نے اس کاروبار سے اپنے تمام قرض ادا کر دیئے۔ لیکن چونکہ میرے گھر والے قم میں تھے لہٰذا میں مجبوراً قم واپس آ گیا۔ میں نے حضرت سیّد الشہداءؑ کے حرم مطہر میں صرف یہ دعا کی تھی کہ میرے قرض ادا ہو جائیں اور میرے پاس ضروری اخراجات کے مطابق ذریعۂ معاش موجود ہے میں نے اس سے زیادہ کی خواہش اس لئے نہیں کی کہ میں دولت و ثروت کے برے اثرات دیکھ چکا تھا۔

مشہدی محمد موصوف کے مکان میں ایک روضہ بھی ہے۔ ان کے اخلاص کا ان کی مجلس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ میں بھی ذاتی طور سے اس میں شرکت کر چکا ہوں۔ وہ کہتے تھے کہ میں حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کو موجود پاتا ہوں۔

(۱۰۶)

قیر اور کارزین فارس کا زلزلہ

قیر شیراز کے جنوب مشرق میں تقریباً چالیس فرسخ کی مسافت پر واقع فیروز آباد سے تقریباً چودہ فرسخ دور ہے۔ کارزین سے اس کا فاصلہ ڈیڑھ فرسخ ہے۔ (فارس نامے میں کہتے ہیں کہ قیر کے بلاک کا طول دس۱۰ فرسخ ہے جس کی ابتدا مبارک آباد اور آخری حصہ باغ پاسلار ہے۔ اس کی چوڑائی قریۂ کیفرکان سے گندمان تک ڈھائی (۲ ۱/۲) فرسخ ہے اور یہ فارس کے ان مقامات میں سے ہے جہاں لوگ گرمیاں گزارنے جاتے ہیں۔ یہ بلاک تیئیس آباد قریوں پر مشتمل ہے)۔ آخر میں قیر بجلی، پانی کے نلوں، وسیع شاہراہوں، سیمنٹ اور لوہے کے گرڈروں سے بنی ہوئی عمارتوں کے ساتھ آباد ہوا۔ اور اس کی آبادی سات ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

۲۵۔ ماہ صفر ۱۳۹۲ھ قمری مطابق ۲۱۔ فروردین ۱۳۵۱ھ شمسی کو یہ خطّہ قہر الٰہی کا نشانہ بنا، اور بلائے آسمانی اور زمین کے عظیم زلزلے سے قیر کا بیشتر بلاک تباہ ہو گیا لیکن اس نے ہر جگہ سے زیادہ قیر کو زیر و زبر کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک عمارت بھی سالم نہیں رہی اور تقریباً اس کے ثلث (۱/۳) باشندوں نے پتھروں اینٹوں اور مٹّی کے انبار کے نیچے سخت ترین حالت میں جانیں دیں۔ اور بوڑھے لوگوں کی یادداشت میں بھی کوئی ایسا وحشتناک حادثہ موجود نہیں ہے۔ چونکہ اس کی تفصیل کا علم عبرت اور خواب غفلت سے بیداری کا موجب ہے۔ لہٰذا دو موثق اور معتبر اہلِ علم حضرات یعنی جناب آقائے شیخ محمد جواد مقیمی قیری اور جناب آقائے شیخ احمد رستگار سے جنھوں نے خود اس حادثے کا مشاہدہ کیا تھا درخواست کی گئی کہ انھوں نے جو کچھ دیکھا اور معلوم کیا ہے۔ اُسے لکھ دیں چنانچہ ناظرین کتاب کی اطلاع

کے لئے ان دونوں بزرگواروں کے مکتوب درج کئے جارہے ہیں۔

جناب شیخ محمد جوّاد مقیمی قیری کا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قیر کارزین، اور آفرز کے زلزلے کے دلخراش حادثے کے سلسلے میں جو کچھ پیش آیا، جتنی تحقیق ہوسکی اور جسقدر جانی و مالی نقصانات ہوئے انھیں خلاصے کے طور پر عرض کر رہا ہوں۔ ۲۵ ماہ صفر ۱۳۹۲ھ کو طلوع آفتاب سے ۱۵ منٹ پہلے ایسا شدید زلزلہ آیا کہ ماضی میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ جو لوگ اس وقت آبادی سے باہر تھے انھوں نے بتایا کہ پہلے ایک بجلی قبلے کی جانب سے پھر ایک بجلی قطب کی طرف سے چمکی اس کے بعد زلزلہ آگیا۔ ابتدا میں تو یہ قدرے خفیف تھا۔ لیکن پھر اس قدر شدید ہوگیا کہ زمین اپنے گرد چکّر کھارہی تھی۔ اس سے بجلی کی کڑک کی مانند ایک مہیب آواز پیدا ہوئی۔ اور یہ زلزلہ تقریباً ۱۵ سکنڈ قائم رہا۔ تمام گھر منہدم ہوگئے۔ اور سمنٹ، لوہے، گچ اور پتھر سے تعمیر کی ہوئی پائیدار عمارتیں بھی بیخ و بنیاد سے منتشر ہوکر زمین بوس ہوکر زمین بوس ہوگئیں۔ چونکہ چھوٹے بچے سو رہے تھے اور جو عورتیں جاگ رہی تھیں۔ وہ وضو یا نماز میں مشغول تھیں۔ اور بعض نماز پڑھ چکی تھیں۔ اور مرد بھی بیدار تھے۔ لہٰذا زیادہ تر چھوٹے بچّوں اور ان کی ماؤں کی جانیں تلف ہوئیں۔ جو اولاد کی محبت میں انھیں مکانوں سے باہر لانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن انھیں مہلت نہیں ملی۔ اور سب ملبے کے نیچے دب کے ہلاک ہوگئیں۔ ایک یقینی انداز کے مُطابق خود قیر کے اندر بڑے چھوٹے افراد کی تقریباً ڈھائی ہزار جانیں ضائع ہوئیں۔ اور اس کے ملحقات میں پانچ سو نفر کے قریب ہلاک ہوئے۔ واللہ اعلم۔

البتہ وہ لوگ جو زلزلے کے بعد دو روز ایک رات کی مدّت میں یعنی ۲۵ صفر کی صبح

سے چھبیسویں تاریخ کی شام تک ملبے کے نیچے سے کچھ لوگ زندہ نکالے گئے، ان میں سے ـــ

(۱) محمد صفائی ساکن قیر کا ایک سات یا آٹھ سال کا لڑکا محمود ہے۔ اس گھر کے کئی افراد ملبے میں دب گئے تھے۔ انمیں سے بعض تو اسی روز نکال لئے گئے۔ جن میں سے ایک مرچکا تھا۔ لیکن اس لڑکے کو دوسرے روز نکالا گیا، اور یہ بالکل صحیح و سالم نکلا۔

اس سے پوچھا گیا، آیا ان دو دنوں کے اندر کوئی شخص تمھیں کھانا اور پانی بھی پہونچاتا تھا اس نے کہا میرے ماموں جان رسول خاکساری مجھے بسکٹ اور پانی دیتے تھے۔ (یقیناً اسے غیب سے خوراک پہونچائی گئی، اور بچّہ غذا دینے والے کو اپنا ماموں سمجھتا رہا۔) یہ لڑکا آج بھی زندہ صحیح و سالم ہے۔

(۲)۔ آقا سیّد حبیب اللہ حسینی ساکن قیر کا ایک چار سال کا بچّہ سیّد حسن جو زلزلہ آنے کے بعد صبح کے ساڑھے پانچ بجے مٹّی اور پتھروں کے ڈھیر میں دب گیا تھا، اسے دوسرے روز چھبیسویں تاریخ دس بجے دن کو ملبے سے نکالا گیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تمھیں اس مدت میں کوئی شخص کھانا پانی دیتا تھا۔؟ تو اس نے جواب دیا میری ماں مجھے کھلاتی پلاتی تھی۔ درحالیکہ اس کی ماں ملبے میں دبی نہیں تھی بلکہ باہر تھی۔ البتہ اس کے دو بڑے بھائی۔ ایک اٹھارہ سال کا اور دوسرا اس سے چھوٹا، اور ایک بہن تینوں ہلاک ہوگئے تھے۔ یہ بچّہ بالکل صحیح و سالم نکالا گیا تھا۔

(۳) جو لوگ چوالیس گھنٹے گزرنے کے بعد خدا کی قدرت کاملہ سے برابر نکالے گئے ان میں سے مشہدی ابراہیم موزری ساکن قیر کا ایک گیارہ سال کا لڑکا منصور بھی ہے۔ جو پچیسویں کی صبح ساڑھے پانچ بجے مٹی میں دبا اور ستائیسویں تاریخ کے نصف شب کے ایک گھنٹے بعد ملبے سے نکالا گیا۔ البتہ یہ زندہ تھا، زیادہ دیر تک مٹّی میں دبے رہنے کی وجہ سے اس کے پاؤں مدّت تک چلنے کے لائق نہیں رہے۔ بحمداللہ اسے جلد ہی صحت ہوگئی۔ اور اب پھر چل پھر سکتا ہے۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اگر اسی روز بلکہ دوسرے روز تک بھی امداد پہونچ گئی ہوتی تو یقیناً بہت سے افراد ملبے کے نیچے سے زندہ نکل سکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ کمک اور امداد نہیں پہونچی۔ اور اکثر افراد نے دو دنوں کے بعد مٹی کے نیچے اپنی جانیں دیدیں۔

وحشتناک حادثے کی پیشگی خبر

ایک شخص سیّد جعفر حسینی تھے جو زلزلہ آنے سے چند روز بلکہ تین ہی روز قبل رحمتِ خدا سے واصل ہوئے وہ ایک متدیّن اور ایماندار انسان تھے۔ اور مرض الموت کے عالم میں بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ ان کے اکلوتے فرزند آقا سیّد اکبر احباب واقرباء کے ساتھ ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ وہ مرحوم اسی بیماری کی حالت میں کہنے لگے، اے تاجرو! اور اے پیشہ ورو! تم لوگ ایک ایک ہزار تومان دو کیونکہ تم لوگوں کے مکان برباد ہونے والے ہیں۔ اور اسی فقرے کی چند بار تکرار کی کہ ہزار تومان دو۔

پھر کہتے ہیں کہ سو ہی تومان دو، ورنہ گھر تباہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اپنے گھر والوں کی طرف رُخ کر کے کہتے ہیں کہ تم سب لوگ قیر سے باہر نکل جاؤ، ورنہ اگر یہاں رہو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور اس جملے کو بھی کئی مرتبہ دہرایا۔ اور اس کے چار روز کے بعد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ ان کے انتقال کے تین روز بعد ہی وہ عظیم زلزلہ آیا جسمیں مکانات منہدم ہو گئے۔ اور جانی و مالی نقصانات ہوئے۔ غالباً تاجروں اور دولتمندوں سے خطاب اور ایکہزار تومان دینے کی تاکید سے مراد یہ تھی کہ صدقہ دو اور فقیروں کو کھانا کھلاؤ تاکہ ردّ بلا ہو۔ اور ممکن ہے مرحوم نے اس حالت میں بلا کا مشاہدہ بھی کیا ہو۔ اور ان پر کشف ہوا ہو۔ اللہ اکبر! کس قدر غفلت میں ہیں ہم اولادِ آدمؑ کہ خدا کی ایسی عظیم نشانیوں سے بھی بیدار اور متنبّہ نہیں ہوتے۔

سچّا خواب

ایک شخص رمضان طاہری نے کہا کہ چھبیسویں صفر کی شب میں جس کی صبح کو زلزلہ آیا میرا ایک چھوٹا بچّہ بیمار تھا۔ اور اسے نیند نہیں آرہی تھی، اور وہ بہت بیچین تھا۔ طلوعِ صبح کے قریب میں نے دیکھا کہ وہ شدّت سے رو رہا ہے۔ میں نے اس کی ماں کو آواز دی

وہ بیدار ہوئی تو کہا، کیا ابھی صبح ہونے میں زیادہ دیر ہے۔؟ میں نے کہا صبح قریب ہے میں تھوڑی دیر کے لئے سونے جارہا ہوں۔ مجھ کو نماز کے وقت جگا دینا۔ مجھے نیند آگئی ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک جوان شخص میرے دروازے پر آیا اور مجھ سے کہا۔ باہر آؤ، میں نے کہا کیا کام ہے اس نے پھر کہا باہر آؤ، میں چلا گیا۔ میرے مکان کے قریب ایک وسیع میدان نظر آیا، اس نے کہا دیکھو میں نے کہا کیا چیز دیکھوں؟ اس نے کہا گھروں اور عمارتوں پر نگاہ کرو، جب میں نے نظر ڈالی تو دیکھا تمام مکانات منہدم ہو چکے ہیں۔ میں نے کہا، کیا یہ ہم لوگوں کے گھر ہیں۔؟ اس نے کہا، ہاں۔ میں نے کہا، یہاں کے سب لوگ نماز پڑھتے ہیں؟ روزے رکھتے ہیں؟ عبادتگذار ہیں؟ اس نے کہا یہ سب ریاکاری ہے۔ اس میں اخلاص نہیں ہے۔ میں نے ہر چند التماس کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور وہ روانہ ہو گیا۔

میں بیدار ہو گیا، تو دیکھا کہ نماز کا وقت ہے۔ میری اہلیہ نے کہا تم خواب میں گریہ کیوں کر رہے تھے۔؟ اور اس قدر پریشان کیوں تھے؟ میں نے کہا کچھ نہیں، جلدی کرو دو بچّوں کو تم اٹھاؤ اور دو کو میں اٹھاتا ہوں تاکہ انھیں گھر سے باہر لے چلیں۔ اس گھر میں دوسرے افراد بھی تھے میں نے جیسے ہی باہر لیجانے کے لئے بچّوں کے ہاتھ پکڑے زلزلہ آگیا اور ہمیں جنبش کرنے کی بھی مہلت نہیں دی۔ ہم سب لوگ مکان کے ملبے میں دب گئے، کئی بچّے اور ان کی ماں ہلاک ہو گئی۔ اور مجھے چند دیگر حضرات کے ساتھ مٹّی کے ملبے سے نکالا گیا۔ میں جسوقت ملبے کے نیچے سے باہر آیا تو مضطرب ہوا۔ کہ میری بیوی اور بچّے مٹّی کے نیچے ہیں۔ اور یہاں کوئی دوسرا شخص بھی نہیں ہے کیا کروں؟ میں نے دیکھا کہ میرا ایک عزیز میرے قریب آیا، اور آواز دی عموّ عموّ! میں نے کہا آؤ امداد کا وقت ہے۔ میرے بچّے مٹّی کے نیچے دبے ہوئے مر رہے ہیں انھیں نکالنے میں میری مدد کرو! اس نے روتے ہوئے کہا میرے بھی چند آدمی دبے ہوئے ہیں میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ہمارے گھر میں ایک نوجوان طالب علم تھا میں نے دیکھا کہ وہ محفوظ ہے لہٰذا اسے پکارا کہ آؤ مدد کرو، اس نے بھی گریہ کرتے ہوئے کہا، میں کچھ نہیں کر سکتا، اور چلا گیا۔ پھر میرا ایک رشتہ دار اور ہمسایہ آگیا جو بہت حیران اور سرگرداں تھا۔ میں نے کہا، محض رضائے خدا کے لئے آؤ، اور میری مدد کرو، میرے بچّے میرے ہاتھ سے جارہے ہیں اس نے کہا، میرے بچّے بھی مٹّی کے نیچے ہیں اور کوئی مددگار نہیں۔ خلاصہ یہ کہ

یہ کہ قیامت کا نمونہ تھا۔ سبھی نفسی نفسی کر رہے تھے۔ اگر میں اس واقعے کی پوری تفصیل کو لکھنا چاہوں تو بہت طول ہو جائے گا۔ قیر کی رہنے والی ایک عورت نے بتایا کہ جس رات کی صبح کو زلزلہ آیا اور مکانات برباد ہوئے، میں نے نصف شب ایک گھنٹے کے بعد خواب دیکھا کہ ایک سیّد ہمارے کے دروازے پر آئے ہیں جو عمامہ ان کے سر پر ہے اسے اپنی گردن کے گرد لپیٹے ہوئے ہیں۔ اور ایک عورت بھی ان کے ہمراہ ہیں جو اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے ہیں۔ مجھے آواز دی اور میں بیدار ہوئی تو فرمایا چراغ روشن کرو۔ میں نے چراغ جلایا تو فرمایا، اپنے شوہر اور بیٹوں کے ہمراہ گھر سے باہر نکلو۔ میں نے عرض کیا کہ آقا! میں نے چھ سات سال تک زحمتیں برداشت کر کے یہ گھر تعمیر کیا ہے۔ اور ابھی تازہ بہ تازہ رہنے کے لئے آئے ہیں، فرمایا باہر نکلنا ضروری ہے۔ کیونکہ بلا نازل ہونے والی ہے، میں نے کہا آپ اجازت دیتے ہیں۔ کہ اپنے شوہر کو جگا لوں۔

انھوں نے کہا جلدی کی ضرورت ہے۔ میں وحشت زدہ ہو گئی اور اپنے دل میں کہا، کاش صبح ہو جاتی اور مؤذن اذان دیدیتا۔ انھوں نے کہا آگ جلاؤ، پانی آگ پر رکھو لیکن چائے بنانے کی مہلت نہیں ملے گی۔

میں نے آگ جلائی اور اپنے شوہر حیدر کو آواز دیکر خواب سے بیدار کیا، دیکھا کہ مؤذن کی آواز بلند ہوئی اور اس نے صبح کی اذان کہی۔ دوسری بار جب میں گڑگڑا کے حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام سے متوسّل ہوئی اور صدا دی کہ یا ابوالفضل العباسؑ میری فریاد کو پہونچیئے۔ تو دیکھا کہ ایک جوان نورانی صورت سیّد جن کے جسم پر ہاتھ نہیں ہیں گھر کے دروازے پر آئے اور کہا حیدر کو جگاؤ اور کہو، تمھاری ماں کا انتقال ہو گیا ہے آ کے ان کا جنازہ اٹھاؤ اور دفن کرو، میں نے کہا آقا سیّد کاظم آپ کہاں تھے؟ (سیّد کاظم فاطمی اہل قیر کے منبر نشینوں اور خطیبوں میں سے تھے جو زلزلے کے حادثہ میں رحمت خدا سے واصل ہوئے۔) فرمایا میں سیّد کاظم ہوں میں قبیلے کی جانب سے آیا ہوں اور یہاں سے آگے جانا چاہتا ہوں۔ میں بہت خوفزدہ ہوئی تو فرمایا کہ ڈرو نہیں چونکہ تم حاملہ ہو اور میں تمھاری طرف پشت کر کے بات کر رہا ہوں۔ پس اس کے بعد میں نے انھیں نہیں دیکھا پس ایک ہلکا سا زلزلہ آیا اور جب تک میں بچّوں کو جگاؤں اور میرے شوہر

بستر خواب سے اٹھیں شدید زلزلہ شروع ہو گیا۔ اور صرف اتنے ہی وقفے میں کہ میں بچّوں کو باہر لا سکی مکان منہدم ہو گیا۔ اگرچہ ہمارے سبھی گھر تباہ ہوئے، لیکن جس گھر میں بچے سو رہے تھے وہ شق اور شکستہ تو ہوا، لیکن نیچے نہیں آیا۔ اور بحمد اللہ گھر والوں میں سے کسی کی جان تلف نہیں ہوئی۔

ایک مومنہ عورت نے کہا، میں نے زلزلہ آنے سے تقریباً ڈیڑھ مہینے پہلے ماہ محرّم میں خواب دیکھا کہ مشرق کی طرف سے ایک ابر ظاہر ہوا۔ جس کے درمیان ایک شخص بلند آواز سے اذان کہہ رہا تھا۔ وہ طلوع آفتاب کے ابتدائی افق سے اذان اور اللہ اکبر کہنے میں مشغول تھا۔ اور بتدریج بلند ہوتا ہوا اذان کے ایک ایک کلمے کو دہرا رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب قیر کے اوپر پہونچا تو خاموش ہو گیا۔ اس کی آواز ہر جگہ پہونچ رہی تھی۔ اور سارا عالم اسے سُن رہا تھا۔ میں خواب سے بیدار ہوئی۔ اور اپنے ایک ہمسایہ سے خواب بیان کیا۔ اس نے جواب دیا کہ تمھارا خواب اس بات کی دلیل ہے کہ قیر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

قیر کے ایک باشندے سے سید علی مرتضوی کہتے ہیں کہ زلزلہ آنے اور قیر کی بربادی سے ایک رات قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گہرا سیاہ ابر قبلے کی جانب سے نمودار ہوا ہے اور قیر کے باشندوں کی کثیر تعداد اس کے سامنے کھڑی ہوئی التماس کر رہی ہے۔ کہ ہماری بستی سے گزر جا ہمیں بلا میں گرفتار نہ کر، لیکن ان کی درخواستوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اور وہ ابر قطب کی جانب سے آ کے سیلاب کی مانند دفعتاً سارے قیر پر چھا گیا۔ اور پھر قبلے کی طرف نیچے اتر گیا۔

اس طرح کے وحشتناک خواب کثرت سے ہیں۔ جو اس عظیم حادثے کی پیشگی خبریں دے رہے تھے۔ لیکن ان سب کا نقل کرنا طول کلام کا باعث ہو گا۔ اسی طرح جو لوگ ایک یا دو روز تک ملبے کے نیچے دبے رہنے کے بعد زندہ برآمد ہوئے ان کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ لیکن جس قدر لکھا گیا ہے عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔

"مَا اَکْثَرَ الْعِبَرَ وَ اَقَلَّ الْاِعْتِبَارَ" یعنی کتنے زیادہ ہیں عبرت کے اسباب اور کتنے کم ہیں عبرت کے حاصل کرنے والے۔

جو کچھ میں نے بذاتِ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک مقام ، "تنگ روئین" میں تبلیغ میں مشغول تھا۔ ماہ صفر کی چوبیسویں تاریخ عصر کے وقت مجھے وہاں سے ایک فرسخ کے فاصلے پر مقام "بند لبست" میں دعوت دی گئی۔ اور میں وہاں نیز چند مزدور پیشہ اور خانہ بدوش قبیلوں کے یہاں تبلیغ اور عزاداری حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کے سلسلے میں پہونچا، وہاں سے قیر تک پانچ فرسخ کا فاصلہ تھا۔ میں اسی شب میں اسی جگہ دو گھنٹے تک دینی مسائل کی تلقین، وعظ و نصیحت، اور عزاداری میں مصروف رہا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد چند لوگوں نے جو "تنگ روئین" سے آئے تھے کہا۔ آیئے تنگ روئین واپس چلیں اور وہیں آرام کیجئے۔ میں نے کہا۔ میں بہت تھک گیا ہوں آج کی شب یہیں سوؤں گا۔ اور کل صبح کو آؤں گا۔ وہ لوگ تو چلے گئے اور میں اسی جگہ خیمے کے اندر سو گیا۔ پھر صبح کی نماز بھی وہیں پڑھی اور بعد نماز دوبارہ لیٹ گیا۔ ابھی میری آنکھ نہیں لگی تھی زلزلہ شروع ہو گیا۔ میں گھبرا کے اٹھا کہ خیمے سے باہر نکلوں لیکن زلزلہ اس قدر شدید تھا کہ میں کھڑا نہیں ہو سکا اور زمین پر گر پڑا۔! دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی اور پھر گر گیا۔ سہ بارہ ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے۔ زمین اپنے گرد چکّر کھا رہی تھی اور کانپ رہی تھی۔ جب ذرا سکون ہوا تو خیمے سے باہر نکلا۔ وہاں سے قریب ہی ایک بڑا پہاڑ تھا وہ اس طرح لرز رہا تھا کہ اس کی چوٹی سے بڑے بڑے پتھر اکھڑ کے ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے۔ اور ٹوٹ ٹوٹ کے نیچے گر رہے تھے۔ پہاڑ رعد و برق کے مانند آواز دے رہا تھا۔ اور بعض مقامات پر زمین جگہ جگہ سے شق ہو کر دوبارہ مل گئی تھی۔

ایک پہاڑ "آب یاد" کے نزدیک زمین پھٹ گئی اور چشمے کے مانند بہت کثرت سے پانی اُبلا جس کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ یہاں ایک بڑی جھیل کی طرح پانی رکا ہوا ہے اور حرکت نہیں کر رہا ہے بعض دیگر مقامات پر جہاں چشموں سے پانی جاری تھا اور اس سے زراعت کے بہت بڑے رقبے اور بے شمار باغات کی آبیاری ہوتی تھی چشمے بالکل خشک ہو گئے ہیں یا ان کا پانی کم ہو گیا ہے اور بعض علاقوں میں چشموں کا پانی کئی گنا بڑھ گیا ہے۔

جیسا کہ خود قیر میں ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کا بہتر جاننے والا ہے خدا جملہ مومنین و مومنات کو بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ بحق محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

مزید اطلاع قیر و اہلِ قیر کے حالات سے روشناس کرنے کے لئے عرض کرتا ہوں کہ:

خود قیر ایک ایسا قصبہ تھا جسے کسی حد تک شہر کی حیثیت دیدی گئی تھی۔ اور موجودہ تمدّن کی روشنی میں تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ اس میں بجلی، میونسپلٹی اور نل کے پانی کا انتظام موجود تھا۔ اور شہر کے درمیان جدید اور پختہ سڑکیں بنائی گئی تھیں۔ اس کی آبادی چھ ہزار نفر سے زیادہ تھی۔ اس میں چند مدرسے بھی قائم تھے اور یونیورسٹی کے ابتدائی مراحل بھی انجام پا رہے تھے یہاں سات آٹھ مسجدیں بھی تھیں لیکن کوئی عالم دین اور مذہبی پیشوا موجود نہیں تھا صرف ماہ رمضان اور ماہ محرّم و صفر میں اور وہ بھی بہت کمی کے ساتھ تبلیغی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں، جن کے مقرر اور ذاکر بھی بے سواد تھے نہ ان لوگوں کے پاس کوئی عالم تھا نہ انھیں اہلِ علم سے قلبی اور حقیقی لگاؤ تھا۔

سب بہت مادّہ پرست اور دنیا کے حریص تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کے درمیان بالکل متروک تھی۔ اور اگر کوئی شخص دینداری اختیار کرتا اور اس کا کوئی دینی فریضہ انجام دیتا تو اس کے پیچھے لگ جاتے اور اسے ملامت کرتے اور آج خدا کی اس عظیم نشانی کے بعد بھی جو قیامت کا ایک نمونہ تھی کسی مبلغ و عالم اور صحیح راہبر کی عدم موجودگی کی وجہ سے باقی ماندہ افراد بھی اسی سابقہ حالت پر باقی ہیں۔ بلکہ پہلے سے زیادہ بدبخت اور بدتر ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں ان بیچاروں کا انجام کار کس منزل پر منتہی ہوگا۔

اب میں اس سے زیادہ آپ کا وقت نہ لوں گا۔ خدا بحرمت محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین علمائے اعلام اور مجتہدین عظام کا عموماً اور خاص طور سے حضرت مستطاب جناب عالی کا سایۂ مبارک اس جاں نثار نیز تمام مسلمین و مومنین کے سروں پر قائم رکھے اور آپ کے وجود مبارک کو جملہ بلیّات سے مصئون و محفوظ قرار دے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

"محمد جواد مقیمی"

اور یہ ہے جناب آقائے شیخ احمد رستگار کی تحریر

بسمہ تعالیٰ

۲۵ صفر ۹۲ھ کی تاریخ میں جب قیر اور کارزین میں زلزلہ آیا میں کارزین کے ایک قریے موسوم بہ "سرچشمہ" میں حاضر و ناظر تھا۔ اس کے حالات و واقعات یہ ہیں کہ میں صبح کے وقت فریضۂ صبح ادا کرنے کے بعد تقریباً سوا پانچ بجے نماز کے تعقیبات اور وظائف و اوراد میں مشغول تھا کہ ناگاہ زمین نے تھوڑا تھوڑا لرزنا شروع کیا۔ میں نے جان لیا کہ زلزلہ ہے اور اس خیال سے کچھ دیر تامّل کیا کہ زلزلہ ٹھہرے تو نماز آیات پڑھوں۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ اس کا سلسلہ قائم ہے تو اٹھ کے کمرے کے دروازے سے سر باہر نکالا کہ دیکھوں کہ کیا ہو رہا ہے؟ درحالیکہ میں پابرہنہ تھا لیکن بھاگنے کا قصد نہیں تھا۔ جب میں دروازے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ دفعتاً آسمان سے ایک آواز پیدا ہوئی اور زمین شدّت سے ہلنے لگی۔ میں جھونکے میں اُچھل کے تقریباً سات میٹر آگے ایک درخت کے پاس پہونچ گیا۔ چونکہ زمین کی لرزش بہت تیز تھی اس لئے اپنے اوپر قابو نہ پاسکا۔ اور مجبوراً درخت سے لپٹ گیا۔ ناگاہ دنیا پر ایکبارگی اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب روشنی ہوئی اور تاریکی زائل ہوئی تو میں نے نظر ڈالی اور دیکھا کہ چند مختصر سی ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور گرے پڑے مکانات کے علاوہ گھروں اور گاؤں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ زلزلہ تقریباً ۲۵ سکنڈ تک قائم رہا لیکن آبادی کی خرابی اور بربادی حد سے زیادہ واقع ہوئی۔

مختصر یہ کہ چونکہ صبح کا وقت تھا اور گاؤں کے لوگ کاشتکاری کے امور انجام دینے کے لئے گھروں سے نکل چکے تھے لیکن ابھی گاؤں سے باہر نہیں گئے تھے۔ لہٰذا میں نے فوراً انھیں تاکید کی باہر نہ جائیں، انھیں تسلّی دی اور اس کام پر مستعد کر دیا کہ جوانوں اور بوڑھوں نے مل کے بلکہ عورتوں نے بھی تعاون کر کے کسی نے اپنے پاس موجود اوزار کے ذریعہ اور کسی نے صرف

ہاتھوں سے کوشش کی اور چار گھنٹوں تک پوری جد و جہد اور محنت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو ۱۵۰ افراد کو مٹّی اور ملبے کے نیچے سے باہر نکالا جن میں زیادہ تر تعداد بچّوں کی تھی اور چند مرد اور عورتیں بھی تھیں اور جو لوگ جاں بحق ہوئے تھے ان کی تعداد اکسٹھ تھی۔ تمام لاشوں کو ایک دوسری کے پہلو میں لٹا کر قبریں کھودنے کا کام شروع کیا گیا۔ میں نے چند افراد کو معیّن کیا کہ غسل دینے اور کفن پہنانے میں مشغول ہوں۔ اور میں نے جناب حاج شیخ منصور محمودی کی معیت میں جو زندہ بچ جانے والوں میں سے تھے اور امامباڑے کے منہدم ہونے سے پہلے ہی باہر نکل آئے تھے۔ تمام میّتوں پر نماز جنازہ پڑھی اور ظہر کے بعد چار گھنٹوں کے اندر ہر ایک کو جدا جدا سُپردِ خاک کر دیا۔

میں اہل قریہ کی تعزیت اور تسلیت کی غرض سے تین روز تک وہاں مقیم رہا اس کے بعد اپنے گھر واپس آگیا۔ البتہ قیر اور کارزین کی بستیوں کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر سکا۔

ایک ضروری یاد دہانی

بعض مسلمان مادہ پرستوں کی پیروی میں نادانستہ طور پر تباہ کن زلزلے اور ہلاکت خیز سیلاب جیسے زمین میں واقع ہونے والے وحشت انگیز حادثات کو طبیعت اور فطرت کا قہر کہتے ہیں اور انھیں اخبارات میں طبیعت کے غیظ وغضب کے لفظوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ الفاظ عقل وشرع کے برخلاف ہیں۔ خلاف عقل اس لئے کہ قہر وغضب غصّہ وادراک وشعور کے آثار میں سے ہے مثلاً انسان یا حیوان جب کسی دوسرے سے ناموافق اور ناگوار سلوک کا ادراک کرتا ہے تو اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ اور اس سے انتقام لیتا ہے اس بنا پر طبیعت کے لئے جس میں بنیادی طور پر کوئی شعور نہیں پایا جاتا خشم وغضب کا تصوّر قائم نہیں ہوتا۔

اس طرح امکان وحدوث کی براہین سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا کہ کرۂ زمین اس کے اندر پائے جانے والے موجودات اور عالم ہستی کے دیگر اجزاء سب کے سب خالق کائنات کے پیدا کئے ہوئے ہیں عمومی طور سے اس کی بے حد وانتہا حکمت وقدرت کے نمونے ہیں۔ اور عرش سے فرش تک ذرّے سے ذرّے تک سبھی چیزیں رب العالمین کی تربیت اور تدبیر کے ماتحت ہیں لہذا جو حادثات کرّۂ زمین میں رونما ہوتے ہیں۔ وہ بھی دنیا کے خالق اور پروردگار کی جانب سے ہیں آیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ کوئی حادثہ خود بخود پیدا ہو جائے۔ آیا یہ ممکن ہے کہ خدا کے ملک میں اور اس کے مخلوقات میں بغیر اس کے اذن اور مشیت کے کوئی حادثہ رونما ہو؟ درحالیکہ بغیر اس کی اجازت کے نہ کوئی پتّا درخت سے گرتا ہے نہ بارش کا کوئی قطرہ برستا ہے، جلّ جلالہ،[1]

---

[1] ۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا (سورۂ توبہ آیت ۵۹)

حادثات کے لئے طبیعی اسباب

اگر کہا جائے کہ ان حادثات کے لئے کچھ جانے پہچانے اسباب ہیں مثلاً ہلاکت خیز سیلابوں کا سبب پے در پے اور شدید بارشیں ہیں۔ اور زلزلے کا سبب جوف زمین کے اندر آپس میں تھپیڑے کھانے والے بخارات ہیں جو متحرک ہو کر کسی مقام سے باہر نکلنا چاہتے ہیں یا وہ سیلاب ہیں جو زمین کے اندرونی حصّوں میں حرکت کرتے ہیں۔

سبب کی سببیت مسبّب کی طرف سے

تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ہم اسباب ومسبّبات کے سلسلے اور علّتوں سے معلولات کے ارتباط کے منکر نہیں ہیں اور ہم بھی کہتے ہیں کہ مکانوں اور عمارتوں کی تباہی سیلاب اور اس بارش کی وجہ سے ہے جو ابر سے نیچے آتی ہے اور ابر بھی وہ بخارات ہیں جو آفتاب کی حرارت اور حدّت کے باعث سمندروں سے اٹھتے ہیں۔ یا مثلاً میوے کی پیدائش درخت سے ہے۔ اور درخت بھی اس تخم سے حاصل ہوا جو زمین میں بویا گیا اور اسے پانی کی تری پہونچی نیز حیوان کی پیدائش نطفے سے ہوتی ہے۔ اور نطفہ بھی نر کے مادہ کے ساتھ جفت ہونے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر اشیاء لیکن گفتگو اسباب کی پیدائش اور ان سے اثر اور خاصیت کے ظہور کے بارے میں ہے اور ہم کہتے ہیں کہ جس طرح عقل کے قطعی فیصلے کے مطابق ہر سبب کا اصل وجود اس کی طرف سے نہیں ہے اور وہ خود اپنے ہی جیسے مخلوق سے عالم ہستی میں نہیں آیا ہے۔ بلکہ ساری کائنات کے خالق خدا نے اسے پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح اس کی خاصیت اور سببیّت بھی خود اس کی ذات سے نہیں ہے۔ بلکہ خدائے مسبّب الاسباب نے اسے دوسری چیز کی پیدائش کا سبب قرار دیا ہے اور تمام اجزائے ہستی میں مربّی اور مدبّر صرف وہی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ اور اس میں اسکا کوئی شریک بھی نہیں ہے۔

(اور یہ مطلب کتاب قلب سلیم کی بحث توحید افعالی میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے)

مثال کے طور پر جیسا کہ پانی کی اصل پیدائش خدا کی طرف سے ہے اس کا آفتاب کی تپش سے

بخار کی حالت میں تبدیل ہونا، پھر بخار کا ابر کی صورت میں آنا اور اس کے بعد اس سے بارش کا نزول یہ سارا کا سارا عمل بھی اسی کی تدبیر اور اجازت سے ہے یعنی جس مقام پر اور جس مقدار میں اسکی مشیّت کا اقتضا ہوتا ہے بارش ہوتی ہے نیز اس کا سیلاب کی صورت اختیار کرنا اور تباہی پھیلانا بھی اسی کے اذن اور مشیّت سے وابستہ ہے۔

اسی طرح جیسی کہ زمین کے جوف میں بخارات کی پیدائش زمین کو پیدا کرنے والے خدا کے حکم سے ہے اور جس طرح اس کی قدرت زمین کو اس قدر وزنی ہونے کے باوجود جھنجھوڑ دیتی ہے کمیّت و کیفیت یعنی اس کی لغزش کا اندازہ اور اس کے اثرات سب خدا کی جانب سے ہوتے ہیں۔ خواہ وہ زلزلے سے ہوں جو بیابانوں میں واقع ہوتے ہیں۔ اور ان سے انسان کو کوئی ضرر نہیں پہونچتا۔ یا وہ شدید زلزلے جو آبادیوں میں رونما ہوتے ہیں اور ان سے کسی دیوار کی ایک اینٹ بھی نہیں گرتی۔ اور جب کبھی حکمت و مشیّت کا اقتضا ہوتا ہے تو محکم اور پائیدار و استوار عمارتوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کے انھیں زیر و زبر کر دیتے ہیں۔ اور انسان کو بیچارہ و مجبور و درماندہ بنا دیتے ہیں۔ "زمین میں اور تمھارے نفسوں میں کوئی بلا نہیں پہونچتی مگر یہ کہ وہ لوح محفوظ میں ثبت ہو چکی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں[1]

حادثات کی سات شرطیں

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ زمین و آسمان میں بغیر سات خصلتوں کے کوئی چیز نہیں ہوتی یعنی مشیّت، ارادہ، قدر، قضا، اذن، کتاب اور اجل کے ساتھ جو شخص یہ گمان کرے کہ انمیں سے کسی ایک کو توڑ سکتا ہے تو حقیقتاً وہ کافر ہے۔[2]

---

[1] مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزِّلَھَا۔ (سورۂ ۵۷ آیت نمبر ۲۲)

[2] لا یکون شیئًا فی الارض و فی السّماء الّا بھٰذہ الخصال السّبع بمشیّۃ و ارادۃ و قدر و قضاء و اذن و کتاب و اجل۔ فمن زعم انّہ یقدر علی نقض واحدۃ فقد کفر۔

(اصول کافی)

اور دوسری حدیث میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو شخص اس سے جداگانہ اعتقاد رکھے، حقیقتاً اُس نے خدا پر جھوٹ باندھا۔ یا امر خدا کو رد کیا۔ اس مختصر سے بیان سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ زمین کا لرزہ (زلزلہ) اور دیگر حادثات عمومیت کے ساتھ خدا کے اذن اور مشیت سے واقع ہوتے ہیں۔

آیا یہ خُدا کے غیظ و غضب کا نتیجہ ہے

اگرچہ پوچھا جائے کہ آیا ان دہشت ناک حادثات کو خدا کا قہر و غضب کہا جا سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ خدا انسان کے اختیاری افعال کے مقابلے میں خوش اور ناخوش ہوتا ہے۔ اور لطف و کرم یا قہر و غضب کے ساتھ پیش آتا ہے یعنی انسان کے نیک اعمال خدا کی رضا اور خوشنودی کے باعث ہیں۔ جس طرح اس کے برے افعال خدا کی ناراضگی اور خشم کے موجب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ جان لینا واجب ہے کہ خدا کی رضا اور ناراضگی مخلوق کی خوشنودی اور غصّے کی مانند نہیں ہے۔ مطلب کی توضیح یہ ہے کہ جسوقت کوئی آدمی کسی دوسرے کا ایسا کردار دیکھتا ہے۔ جو اس کے مزاج کے موافق اور اس کی خواہش و مرضی کے مطابق ہوتا ہے تو قہری طور پر اس کا دل شاد و مسرور ہو جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر اسے نیکی کے ساتھ یاد کرتا اور اسکے ساتھ انعام و احسان کا سلوک کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اگر وہ عمل سے اسے ناگوار اور اسکی نفرت کا موجب ہو تو اس کا دل رنجیدہ اور آزردہ ہوتا ہے۔ اس کا خون جوش میں آتا ہے اور اپنے دل کی تسکین اور آسودگی کے لئے اس شخص کو سزا دینے اور انتقام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ہے مخلوق کی رضامندی اور ناراضگی ایک دوسرے کے ساتھ۔

لیکن خدائے عزّ و جلّ ہر قسم کے تاثر اور انفعال سے منزّہ اور مبرّا ہے اس طرح کہ اگر تمام افراد بشر نیکوکار ہو جائیں اور اس کی بندگی بجا لائیں اور عام طور سے بدکردار ہو جائیں اور اس کی بندگی سے سرکشی کریں۔ تو اس کی ذات مقدّس پر ایک ذرّے سے کم بھی اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

گر جملۂ کائنات کافر گردند   بر دامن کبریاش ننشیند گرد

یعنی اگر ساری کائنات کے لوگ کافر ہو جائیں تو اس کے دامن کبریائی پر اس کی گرد بھی نہیں پڑے گی البتہ اس نے انسان کے افعال و کردار کو بھی مہمل اور بے اثر قرار نہیں دیا ہے بلکہ اگر کچھ بندے اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں تو انھیں اپنے لطف و عنایت اور انعام و اکرام سے بہرہ مند فرماتا ہے۔ جیسا کہ اگر طاغی اور باغی ہوں۔ تو ان پر سخت عقوبت اور عذاب بھی فرمائیگا "یہ جان لو کہ خدا سخت شکنجہ اور سزا دینے والا ہے۔ اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔" خلاصہ یہ کہ خدا کی رضامندی اور ناراضگی اس کا وہی ثواب اور عقاب و سزا ہے اور عالم جزا کلّی طور پر ایک عظیم عالم میں موت کے بعد یعنی برزخ اور قیامت میں ہے۔

البتہ دنیاوی زندگی کے بارے میں آیات اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض طاعتیں اور عبادتیں ایسی ہیں کہ آخرت کی جزا اور ثواب کے علاوہ ردّ بلا اور مال و عمر میں برکت کا موجب بھی ہیں۔ جیسا کہ بعض گناہوں کا اثر ہے کہ وہ آخرت کی سزا کے علاوہ اس دنیا میں نزول بلا کے باعث ہیں جیسے حرص، شدید بخل، قساوت قلب، ظلم، ایک دوسرے کے حقوق میں تجاوز اور زیادتی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنا وغیرہ [1]

یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ گناہوں کے نتیجے میں بلا کا نزول کلیت اور عمومیت نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ کریم اور حلیم و حکیم پروردگار گناہگار کو مہلت دے دے کہ شاید وہ توبہ کر لے یا کوئی ایسا نیک عمل بجا لائے جو اس گناہ کے اثر کو زائل کر دے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغاوت و معصیت کی شدت کے سبب اس پر کوئی بلا نازل ہی نہ ہو بلکہ اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو جائے تاکہ اس کا عذاب آخرت اور بڑھ جائے۔ اس مطلب کے شواہد قرآن مجید میں کثرت سے ہیں جن کا نقل کرنا طول کلام کا باعث ہوگا۔

---

[1] ۔ امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت شعیب پیغمبر کو وحی فرمائی کہ میں تمھاری قوم کے ایک لاکھ افراد پر عذاب کروں گا، چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) اشرار پر اور ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) نیک لوگوں پر۔ حضرت شعیب نے عرض کیا، پروردگار! برے تو اس کے مستحق ہیں لیکن نیک لوگوں پر کس لئے؟ ارشاد ہوا، چونکہ انھوں نے برے اشخاص سے اتحاد رکھا، میری ناراضگی کی بنا پر ان سے ناراض نہیں ہوئے۔ اور انھیں زجر و تنبیہ نہیں کی۔ (وصائل کتاب امر بمعروف باب ۸)

طرح طرح کے اشکال اور انکے جوابات

جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زمین کا وہ زلزلہ جس سے کچھ لوگ ہلاک ہوتے ہیں کچھ خانماں برباد ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ایک دوسرا اگر وہ بھی مجبور اور مصیبت زدہ ہو جاتا ہے دیگر بلاؤں کی طرح الٰہی قہر و غضب و انتقام اور سزا کا نمونہ ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ عمومی بلا خدا کی جانب سے انتقام اور سزا کیونکر ہو سکتی ہے۔ درحالیکہ بلا رسیدہ اور مُصیبت زدہ افراد میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بلا کے مستحق نہیں ہوتے یا بے بس، کمزور اور بچے ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بہت سی جماعتیں اور گروہ جو ان بلا رسیدہ لوگوں سے بدرجہا زیادہ گناہگار ہیں۔ محفوظ مامون رہتے ہیں۔ یہ تو عدل و انصاف کے برخلاف نظر آتا ہے۔ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ انتقام اور سزا تو صرف گناہگاروں کے لئے ہے لیکن عمومی بلا میں جو بے گناہ اشخاص ہلاک ہوتے ہیں یہ بلا دنیاوی محنتوں اور مصیبتوں سے انکی خلاصی اور عالم جزا، دار ثواب، اور دائمی سعادت و نیک بختی تک ان کے جلد از جلد پہونچنے کا سبب بن جاتی ہے۔ البتہ انھیں جس رنج اور شکنجے کا سامنا کرنا پڑتا ہے خدائے جبّار اس کا جبران اور تلافی فرمائے گا۔ اور انھیں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ خلاصہ یہ کہ بلا گناہگار کے لئے عقوبت اور سزا ہے۔ اور بے گناہ اور نیکوکار کے لئے کرامت اور ثواب و درجات کی باعث ہے۔ جو اطفال بچپن ہی کے اندر مر جاتے ہیں ان کے لئے روایت کے اندر ہے کہ وہ عالم برزخ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے زیر کفالت ہیں جہاں ان کی تربیت ہوتی ہے اور وہ قیامت کے روز اپنی ماں اور باپ سے آملیں گے۔ ان کے حق میں شفاعت کریں گے اور انھیں ساتھ کے جنّت میں داخل ہوں گے۔

لیکن باقی ماندہ مصیبت زدہ لوگ، پس یہ بلا ان کے لئے الٰہی تادیب، نیز عبرت اور غفلت سے ہوشیاری کی موجب ہے تاکہ وہ توبہ کریں صلح و سداد و نیک شعاری کی طرف رُخ کریں اور اس خداوندی تنبیہ اور گوشمالی سے فائدہ اٹھائیں [1]

---

[1] ۔ چنانچہ شہر لوط کے بارے میں جو ان لوگوں کی سرکشی اور گناہوں کی کثرت کی وجہ سے زیر و زبر ہو گیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۲۵۶ پر)

اور مخصوص طور پر کسی ایک گروہ کے بلا میں گرفتار ہونے اور اس سے کہیں زیادہ فاسد و بدکار معاشروں اور جماعتوں سے محفوظ اور امن و امان میں رہنے کے بارے میں جواب یہ ہے کہ اولاً جیسا بتایا گیا دنیا عالم جزا نہیں ہے۔ کہ ہر گنہگار کو یہیں اس کے برے کردار کی سزا مل جائے۔ نیز بتایا گیا کہ جس وقت حکمت الٰہی کا اقتضاء ہوتا ہے انسان کو بعض گناہوں کی سزا دیدیتا ہے تاکہ وہ متنبہ ہو جائے سرکشی اور معصیت سے ہاتھ کھینچ لے۔ اور خدا کی بندگی کا راستہ ترک نہ کرے جو اس کی ساری سعادت اور نیک بختی کا وسیلہ ہے۔

دوم۲:۔ ضروری نہیں ہے کہ جس وقت کسی خاص جماعت پر بلا نازل ہو اسی وقت دوسرے لوگ بھی مبتلا ہوں۔ دوسرے گنہگار اشخاص بھی اپنے موقع پر حسب حکمت الٰہی متقضی ہوگی، زد میں آئیں گے۔ اس کے علاوہ بلا کچھ زلزلے ہی سے مقصود نہیں ہے۔ ممکن ہے انھیں اس سے زیادہ سخت مصیبت میں گرفتار کرے جیسا کہ اس دور میں اکثر ممالک ایک دوسرے کے ساتھ جنگ و جدال میں مبتلا ہیں۔ اور راحت و آسائش امن و سکون ان سے سلب کر لیا گیا ہے (کتاب قلب سلیم میں اس طرح کی بلاؤں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے)۔

سوم۳:۔ زیادہ تر معاشروں اور اجتماعوں میں کچھ ایسے خمیدہ کمر بوڑھے ہوتے ہیں جنھوں نے خدا کی عبادت میں اپنے بال سفید کئے ہیں۔ اور کچھ ایسے خضوع و خشوع رکھنے والے جوان بھی ہوتے ہیں۔ جنھوں نے نفسانی خواہشوں سے منھ موڑ کر خدا کی طرف رخ کر لیا ہے۔ اور انکے اخلاص اور دعاؤں کی برکت سے انکی جماعت سے بلا دور ہو جاتی ہے اگر رکوع و سجود کرنے والے بندے، ایسے نیک افراد جن کے دل خدا کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں۔ اور شیر خوار بچے نہ ہوتے تو بلا تم لوگوں کے اوپر پھٹ پڑتی۔[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵) اور اس کے تباہ شدہ مکانات اس راہ سے گزرنے والوں کے لئے عبرت اور ہوشیاری کے موجب ہیں "وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (سورۂ والصافات)۔ اور تم (مکے اور مدینے سے شام کی طرف) سفر کرتے ہوئے ان پر سے گزرتے ہو۔ آیا تم غور نہیں کرتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے تاکہ سرکشی اور گناہوں سے باز رہو؟۔

[۱] (صفحہ ہٰذا) عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ فی حدیث طویل۔ لولا عباد رکّع ورجال خشّع وصبیان رضّع لصبّ علیکم العذاب صبّا۔ (مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۲۵۳)۔

(۱۰۷)

دُعا کی فوری قبولیتُ

فقیہ عادل حضرت آقائے حاج شیخ مرتضیٰ حائری دامت برکاتہ نے جو حوزۂ علمیہ قم کی صفِ اوّل کے علماء میں سے ہیں چند باعث عبرت اور بصیرت افروز داستانیں رقم فرمائی ہیں جنھیں عام فائدے کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔

ایک داستان جسے میں نے دو معتبر طریقوں سے سنا ہے نقل کرتا ہوں۔ ایک جناب آقائے حاج سید صدر الدین جزائری سے جسے انھوں نے اپنے ایک معتمد اور موثق شخص سے سنا۔ دوسرے ان کے پوتے (یا نواسے) جناب آقائے مروارید سے جسے انھوں نے ایک ایسے شخص سے سُنا جس پر انھیں پورا اعتماد اور بھروسہ تھا۔

داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ مرحوم حاج شیخ حسن علی رحمۃ اللہ علیہ (جن بزرگوار کا داستان نمبر۱ میں نام آچکا ہے) اپنے ایک رفیق کو دیکھنے کے لئے گئے جسے شدید بخار تھا۔ انھوں نے بخار سے کہا، باذن خدائے تعالیٰ فلاں کے بدن سے نکل جا پھر فرمایا، کہ ایک حقّہ لاؤ تاکہ میں اس کا کش لگاؤں۔ یہ نکل جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بیمار کے جسم سے بخار نکل گیا۔ اور اسے صحت ہو گئی۔

لوگوں نے ان سے کہا کہ، آپ نے اس قدر جزم و یقین سے کہنے کی ہمت کس طرح کی؟ تو فرمایا، اس لئے کہ میں نے اپنے مولا و آقا امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) سے خیانت نہیں کی ہے اور یقین رکھتا ہوں کہ آپ اپنے امانتدار خادم کی آبرو کی حفاظت فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ مرحوم حاج شیخ حسن علی مرحوم حجۃ الاسلام حاج میرزا محمد حسن شیرازی کے عظیم شاگردوں میں سے اور میرزا شیرازی، آخوند خراسانی، اور سید فشار کی صف میں شامل تھے۔ آقائے نوخانی نے جو خود بھی زمانے کے بہترین افراد میں سے تھے نقل کیا کہ جب مرحوم حاج شیخ

مشہد مقدس میں آئے ہوئے تھے تو یہاں اپنے قیام کے ابتدائی ایام میں اپنے کو اسقدر غیر معروف اور بے تعلق بنا رکھا تھا کہ علماء بھی ان کے علمی مقام سے واقف نہ تھے وہ مرحوم آقا میر سیّد علی حائری یزدی کے مصلّے کے پاس بیٹھتے تھے۔ اور محتاج اور پریشان لوگوں کے لئے امداد طلب کیا کرتے تھے (بظاہر یہ قحط سالی کے زمانے کا ذکر ہے) مرحوم حائری نے ان امور کے سلسلے میں ان سے ایک بات کہی جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کی منزلت سے آگاہ نہیں ہیں۔ وہ ایک روز تنہا سید حائری کے یہاں (جو خود جلیل القدر علماء میں سے تھے) گئے اور انھیں ایک مسئلے میں تین مرتبہ لاجواب کیا۔ تیسری بار مغلوب ہونے کے بعد روشن ضمیر سیّد نے کہا۔ برکت دے اللہ، حاج میرا محمد حسن کو، انھوں نے کیسے عجیب اور بے مثل شاگرد تیار کئے ہیں۔

آقائے آقا سیّد محمد علی سلمہ اللہ نے اپنے باپ سے نقل کیا کہ ایک لمبی مدت یعنی تقریباً ۱۶ سال تک مرحوم حاج شیخ مدرسے کے حجرے کے بالائی سوراخ سے میرے لئے پیسے پھینکتے رہے۔ اور ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ کس طرف سے آتے ہیں۔ بعد میں ایک مناسبت سے معلوم ہوا کہ ان کی جانب سے ہیں۔ مؤلف کہتا ہے کہ علمائے ربّانی کی کرامتیں اور مقام یقین پر فائز حضرات کی دعاؤں کی مقبولیت کے واقعات درحقیقت شمار سے باہر ہیں۔ اور استعجاب کو رفع کرنے اور اس مطلب کو ثابت کرنے کی غرض سے کتاب کی داستان ۲۵ میں کچھ مطالب بیان کئے جا چکے ہیں اس مقام پر اس واقعے کی تائید کے لئے خاتم المجتہدین شیخ مرتضیٰ انصاری کی ایک داستان نقل کی جاتی ہے۔

یہ شیخ محمود عراقی سے جو شیخ کے شاگردوں میں سے تھے کتاب "دار السلام" کے آخر میں نقل ہوئی ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرحوم حاج سیّد علی شوستری جو اکابر علماء میں سے اور صاحب کرامت و اجابت دعوات تھے۔ اور شیخ انصاریؒ سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ سنہ ۱۲۶۰ھ قمری میں جب کہ نجف اشرف میں ایک وبائی مرض پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً نصف شب کے وقت اس مرض میں مبتلا ہوئے جب ان کے فرزندوں نے انکی حالت تشویشناک پائی تو اس خوف سے کہ مبادا ان کا انتقال ہو جائے اور شیخؒ ان سے باز پرس کریں کہ تم نے عیادت کے لئے مجھ کو اطلاع کیوں نہیں دی، انھوں نے چراغ روشن کیا کہ شیخؒ کے گھر جا کر انھیں سیّد کی بیماری سے آگاہ کریں۔ مرحوم سید متوجہ ہوئے اور کہا، کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا آپکی بیماری کی خبر دینے کے لئے شیخ کے پاس جانے کا قصد ہے۔ فرمایا، جانے کی ضرورت نہیں ہے وہ اس وقت خود ہی تشریف لا رہے ہیں۔ ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ سیّدؒ نے فرمایا شیخ ہیں، دروازہ کھول دو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دروازہ کھولا تو شیخؒ ملّا رحمتہ اللہ کے ہمراہ موجود تھے۔ شیخ نے پوچھا حاج سید علی کیسے ہیں؟ ہم نے کہا اب کہ وہ مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں خدا رحم کرے انشاء اللہ۔ شیخ نے فرمایا۔ کوئی خوف نہیں ہے انشاء اللہ، اور گھر میں داخل ہوئے سید کو مضطرب اور پریشان دیکھ کے فرمایا، پریشان نہ ہو۔ انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے۔ سیدؒ نے کہا یہ آپ کس بنا پر کہہ رہے ہیں؟ شیخ نے فرمایا میں نے خدا سے خواہش کی ہے کہ تم میرے بعد زندہ رہو اور میرے جنازے پر نماز پڑھو۔ سید نے کہا آپ نے ایسی خواہش کیوں کی؟ فرمایا اب تو کر چکا اور یہ تمنّا مقبول بھی ہو چکی اس کے بعد بیٹھ گئے اور قدرے سوال جواب اور مزاحیہ گفتگو کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

(بعض لوگوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ شیخ سے پوچھا گیا کہ اس رات آپ نے کیسے جزم و یقین کے ساتھ فرما دیا کہ سید اچھے ہو جائیں گے۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے خدا کی اطاعت و بندگی اور خدمت شرع میں ایک عمر گذاری ہے چنانچہ اس رات جب خدا سے حاجت طلب کی تو اس کی قبولیت کا یقین کر لیا۔)

غرضکہ خدا نے سیّد کو شیخ کی دعا سے شفا بخشی، یہانتک کہ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۱ھ کی اٹھارھویں شب میں شیخ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ اتفاق سے اس وقت سید نجف اشرف میں تھے اور کربلائے معلّٰی کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ صبح کو شیخؒ کا جنازہ صحن مطہر میں لایا گیا۔ تو لوگ نماز جنازہ کے لئے حیران تھے۔ ناگاہ ایک آواز بلند ہوئی کہ، سید آگئے پس جناب سید نے نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد شیخ کے منبر پر بیٹھ کے درس دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خود شیخ درس دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۲۸۳ھ میں سید بھی اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہما۔

اجابت دعا سے متعلق سوال کے جواب میں شیخ کا یہ ارشاد اس مختصر سی داستان کے

مانند ہے کہ : ایک چھوٹا سا بچّہ جو گھٹنیوں چلنے لگا تھا مکان کی چھت پر تھا۔ اور پرنالے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی ماں اسے پکڑنے کی کوشش اور نالۂ وفریاد کر رہی تھی نیچے گلی سے گزرنے والے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے لیکن کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ ناگاہ وہ بچّہ پرنالے سے نیچے گرا، اسی لمحے ایک مومن اور متقی بزرگ نے جو وہاں موجود تھے کہا۔ خداوندا اسے روک لے! یہ کہنا تھا کہ بچّہ ایک لحظے کے لئے ہوا پر معلّق ہو گیا اور ان بزرگوار نے اسے ہاتھوں پہ لے کے زمین پر بٹھا دیا لوگوں نے ان کے گرد ہجوم کر لیا اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دینے لگے۔ ان بزرگ نے فرمایا لوگو! یہ کوئی نئی اور عجیب بات نہیں ہے۔ اس روسیاہ بندے نے معبود کی اطاعت میں ایک عمر صرف کی ہے۔ اگر وہ ایک بار اپنے اس بندے کی گزارش قبول فرمالے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

مؤلف کہتا ہے کہ رجب کی راتوں میں حدیث ملک داعی کا ایک جزء اس طرح ہے۔

"انا مطیع من اطاعنی" (یعنی جو شخص میری اطاعت کرے میں بھی اس کی بات مانتا ہوں)

(۱۰۸)

تنگدستی کے بعد خوشحالی

نیئر آیت اللہ حائری نے آقائے طالقانی سے جو حاج سید علی ناصر کے رفیقوں میں سے اور خود عدلیہ کے وکیل ہیں جھوٹ نہیں بولتے بالخصوص کرامتوں کے بارے میں اور صاحبان دیانت وصلاح میں سے ہیں، نقل کیا کہ میں آیت اللہ سیّد محمد فشارکی کے فرزند آقائی آقا سیّد علی اکبر کے ہمراہ اصفہان میں آقائے حاج میرزا عبدالجواد کلباسی کے گھر پر گیا۔ (میں ان سبھی حضرات کو پہچانتا ہوں۔ رحم اللہ)۔ انھوں نے بتایا کہ آقائے سیّد علی اکبر کا ہاتھ پیسے سے بالکل خالی تھا۔ وہ نماز صبح ادا کرنے مسجد حکیم گئے ہوئے تھے جب انھیں کچھ دیر لگی تو میں انکی تلاش میں نکلا۔ دیکھا کہ وہ سجدے میں ہیں اور خوش وخرم نظر آرہے ہیں۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور واپس آگیا۔ ایک شخص میرے گھر پر آیا اور کہا میں حاج عبدالجبار ہوں۔ آیا آقا سید محمد فشارکی کے فرزند یہاں ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ ان کے لئے ایکہزار تومان لایا تھا۔

چالیس سال قبل ایکہزار تومان بہت بڑی رقم تھی۔ اور کوئی شخص بغیر وصول کرنیوالے کو دیکھے ہوئے اور اتنی عجلت کے ساتھ اتنے پیسے کسی کو نہیں دیتا تھا۔ حوزۂ علمیہ قم کے تمام اخراجات ماہوار تین ہزار تومان تھے۔ اور کبھی وہ بھی مہیّا نہیں ہوتے تھے۔ غرضکہ وہ شخص مذکورہ رقم دیکر چلا گیا۔ اس کے بعد جس شخص سے بھی پوچھا گیا کوئی حاج عبدالجبار کو نہیں جانتا تھا۔

(۱۰۹)

ہدیہ قبولیت زیارت کی نشانی

نیز انھوں نے آقائے حاج میر سید حسن برقعی کے فرزند آقائی آقا مصطفےٰ برقعی سے نقل کرتے ہوئے رقم فرمایا ہے کہ انھوں نے مشہد مقدّس کے راستے میں مجھ سے بیان کیا کہ اُن مرحوم کے چھوٹے بیٹے آقائی آقا میرزا رضا جو اس وقت زندہ تھے۔ (مجھکو توفیق نہ ہوئی کہ خود انھیں سے ان کے حالات کی تفصیل معلوم کرتا۔) اپنے والد کے ہمراہ مشہد مقدّس کی حاضری سے مشرف ہوئے (باوجودیکہ وہ موٹر اور بس وغیرہ کا دور تھا انھوں نے اپنے عیال اور نوکر کے ساتھ کجاوے میں سفر کیا)۔ انھوں نے بتایا چونکہ ہمارے پاس صرف کجاوے کا وسیلہ تھا لہٰذا میں نے سارا یا زیادہ تر راستہ پاپیادہ طے کیا۔ (یہ شبہہ میری طرف سے ہے)۔ میں اسی سلسلے میں دور سے حضرت رضا علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کر رہا تھا۔ کہ اگر میری زیارت قبول ہے تو مجھے کوئی ہدیہ عنایت فرمائیے۔

جب ہم مشہد مقدّس پہونچے اور لوگ میرے والد مرحوم کو دیکھنے کے لئے آرہے تھے ایک روز ایک بوڑھے بزرگ اہلِ علم کے لباس میں وارد ہوئے، باوجودیکہ نوکر موجود تھا میرے باپ نے مجھے حکم دیا کہ ان کے لئے حقّہ تیار کرو۔ جب میں ان کے سامنے حقّہ لے کے پہونچا تو مجھ سے فرمایا کہ ہم نے تمھیں خواب کی تعبیر بخش دی۔ اگر کوئی شخص تمھارے سامنے کوئی خواب بیان کرے تو اس رات کے شمار کے مطابق جس میں خواب دیکھا گیا ہے قرآن مجید کے ورق اُلٹو خواب کی تعبیر مل جائے گی۔

یہ کہنے کے بعد وہ چلے گئے لیکن میرے دل میں ان کی اس بات کی کوئی اہمیت

محسوس نہیں ہوئی یہاں تک کہ ایک مدّت کے بعد میں قم واپس ہوا۔ میرے والد نے وفات پائی اور میری مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ ایک رات میں حرم جناب معصومہ سلام اللہ علیہا کے کے سرہانے والی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک خاتون اپنے شوہر کے ساتھ آئیں جنھوں نے ایک خواب دیکھا تھا انھوں نے کہا میں نے مہینے کی (مثلاً) پندرھویں تاریخ ایک خواب دیکھا ہے۔ میں نے قرآن مجید کھول کے پندرہ ورق الٹے تو دیکھا کہ اس عورت کا اصل خواب میرے دل پر لکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے اس کی تعبیر بھی لکھی ہوئی ہے۔

میں نے کہا تمھارا خواب اس طرح ہے اور اس کی تعبیر بھی یہ ہے اس نے تعجب کیا اور کچھ رقم مجھے دی۔ اس کے بعد میں نے بعض لوگوں سے یہ طریقہ بیان کر دیا، اور یہ عنایت مجھ سے سلب ہوگئی۔

(۱۱۰)

زیارتِ عاشورہ کی اہمیت

فقیہ زاہد و عادل مرحوم شیخ جواد ابن شیخ مشکور عرب جو نجف اشرف کے اجلّۂ علماء وفقہا میں سے اور شیعیانِ عراق کی ایک جماعت کے مرجع تقلید، نیز صحن مطہّر کے ائمہ جماعت میں سے تھے۔ ۱۳۳۷ھ میں تقریباً نوّے سال کی عمر میں وفات ہوئی اور اپنے باپ کے جوار میں صحن مطہر کے ایک حجرے کے اندر دفن ہوئے۔ ان مرحوم نے چھبیس ۲۶ ماہ صفر ۱۳۳۶ ہجری کی شب میں نجف اشرف کے اندر ملک الموت حضرت عزرائیل کو خواب میں دیکھا تو سلام کے بعد ان سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا شیراز سے میرزا ابراہیم محلّاتی کی روح قبض کر کے آرہا ہوں، شیخ نے پوچھا برزخ میں ان کی روح کس حال میں ہے۔؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ بہترین حالات میں اور عالم برزخ کے بہترین باغات میں۔ خداوند عالم نے ان کے لئے ایک ہزار فرشتے معیّن فرمائے ہیں۔ جو ان کی فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ انھوں نے دریافت کیا کہ وہ اپنے کس عمل کی جزا میں ایسے مرتبے پر پہونچے ہیں؟ آیا اپنی علمی برتری کی وجہ سے یا شاگردوں کی تعلیم و تدریس اور تربیت کی بنا پر۔ فرمایا، نہیں۔ پوچھا، آیا نماز جماعت اور لوگوں تک احکام دین پہونچانے کے سبب سے؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا، پھر کس وجہ سے؟ فرمایا، زیارت عاشورہ پڑھنے کے باعث۔ (مرحوم میرزا محلّاتی نے اپنی آخری عمر میں تیس ۳۰ سال تک زیارت عاشورہ ترک نہیں کی۔ اور اگر کسی روز بیماری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے نہیں پڑھ سکتے تھے تو اس کے لئے کسی کو اپنا نائب بنا دیتے تھے۔)

جب شیخ مرحوم خواب سے بیدار ہوئے تو صبح کو آیۃ اللہ میرزا محمد تقی شیرازی کے یہاں پہونچے اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔

مرحوم میرزا محمد تقی نے رونا شروع کیا۔ ان سے گریے کا سبب پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ میرزا محلّاتی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہ علم فقہ کے محکم ستون تھے۔ ان سے کہا گیا کہ شیخ نے ایک خواب دیکھا ہے۔ معلوم نہیں اس میں حقیقت کہاں تک ہے۔؟

میرزا نے فرمایا، ہاں یہ ہے تو خواب ہی لیکن کسی معمولی انسان کا نہیں بلکہ شیخ مشکور کا خواب ہے۔ دوسرے روز میرزائے محلّاتی کے انتقال کا تار شیراز سے نجفِ اشرف پہونچا اور مرحوم کے خواب کی صداقت ظاہر ہو گئی۔

اس داستان کو نجف اشرف کے افاضل کی ایک جماعت نے مرحوم آیۃ اللہ سید عبد الہادی شیرازی سے سُنا تھا جو اس وقت مرحوم میرزا محمد تقی کے گھر پر موجود تھے جب شیخ مرحوم وہاں پہونچے اور اپنا خواب بیان کیا۔

نیز ان مرحوم کے پوتے فاضل محترم جناب حاج صدر الدین محلّاتی نے بھی شیخ مرحوم سے یہ روداد سنی تھی۔

(۱۱۱)

امام رضا علیہ السّلام کے عنایات

عبد صالح اور متقی کامل جناب حاج مجد الدین شیرازی جو زمانے کے نیک انسانوں میں سے ہیں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجھے بچپن میں درد چشم عارض ہوا۔ میں میرزا علی اکبر جرّاح کے پاس گیا۔ تو انھوں نے میری آنکھ کے گرد بتّی پھیر دی اور اس چیز پر توجہ نہیں کی کہ وہ اس سے قبل ایک سوداوی آنکھ پر ہاتھ رکھ چکے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ میری آنکھ بھی سوداوی ہو گئی، اور آنکھ کے کنارے زخمی ہو گئے۔ ناچار ہو کے میرے والد نے باری باری تمام ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ انھوں نے کہا اب میں حضرت رضا علیہ السّلام سے شفا طلب کروں گا، چنانچہ ہم لوگ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے باپ اسمٰعیل طلا کی سبیل کے نیچے کھڑے ہوئے اور روتے ہوئے عرض کیا یا علی ابن موسیٰ الرضاؑ میں حرم میں داخل نہیں ہوں گا جب تک آپ میرے لڑکے کی آنکھ کو شفا نہ دیں گے۔

رات گزرنے کے بعد جو صبح ہوئی تو گویا میری آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں اور بحمد اللہ اسکے بعد آج تک درد نہیں ہوا۔ جب میں مشہد مقدس سے واپس ہوا۔ تو میری بہن نے مجھے نہیں پہچانا، اور تعجب کے ساتھ کہا تمھاری آنکھ تو زخمی تھی تم کیونکر ٹھیک ہو گئے۔ میں نے تو تمھیں پہچانا ہی نہیں۔ اسی طرح حاجی موصوف نقل کرتے ہیں کہ میں سنہ ۵۳ شمسی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ مشہد مقدس کی زیارت سے مشرّف ہوا، اور چند عجیب حالات کا مشاہدہ کیا۔ منجملہ مسافر خانے میں میرا بچّہ دو بار کوٹھے سے نیچے گرا اور بحمد اللہ حضرت رضا علیہ السّلام کی نظر کرم کی بدولت اُسے کوئی ضرر نہیں پہونچا میں نے واپسی کے وقت بس کے اندر یہ روداد بیان کی تو ایک عورت نے کہا، تعجب نہ کرو میں خیابان طبرسی کے شروع میں ایک سہ منزلہ مُسافر خانہ میں تھی، میرا بچّہ تیسری منزل سے پختہ سڑک پر گرا، اور حضرت رضاؑ کی مہربانی سے اسے کوئی چوٹ نہیں آئی۔

(۱۱۲)

مفاتیح اور قرآن کی عجیب داستان

جمادی الثانیہ سنہ ۹۴ھ کے آخری شنبے کو جناب حاج ملّا علی بن حسن کازرونی جن سے داستان نقل کی جا چکی ہے۔ بیماری کی حالت میں کویت سے شیراز آئے اور علاج کے لئے بیمارستان نمازی (ہسپتال) کی طرف رجوع کیا اور کتاب مفاتیح الجنان اور قرآن مجید اپنے ہمراہ لائے تھے۔

فرمایا کہ یہ دو ہدیے میں تمھارے لئے لایا ہوں اور اس سے متعلق ایک داستان ہے مفاتیح کے بارے میں تو یہ ہے کہ جیسا تم پہلے سے جانتے ہو کہ میں بچپن ہی میں ماں اور باپ دونوں کی طرف سے یتیم ہو گیا تھا۔ اور کسی نے مجھے مکتب نہیں بھیجا نتیجہ یہ ہوا کہ میں جاہل اور بے سواد رہ گیا یہاں تک کہ ایک سال زیارت عرفہ کے قصد سے کربلائے معلّیٰ حاضر ہوا اور عرفے کے روز زیارت سے مشرف ہونے کے لئے اٹھا لیکن مجمع کی کثرت سے راستہ اس طرح مسدود تھا کہ میں حرم اقدس تک پہونچنے میں کامیاب نہیں ہوا اور ہر چند تجسّس کیا کہ کوئی ایسا باسواد شخص مل جائے جو مجھے زیارت کرا دے اور میں اس کے ساتھ زیارت مخصوصہ پڑھ لوں، لیکن کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں آیا۔ لہٰذا بہت ہی شکستہ دلی اور نالہ و فریاد کے ساتھ حضرت سیّد الشہداءؑ کو آواز دی۔ کہ آقا! آپکی زیارت کی آرزو مجھے یہاں تک لائی ہے۔

میں لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا، اور کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو مجھے زیارت کرا دے۔ ناگاہ ایک جلیل القدر سیّد نے میرا ہاتھ تھام کے فرمایا، میرے ساتھ آؤ۔ پس ہجوم کے

درمیان سے ایک راستہ بن گیا۔ اور میں اذن دخول پڑھنے کے بعد حرم میں داخل ہوا انھوں نے میرے ساتھ زیارت وارثہ پڑھی، اور پھر فرمایا کہ اب اس کے بعد تم زیارت وارثہ اور زیارت امین اللہ پڑھ سکتے ہو۔ اور انھیں ترک نہ کرنا۔

اور کتاب مفاتیح کل کی کل صحیح ہے۔ اس کا ایک نسخہ صحن کے دروازے پر شیخ مہدی کتب فروش کی دوکان سے لے لینا۔

حاج علی موصوف کہتے ہیں کہ مجھے اس حال میں لطف الٰہی اور حضرت سید الشہداءؑ کی مرحمت کی طرف توجہ ہوئی کہ ان بزرگوار کو کس طرح سے میری مدد کے لئے بھیجا کہ ایسے اژدہام میں کامیابی نصیب ہوئی۔ چنانچہ میں سجدۂ شکر بجالایا۔ جب سر اٹھایا تو ان بزرگ کو نہیں پایا، جس طرف بھی گیا کوئی سراغ نہیں ملا۔ کشفداری میں پوچھا تو انھوں نے کہا، میں انھیں نہیں پہچانتا۔

خلاصہ یہ کہ جب میں صحن سے باہر نکلا اور شیخ مہدی کتب فروش کو دیکھا تو قبل اس کے کہ ان سے کتاب کا مطالبہ کروں انھوں نے یہ مفاتیح مجھے دی اور کہا میں نے زیارت وارثہ اور زیارت امین اللہ کے صفحات میں نشانیاں رکھ دی ہیں۔ میں نے کتاب کی قیمت دینا چاہی، تو انھوں نے کہا قیمت ادا کی جا چکی ہے اور مجھ سے سفارش کی کہ اس بات کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ جب میں قیام گاہ پر پہونچا تو یاد آیا کہ کاش میں نے شیخ مہدی سے دریافت کیا ہوتا کہ میری طرف سے کس نے انھیں مفاتیح کی قیمت ادا کی ہے۔ میں ان سے پوچھنے کے لئے گھر سے نکلا تو اس مقصد کو بھول گیا۔ اور دوسرے کام کے لئے چلا گیا۔ دوسری بار اسی ارادے سے نکلا اور پھر بھول گیا۔ غرضکہ جب تک میں کربلائے معلّٰی میں رہا اس کی توفیق نہیں ہوئی۔ میں دوسرے سفر کرتا رہا مگر یہ بات نظر میں رکھی کہ مجھے یہ راز دریافت کرنا ہے۔

مجھ کو تین سال تک سفر کربلا نصیب نہیں ہوا۔ تین سال کے بعد جب زیارت سے مشرف ہوا تو شیخ مہدی مرحوم ہو چکے تھے۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

اور قرآن مجید سے متعلق یہ ہے کہ میں نے مذکورہ عنایت کے بعد حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے توسل اختیار کیا۔ کہ جب آپ نے اتنی مہربانی فرمائی ہے تو

براہ کرم قرآن پڑھنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائیں۔

یہاں تک کہ میں نے ایک رات ان حضرتؑ کو خواب میں دیکھا کہ ایک ایک دانہ کرکے مجھے پانچ دانے رُطب عنائیت فرمائے اور میں نے انھیں کھالیا۔ ان کا ذائقہ اور خوشبو بیان سے باہر تھا۔ پھر فرمایا اب تم قرآن مجید پڑھ سکتے ہو۔

اس کے بعد یہ قرآن مجید ایک شخص مصر سے میرے لئے تحفے میں لایا۔ اور میں برابر اس سے تلاوت کرتا رہا۔ اور اس کے بعد حدیث کی اور عربی کی ہر کتاب پڑھ سکتا ہوں۔

(۱۱۳)

شب قدر میں روحوں کی زیارت قبرِ حسینؑ

نیز نقل فرمایا کہ میں تیئسویں ماہ رمضان کی شب میں مکان کی چھت پر تنہا شب بیدار رہا اور اعمال شب قدر میں مشغول تھا، ناگاہ مجھ پر سستی اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی حالت میں میں نے محسوس کیا کہ تمام عالم بالا ہجوم اور غلغلے سے مملو ہے اور کچھ ہلکی اور کچھ تیز آوازوں کی فراوانی ہے۔ ایک آواز سے جو زیادہ فصیح اور مجھ سے قریب تر تھی میں نے پوچھا تمھیں خدا کا واسطہ بتاؤ تم کون ہو؟ فرمایا جبرئیل ہوں۔ میں نے کہا، آج رات کی کیا خبر ہے فرمایا کہ جناب فاطمہؑ، مریمؑ و آسیہؑ اور خدیجہؑ و کلثومؑ کے ساتھ قبر حسینؑ کی زیارت کے لئے جا رہی ہیں، اور یہ پیغمبروں کی روحوں اور فرشتوں کا ہجوم ہے۔

میں نے کہا خدا کے لئے مجھے بھی لے چلو، تو فرمایا کہ تمھاری زیارت اسی جگہ سے قبول ہے اور یہ تمھاری سعادت و نیک بختی ہے کہ تم ایسے منظر کا مشاہدہ کر سکے۔

مؤلف کہتا ہے کہ درحقیقت حاجی موصوف کو حضرت سید الشہداء علیہ السّلام سے شدید علاقہ اور عقیدت نصیب ہوئی ہے۔ اسی دو گھنٹے کی نشست میں چند مرتبہ ایسا ہوا کہ جب ان حضرتؑ کا اسمِ مبارک زبان پر جاری کرتے تھے تو بے اختیار گریہ و زاری کرنے لگتے تھے۔ اور پھر کئی منٹ تک بات نہیں کر سکتے تھے وہ فرماتے تھے کہ میں ان حضرتؑ کی مصیبت کا ذکر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

(۱۱۴)

جناب سیّدہؑ کی عنایت اور بیمار کی شفا

جناب آیۃ الشیخ عبد النّبی انصاری دارابی جو حوزۂ علمیہ قم کے افاضل میں سے ہیں عجیب حالات کے حامل ہیں جن میں سے ایک واقعہ اس مقام پر خود انھیں کی تحریر سے نقل کیا جاتا ہے۔

ایک سال کی طویل مدّت تک میرا یہ حال رہا کہ شدید ضعف و اضمحلال، درد سر اور دوران سر میں مبتلا رہا۔ شیراز میں تین مرتبہ قم میں پانچ مرتبہ اور تہران میں تین مرتبہ متعدد ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا۔ اور کثرت کے ساتھ دواؤں اور انجکشنوں کا استعمال کیا لیکن یہ سارے علاج صرف تھوڑی دیر کے لئے مسکن ہوتے تھے۔ اور دوبارہ اپنی کمزوری عود کر آتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک رات اسی بےچینی کے عالم میں زحمت اور دشواری کے ساتھ زمانے کے عظیم عالم اور متّقی و پرہیزگار آیۃ اللہ بہجت کے یہاں نماز جماعت کی غرض سے چلا گیا۔ نماز کے دوران میری حالت بہت غیر تھی چنانچہ ایک رفیق نے اسے محسوس کیا اور پوچھا، فلاں! معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت پریشانی میں ہو؟۔ میں نے کہا ایک سال ہو چکا ہے کہ میں اسی حالت میں ہوں اور جسقدر بھی ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا اور دوائیں استعمال کیں کوئی تاثیر نہیں ہوئی ان بزرگ نے جو خود بھی افاضل اور متقی حضرات میں سے فرمایا، ہم لوگوں کے پاس تو بہت ہی اچھے ڈاکٹر ہیں۔ ان کی طرف رجوع کیجئے!

میں فوراً سمجھ گیا اور انھوں نے بھی مزید اضافہ فرمایا، کہ حضرت فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا سے توسّل اختیار کیجئے، حتماً شفا حاصل ہوگی۔

ان کی بات نے میرے دل پر بہت اثر کیا اور میں متوسّل ہونے کا عزم کر کے وہاں

سے واپس ہوا۔

اُسی بدحالی کے عالم میں سڑک پر ایک دوسرے عالم وفاضل سے ملاقات ہوگئی۔ اور انھوں نے بھی مجھکو توسّل کی ترغیب دی۔ اس کے بعد میں پہلے جناب معصومہ سلام اللہ علیہا کے حرم میں حاضر ہوا اور پھر اپنے گھر پر آکر تنہا ایک گوشے میں تضرّع وتوسّل اور گریہ وزاری میں مصروف ہوگیا۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو واسطہ قرار دیا اور اس کے بعد نیند آگئی۔ آدھی رات گزرنے کے بعد میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ ایک مجلس منعقد ہوئی ہے اور سادات میں سے چند افراد اس میں شریک ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب اٹھے اور میرے لئے دعا کی۔

صبح کے وقت جب میں نیند سے بیدار ہوا تو اپنے سر کو جھٹکا دیا، دیکھا کہ سر کے درد اور چکّر کا کوئی نام ونشان بھی موجود نہیں ہے، ذوق وشوق اور نشاط وخوشحالی کے عالم میں فوراً گھر سے نکلا چونکہ ایک مدّت ہوچکی تھی ملاقاتوں سے محروم تھا۔ دوستوں کو دیکھا چند کو دعوت دی اور گھر میں ایک روضہ خوانی کی مجلس منعقد کی اور انشاء اللہ جب تک زندہ ہوں یہ ماہانہ اور گھریلو مجلس قائم رکھوں گا۔

اب جبکہ تقریباً اس واقعے کو آٹھ مہینے ہورہے ہیں الحمد اللہ میرا حال بہت بہتر ہے میرے توفیقات میں کئی گنا اضافہ ہوچکا ہے۔ اور میں انتہائی امیدواری کے ساتھ درس وتبلیغ میں مشغول ہوں۔

(چہارم رجب ۱۳۹۴ھ ہجری قمری)

---

(۱۱۵)

معجزۂ عسکریین ع

(امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہم السّلام)

مولانائے معظّم ابوالفضل والمعالی جناب آقائی سیّد محمد ہادی مدّرس موسوی نے جو ایک طویل مدّت تک سامرا میں مقیم اور حرم حضرت عسکریین علیہما السّلام میں امام جماعت رہے اور عراق میں سکونت پذیر ایرانیوں کے نکالے جانے کے آخری مرحلے میں وہاں سے واپس آگئے ہیں۔ امامین ہمامین حضرت عسکریین علیہما السّلام کے عجیب وغریب واقعات کا ذکر کیا۔ جن میں سے دو واقعے ناظرین کتاب کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں۔

اہلِ تسنّن میں سے ایک جوان شخص جن کا نام مہدی اور کنیت ابن عبّاس ہے۔ اور جو خود اور ان کے باپ حرم مطہر کے خادموں میں سے ہیں۔ ایک روز اپنے چند دوستوں کے ساتھ سامراء کے اندر دجلہ کی نہر کے کنارے گئے اور لہو ولعب اور شراب نوشی میں مشغول ہوئے جب وہاں سے رات کے پچھلے پہر واپس ہوئے تو مہدی اپنا راستہ مختصر کرنے کی غرض سے صحن مطہر کے ایک دروازے سے داخل ہوئے تاکہ دوسرے دروازے سے نکل کے جلد اپنے گھر پہونچ جائیں لیکن روضۂ اقدس کے صحن میں داخل ہوتے ہی زمین پر گر پڑے اور پھر اٹھ نہ سکے۔ جب لوگ جمع ہوئے تو معلوم ہوا کہ فالج گرا ہے اور ان کے جسم سے شراب کی بُو آرہی ہے۔ چنانچہ انھیں اٹھا کر صحن مطہر سے باہر لے گئے۔ اور شب کے اسی آخری وقت میں یہ خبر تمام سامراء میں پھیل گئی۔ اور وہاں کے لوگ صحیح صورتحال سے آگاہی کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر صحن مطہر میں داخل ہورہے تھے۔ جو شخص یہ خبر سنتا تھا وہ حرم اقدس کے اندر پہونچ کے اپنی مخصوص عادت کے مطابق دعا اور زیارت میں مشغول ہوجاتا تھا۔

مہدی ہسپتال میں کئی روز کے بعد ہوش میں آئے۔ درحالیکہ ان کا نصف بدن شل تھا۔ ایک مدت کے بعد سامرا کے ہسپتال سے علاج کے لئے بغداد منتقل ہوئے۔ آٹھ ماہ کے علاج، سامراء اور بغداد کے درمیان رفت و آمد، حنفی اہل تسنن کے امام ابوحنیفہ اور عراق کے مشہور و معروف درویشوں سے متوسّل ہونے کے بعد بھی کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ایک روز ان کی ماں ان کے خاندان والوں عزیز و اقارب نے تجویز رکھی کہ بہتر ہوگا۔ اب ہم خود حضرات عسکریین سے شفا طلب کریں۔ چونکہ مہدی خاں کے بھائی بھی خدام تھے لہٰذا طے ہوا کہ مریض کو چند راتوں تک حرم مطہر کے اندر رکھا جائے۔ اور وہ صبح تک وہاں رہے یہاں تک کہ تیسری شب، جو شب بعثت پیغمبرؐ یعنی ماہ رجب ۱۳۸۶ھ کی ستائیسویں تھی (ٹھیک وہی رات جس میں حضرت ابوالفضل العبّاس علیہ السّلام کی ضریح مبارک وارد عراق ہوئی) نصف شب کے بعد ڈو بجے مہدی نے جن کی گردن ایک کپڑے کی پٹّی کے ذریعے ضریح اقدس سے بندھی ہوئی تھی خواب میں دیکھا کہ ایک شخص سفید عمامہ باندھے ہوئے انکے سرہانے کھڑے ہیں۔ اور ان سے کہہ رہے ہیں کھڑے ہو جاؤ! انھوں نے کہا میں مفلوج ہوں کھڑا نہیں ہو سکتا، وہ دوبارہ یہی حکم دے کر چلے گئے۔

مہدی کہتے ہیں، میں خواب سے بیدار ہوا تو ہاتھ سے ضریح کو تھام کے کھڑا ہو گیا۔ لیکن مجھ کو اپنے اوپر اعتبار نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ ضریح کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے متعدد بار جھٹکے دیئے یہاں تک کہ یقین ہو گیا کہ میں اب سو نہیں رہا ہوں اور اپنی سابقہ حالت پر پلٹ چکا ہوں۔ یہ سمجھ میں آتے ہی میں نے چیخنا اور شور کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میرے بھائی خضیر جو حرم مطہر کے ایوان میں سو رہے تھے۔ بیدار ہو گئے۔ انھوں نے جس وقت اپنے معذور بھائی کو دیکھا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر ضریح کے گرد گھوم رہا ہے۔ اور اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح تکان دیر رہا ہے کہ پوری ضریح مبارک ہل رہی ہے تو اس پر بھی ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی۔

کافی دیر کے بعد ایک دوسرا شخص جو خادموں میں سے اور صحن کا دروازہ کھولنے پر مامور تھا آیا ان دونوں بھائیوں کو اس حالت میں دیکھا تو واپس جا کر سامراء کے فرقۂ

جعفریہ کے مؤذّن آقائے شیخ مہدی حکیم سے یہ ماجرا بیان کیا۔ اور خواہش کی کہ آیئے اور گلدستۂ اذان سے اس کا اعلان کیجئے۔ انھوں نے یہ کام انجام دیا۔

اذان صبح کے وقت سامراء کے تمام باشندے حضرت عسکریینؑ کے حرم اقدس میں جمع ہو گئے، اور دوبارہ بھی صحن اور حرم مطہّر اہل سامراء سے پُر ہوا۔ کثرت سے بھیڑیں ذبح کی گئیں، شیرینی اور شربت کی تقسیم ہوئی، عورتیں ہلہلہ کرتی ہوئی آرہی تھیں۔ اور تحسین و آفرین اور دعا کر رہی تھیں۔

(۱۱۶)

حضرت عسکریینؑ کی برکت سے نابینا کی شفا

سیّد معظم حضرت آقائے موسوی دامت برکاتہ نے یہ داستان بھی نقل فرمائی ہے جسے انھوں نے خود صاحب معاملہ سے سنا تھا، اور یہ تاریخ سامراء جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ پر منقول ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حاج میرزا سیّد باقر خان تہرانی معروف بہ حاج ، ساعد السلطان ۱۳۲۳ھ ہجری قمری میں ائمہ عراق کی زیارتوں کے قصد سے روانہ ہوئے جب کاظمین علیہم السّلام پہونچے تو ان کا چار سالہ اکلوتا بیٹا سیّد محمد آنکھوں کے شدید درد میں مبتلا ہو گیا۔ کئی روز تک اس کے علاج میں مصروف رہے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا پھر سامراء کی طرف حرکت کی ، اس خیال سے کہ وہاں دس دن قیام کریں گے۔ راستے میں گرمی کی شدت گرد وغبار اور عربانے کی تکان کے باعث بچّے کا دردِ چشم اور سخت اور کئی گنا زیادہ ہو گیا۔ سامراء پہونچنے پر بچّے کو قدس الحکماء معروف بہ حافظ الصحت اور افلاطون زماں کے پاس لے گئے۔ اور علاج میں منہمک ہوئے لیکن کوئی نتیجہ لاحق نہیں ہوا۔ انھوں نے کہا کہ بچّے کو حتماً اور فوراً بغداد میں فلاں آنکھ کے ڈاکٹر کے پاس پہونچانا ضروری ہے۔ اور اس میں غفلت کرنا خطرناک ہے۔ بچّے کے باپ یہ سُن کے سخت پریشاں وحیراں ونالاں ہوئے۔ کیونکہ بیٹے کا معاملہ انھیں کی ذات پر منحصر تھا۔ چونکہ یہاں دس دن قیام کرنے کا عزم کر چکے تھے لہٰذا روانہ نہیں ہوئے اور دعا و زیارت میں مشغول ہو گئے۔ جب اسی طرح سات دن گزرے تو بچّے کا دردِ چشم اس قدر شدید ہو گیا کہ ایک لمحے کے لئے بھی رونا اور چیخنا بند نہیں کرتا تھا گھر کے لوگ اور ہمسائے رات بھر سو نہیں سکے جب صبح ہوئی تو حافظ الصحت کو لائے انھوں نے بچّے کی آنکھ کھول کر غور سے دیکھا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی اور ہاتھ پہ ہاتھ مار کے چیختے ہوئے

بچّے کے باپ کی اس طرح سرزنش کی کہ تم نے بچّے کو اندھا کر دیا۔ میں نے تمھیں تاکید کے ساتھ سفارش کی کہ اسے جلد بغداد لے جاؤ۔ اور بار بار اس بات پر زور دیا، لیکن تم نے میری بات پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ یہاں تک کہ بچّے کی آنکھ جاتی رہی۔ اور اب تو بغداد جانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ یہ درد اور بے چینی جو اس وقت لاحق ہے اس قرح اور زخم کی وجہ سے ہے۔ جو اس کی آنکھ میں موجود ہے اور جس نے آنکھ کی بینائی کو ختم کر دیا ہے۔ بچّے کے باپ یہ بات سُن کے سخت پریشان اور نیم جان ہو گئے اس کے بعد حافظ الصحت ان دو مرحوں کے علاج میں مشغول ہو گئے۔ جو بادام کے دانوں کے مانند آنکھوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ تاکہ درد میں سکون ہو جائے اور اندھے پن میں کم از کم درد سے نجات رہے۔ چنانچہ اس کی دونوں آنکھوں کو جو باہر کی طرف ابھر آئی تھیں سختی کے ساتھ اندر کی جانب دبا دیا اور بچّہ درد کی شدّت سے غش کر گیا۔ جب یہ صورتحال آیۃ اللہ میرزا محمد تقی شیرازی اور دیگر علماء کے سامنے بیان ہوئی تو وہ رنجیدہ اور ناراض ہوئے۔

جب دس روز کی مدّت اقامت تمام ہوئی تو ایک عربانہ کرایے پر لینے کے بعد روانگی کا عزم کیا زیارت وداع کے لئے حرم اقدس میں مشرف ہوئے اور زیارت کے بعد امامین ، علیہم السّلام کے پاس بیٹھ کے زیارت عاشورہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے اسی موقع پر ان کا ملازم حاجی فرہاد بچّے کو بغل میں لئے ہوئے حرم میں حاضر ہوا۔ بچّے کی آنکھوں کو جن پر پٹّی بندھی ہوئی تھی ضریح اقدس سے مس کیا۔ اور بعد زیارت حرم سے واپس گیا۔

بچّے کے باپ نے اپنے بیٹے کی اس حالت پر غور کیا، اور غور کیا کہ یہ صحیح وسالم آنکھیں لے کر عراق آیا تھا اور اب اندھا ہو کے واپس جائے گا۔ تو بے اختیار گریۂ ونالہ اور فریاد و فغاں کرتے ہوئے صدمے کی شدّت سے لرزہ بر اندام ہو گئے زیارت کا بقیہ حصّہ پڑھنا بھول گئے اور بڑھ کے ضریح اقدس سے لپٹ گئے۔ امامؑ کے ادب واحترام کا بھی لحاظ رہا اور کہا، آیا یہ سزاوار ہے کہ میں اپنے اس بچّے کو اندھے پن کی حالت میں واپس لے جاؤں۔ اس کے بعد غم سے بے حال ہو کر ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔

ناگاہ وہ بچّہ اس حال میں حرم کے اندر داخل ہوا کہ اس کا ماموں اس کے پیچھے پیچھے

تھا۔ وہ اپنے باپ کے دامن پر بیٹھ گیا۔ اور کہا، بابا جان! میں اچھا ہو گیا، میری آنکھیں روشن ہو گئی ہیں۔ اور اب درد بھی نہیں کر رہی ہیں۔ باپ حیرت زدہ ہو گیا اور بچے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کے دیکھا۔ تو قرحوں کا کوئی اثر نہ پایا۔ یہاں تک کہ سُرخی بھی رفع ہو چکی تھی۔

بچے کے ماموں سے پوچھا کہ یہ ابھی ۱۵ منٹ قبل تو نابینا اور بند آنکھوں کے ساتھ حرم میں تھا۔ اتنی دیر میں کیا ہو گیا۔؟ انھوں نے کہا ہاں جسوقت ہم حرم سے باہر گئے ہیں بچے کا سر میرے شانے کے اوپر تھا۔ میں صحن سے گذر رہا تھا اور تمھارے آنے کا منتظر تھا۔ دفعتہً بچے نے شانے سے سر اٹھایا۔ اور اپنے ہاتھ سے وہ کپڑا کھولنے لگا جو اس کی آنکھوں کے اوپر بندھا ہوا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ دیکھئے ماموں جان میری آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ میں نے خوشخبری دینے اور تم کو شاد و مسرور ہونے کے لئے اس کو فوراً حرم میں واپس بھیج دیا۔ باپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ دونوں اماموں (علیہم السلام) کی خدمت میں عذر خواہی اور شکر گزاری کی۔ اور خوش و خرم حرم سے باہر آئے۔ اس کے بعد حافظ الصحت کے پاس گئے۔ بچے کو اس کے مکان سے باہر اس کے ماموں کے پاس چھوڑ دیا۔ پھر حافظ الصحت سے کہا کہ میں بغداد جانے کا قصد رکھتا ہوں لہٰذا بچے کی آنکھوں کے لئے کوئی دوا دیدیجئے تاکہ اسے راستے میں استعمال کرا سکوں۔ طبیب نے کہا کیوں مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ جو آنکھ اندھی ہو چکی اس کی کوئی دوا نہیں۔ تم نے اپنی بے پروائی میں اسے نابینا کر دیا۔ اس وقت باپ نے بچے کو آواز دی اور ماموں اسے لئے ہوئے داخل ہوا جب طبیب نے اس کی آنکھیں کھول کر دیکھیں تو اسے روشن پایا۔ اور مبہوت و حیرت زدہ ہو گیا بچے کی آنکھوں پر بوسے دینے اور اس کے گرد پھرنے لگا۔ اور شدید گریہ کرتے ہوئے کہا۔ کہاں گئے تمھاری آنکھوں کے وہ دونوں غُدود؟ اور کس طرح چلا گیا تمھارا وہ اندھاپن جب اس سے شفاء کی کیفیت بیان کی گئی تو اہلبیت پر صلوات بھیجنے لگا۔ اس کے بعد یہ لوگ میرزائے شیرازی کے یہاں حاضر ہوئے۔ میرزا نے جو پہلے ہی سے متاثر تھے وفور شوق میں رونا شروع کیا۔ بچے کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا، بہتر ہو گا کہ ابھی یہاں قیام کیجئے تاکہ ہم شہر میں چراغاں کرائیں۔ لیکن انھوں نے معذرت کی۔ اور اسی روز کاظمینؑ کے لئے روانہ ہو گئے۔

(۱۱۷)

حضرت امام حسین علیہ السّلام کی توجہ

مرحوم حاج محمد رضا بقّال ساکن کوچہ آستانہ ہر سال اربعین کے روز چالیسؒ من چاول (ایران میں ایک من تقریباً تین کلو کے برابر ہوتا ہے) پکوا کر لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ جس سال کربلائے معلیٰ کی زیارت سے مشرّف ہوئے تو اسی مقدار یعنی چالیس من کا تعین کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو تاکید کی کہ اسے اربعین (چہلم سیّد الشہداءؑ) کے روز پکوا کے تقسیم کر دینا۔! محمد رضا موصوف نے اربعین کے بعد کی شب میں حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کو خواب میں دیکھا۔ حضرت نے ان سے فرمایا، محمد رضا! اس سال تم کربلا آئے تو کھانے کی دعوت نصف کر دی جب یہ بیدار ہوئے تو بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ یہاں تک کہ جب وہ شیراز واپس ہوئے تو ان کی آمد کے سلسلے میں تین روز تک دعوت کا سلسلہ رہا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے فرزند سے پوچھا۔ کہ اس سال تم نے کیا کیا۔؟ اس نے کہا میں نے روز اربعین کے بارے میں آپکی ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن بالآخر ان کے سوالات اور اصرار کے نتیجے میں اقرار کیا کہ بیس من سے زیادہ پخت نہیں ہوئی تھی۔ اور بیس من چاول میں نے سفر زیارت سے آپ کی واپسی کے موقع کے لئے روک لئے تھے اور فی الحال تین روز سے وہی پک رہے تھے۔

(۱۱۸)

شادی کی شب میں داماد کی موت!

بہترین عالم باعمل جناب آقائی حاج سیّد محمد علی سبط الشیخ نے نقل فرمایا کہ بغداد کے اطراف میں عرب کے ایک شیخ اور ایک قبیلے کے رئیس نے اپنے لڑکے کی شادی کے لئے اپنے اعزاء میں ایک لڑکی کے ساتھ نسبت طے کی۔ اور ان لوگوں کے یہاں رسم یہ ہے کہ محفل عقد اور رخصتی ایک ہی شب میں انجام پاتی ہے۔ انھوں نے ایک معیّن شب میں احباب اور اقرباء میں دعوت دی۔ مہمان نوازی جشنِ مسرّت، اور کھانا کھلانے کا وسیع انتظام کیا۔ اور مرحوم حاج شیخ مہدی خالصی کو جو اس زمانے میں عرب کے مرجع تقلید تھے صیغۂ عقد جاری کرنے کے لئے مدعو کیا۔

شیخ کی آمد اور مجلس عقد کی تیاری کے بعد چند نوجوان افراد نوشاہ کو لانے کے لئے گئے تاکہ اسے رواج کے مطابق ایک مخصوص عزّت و احترام کے ساتھ محفل میں لائیں۔ لوگ راستے میں ہلہلہ کرتے ہوئے نوشاہ کو لا رہے تھے اور ساتھ ہی رسم و رواج کے مطابق ہوائی فیر بھی کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک جوان سیّد کے ہاتھ سے جو انھیں لوگوں میں سے تھا۔ اور بھری ہوئی بندوق اس کے پاس تھی ناگہانی طور پر فیر ہو گیا اور گولی داماد کے سینے پر لگی، جس سے اس نے دم توڑ دیا اور بیچارہ سیّد خوف کے باعث وہاں سے بھاگ گیا۔ پھر یہ دردناک واقعہ مجلس عقد میں نوشاہ کے باپ سے بتایا گیا، مرحوم شیخ مہدی خالصی نے انھیں صبر کی تلقین کی اور ان الفاظ میں تسکین دیتے ہوئے فرمایا، "آیا کہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہم سب پر بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔ اور ہم سب آپ کی شفاعت کے نیازمند ہیں

نوشہ کے باپ نے اس کی تصدیق کی تو شیخ نے فرمایا، کہ اس نوجوان سیّد نے یہ کام عمداً نہیں کیا ہے، بغیر اس کے ارادے اور اختیار کے گولی چل گئی۔ اور تمھارے بیٹے کے لگ گئی جس سے بقضائے الٰہی اس کی موت ہو گئی۔ اب تم اس سیّد کو اس کے جد کی خاطر سے معاف کر دو، اس مصیبت میں صبر کرو اور خدا کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم رکھو۔ تاکہ خداوندکریم تمھیں صابرین کا اجر عطا فرمائے۔

لڑکے کا باپ شیخ کی نصیحتیں قبول کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہا اور غور کرتا رہا، اس کے بعد کہا میں جسقدر غور کرتا ہوں، یہی نظر آتا ہے کہ آج کی رات ایک جماعت ہماری مہمان ہے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو بزمِ عیش و مسرّت کے لئے مدعو کیا ہے لہٰذا اس کا مجلس عزا سے مبدّل ہونا سزاوار نہیں ہے۔

اور حضرت رسول اللہ کا مکمّل حق ادا کرنے کے لئے آپ لوگ جایئے اور اس جوان سیّد کو میرے بیٹے کے عوض اپنے ساتھ لے آیئے۔ اسی کے ساتھ لڑکی کا عقد کیجئے۔ اور حجلۂ عروسی میں پہونچایئے۔

شیخ نے انھیں آفریں اور مرحبہ کہی، لوگ سیّد کی جستجو میں نکلے اور انھیں ڈھونڈھ نکالا۔ سیّد کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے بارے میں ایسا فیصلہ کیا گیا ہے وہ سوچ رہے تھے کہ لوگ اسی بہلانے سے لے جا کر انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ضمانت اور پورا، اطمینان دلانے کے بعد وہ آئے اور شیخ نے اسی شب میں لڑکی کا عقد سیّد کے ساتھ پڑھ دیا۔ زفاف انجام پایا اور لڑکے کا جنازہ صبح کو دفن ہوا۔

شدائد میں ثبات قدم

اس داستان میں چند حیرتیں، عبرتیں، اور غور طلب باتیں بھی ہیں۔ جن کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

(۱) شجاعت و شہامت اور بزرگواری و بُردباری اس عرب میں مرد شریف سے سیکھنا چاہیئے اَلشُّجَاعُ شَدِیْدُ الْقَلْبِ حِیْنَ الْبَاْسِ" یعنی بہادر وہ ہے جو سختی اور ناگوار حادثے کے وقت

قوی دل رہے۔ متزلزل نہ ہو۔ جزع اور بیقراری نہ دکھائے۔ اور اپنے اوپر قابو رکھے۔ حق یہ ہے کہ سب سے زیادہ ہولناک حادثہ اور مصیبت بیٹے کی ناگہانی موت ہے اور وہ بھی اس کی شب زفاف میں اور وہ بھی قتل کی صورت میں۔ جو باپ ایسے قتل کے مرحلے میں اپنی عقل و ایمان کو ہاتھ سے نہ جانے دے جادۂ زندگی سے منحرف نہ ہو، یعنی اپنے کو اور اپنے فرزند کو خدا کی ملک جانے، اس کی موت کو قضائے الٰہی جانے، خداوند عالم کی بارگاہ کو اپنے فرزند کی اور اپنی جائے بازگشت جانے، اور یہ اس کا فرزند ایسی جگہ گیا ہے جہاں خود اسے بھی جانا ہے۔ اور ان حقائق کے اعتراف کے ساتھ کہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وہ یقیناً اس لائق ہے کہ خدا کی بشارت، صلوات و رحمت اور بے حد و حساب اجر و جزا کا مستحق اور مورد قرار پائے۔ "اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰاتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ" اور امام علیہ السّلام نے ایسے ہی اشخاص کے وزن، استحکام وصلابت اور ثبات و استقامت کو پہاڑ سے تشبیہ دی ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ کَالْجَبَلِ الرَّاسِخِ لَا تُحَرِّکُہُ الْعَوَاصِفُ، یعنی مومن ایک محکم و استوار پہاڑ کے مانند ہے جسے آندھیاں اور طوفان اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔

اسی کے بالمقابل جو لوگ ناگوار حالات و اتفاقات میں صبر و تحمل نہیں رکھتے، عقل و ایمان کے راستے سے جلد منحرف ہو جاتے ہیں، قضاو قدر الٰہی پر ناراض اور خشمگیں ہوتے۔ اور اس پر ایراد و اعتراض کرتے ہیں وہ ایسی گھاس کے مانند ہیں جنھیں بادہائے حوادث کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی اپنی جگہ سے ہلا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ سکتے اور قلبی دورے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس جوان دولہا کی موت میں دوسروں کا صبر اور جشن مسرّت کو بزم عزا میں تبدیل نہ کرنا بھی حیرت انگیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے بزرگ کی برکت سے وہ لوگ بھی صبر کے حامل بن گئے۔ جیساکہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا صبر حیرت انگیز اور عظیم ہے۔ اور دیگر اہلِ حرم کا صبر ان مخدرہ اور معظمہّ کی برکت سے تھا۔

نصیحت قبول کرنا دانشمندی کی دلیل ہے۔

(۲) جس وقت کوئی دیانتدار اور مہربان ناصح کسی عقلمند انسان کو کوئی نصیحت کرے یا کسی سانحہ میں صبر کی تلقین کرے تو اسے چاہیئے کہ اس کے سامنے تواضع اور بُردباری اختیار کرے اور اس کی نصیحت کو جان و دِل سے اس طرح قبول کرے جس طرح اس شریف مرد عرب نے خالصی مرحوم کے سامنے سعادت اور شرافت کا ثبوت دیا۔ اور اگر جہالت اختیار کرے اور ناصح کے روبرو تکبّر دکھائے مثلاً اگر وہ صبر کی تلقین کرے تو اس سے کہے کہ تمھیں میرے دل کی کیا خبر ہے؟ تم کیا جانو کہ میں کس حال میں ہوں؟ اور تمھارے کلیجے میں تو درد ہو نہیں رہا ہے نیز اسی طرح کے دیگر نامناسب الفاظ، یا اسے تقویٰ یا پرہیزگاری کی ہدایت کرے اور گناہ سے منع کرے، مثلاً کہے، فحش باتیں نہ کہو، نزاع نہ کرو وغیرہ وغیرہ تو اس کے مقابل اپنی برتری ثابت کرے اور کہے، تم کون ہوتے ہو؟ جو مجھ جیسے انسان کو سبق پڑھا رہے ہو؟ تم جاؤ اپنا کام کرو تم خود ایسے اور ویسے ہو، درحقیقت ایسا جاہل نہ صرف سعادت سے محروم ہے، بلکہ اپنی شقاوت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔

قرآن ایسے اشخاص کے بارے میں فرماتا ہے۔ "جب اس سے کہا جاتا ہے پرہیزگار بنو کفر اور غرور کا زور اسے گنہگاری میں گرفتار کر لیتا ہے۔ اس کے لئے جہنّم ہی پسندیدہ ہے جو ایک بری آرامگاہ ہے [1]

ہر کہ بگفتار نصیحت کناں گوش نہ گیرد بخورد گوشمال

یعنی جو شخص نصیحت کرنے والے کی باتوں پر کان نہ دھرے اسے بالآخر گوشمالی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مصیبت زدہ کی خبرگیری کرو

(۳) ایک الٰہی دستور جسے وہ سورۂ والعصر میں بیان فرماتا ہے۔ کہ مرد مسلمان جس وقت کسی آفت میں گرفتار اور مصیبت زدہ انسان کو دیکھے جو مال اور جائیداد کے تلف ہونے جسم اور بیماری کی کسی پریشانی یا رشتہ داروں اور دوستوں کی موت کی وجہ سے غم و الم میں مبتلا ہو تو اس کا فریضہ

---

[1] وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُہٗ جَھَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِھَادُ

(بقرہ آیت ۲۰۶)

یہ ہے کہ اسے امر پہ صبر کرسے ، دنیا کی ناپائیداری ، اس کے جلد گزر جانے ، اس کے انقلابات
اس کی عمومی اور ہمہ گیر بلاو گرفتاری اور اسی جیسی دیگر نظیریں اس کے سامنے بیان کرے نیز
آخرت کی بقا و دوام اور خداوند عالم کے بے انتہا اجر و ثواب کی یاد دہانی کرے اور اسے اس
طریقے سے تسکین دے۔ "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

مومن مہمان نواز ہوتا ہے

(۴) اسی طرح مہمان داری، مہمان نوازی اور مہمان دوستی کا موضوع ہے جو مکارم اخلاق،
محاسن افعال اور ایمان کے لوازم میں سے ہے چنانچہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
کا ارشاد ہے "کہ جو شخص خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کا اکرام
و احترام کرے"۔ ؎۱

مہمان نوازی کی فضیلت کے بارے میں روائتیں کثرت سے ہیں، اور اس کی اہمیت
جاننے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ مروی ہے، مہمان نوازی کرنے والا انسان حضرت ابراہیم
خلیل اللہ کے ساتھ محشور ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ مہمان کے اکرام کا ایک حصّہ یہ بھی ہے کہ اسکی
مسترت اور شادمانی میں سعی کرے۔ اس طرح سے کہ اگر میزبان کو کوئی پریشانی اور سعی لاحق ہو
تو اسے ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح مہمان بھی پریشانی میں پڑ جائے۔

کیا کہنا اس عرب مرد شریف کی بہادری اور جوانمردی کا جس نے اس رات اپنے مہمانوں کی
بزم شادی کو اپنے بیٹے کی بزم ماتم بننے اور ان لوگوں کو ناراحت ہونے سے بچالیا۔

سادات کے ساتھ دوستی اور احسان

(۵) سادات اور ذریت رسولؐ کے ساتھ محبت و دوستی اور اکرام و احسان کے وجوب و
فضیلت، اس کے کثیر اجر و ثواب اور اس کے متعدد آثار کا موضوع ایک لازمی اور ضروری ،

؎۱ - مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ۔ (سفینۃ البحار)

مطلب ہے اور اسکی یاد آوری کے لئے آیۂ مودّت میں غور کرنا کافی ہے۔ کہدو اے پیغمبرؐ
کہ میں تم سے اپنی رسالت پر کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا سوا اپنے اقرباء کی محبت کے"۔ ؎۱
اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔" اور یہ میرے اقرباء کی دوستی اور محبّت جو میری
رسالتؐ کی اجرت ہے خود تمھاری ہی منفعت کے لئے ہے"۔ ؎۲

اس لئے کہ مسلمان اس دوستی کے وسیلے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی شفاعت
حاصل کرسکیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ میں قیامت میں انھیں لوگوں کی شفاعت کروں
گا جنھوں نے میری نسل اور میری ذرّیت کا احترام کیا، مصیبتوں میں ان کی مدد کی۔ اور ان کی
حاجتیں پوری کیں"۔ ؎۳

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے دوستی اور محبت کی حتمی اور لازمی
شرط آنحضرتؐ کی ذریت کے ساتھ دوستی اور محبّت ہے۔ اس حد تک کہ آنحضرتؐ کی اولاد
اس کے نزدیک خود اس کی اولاد سے زیادہ عزیز اور محبوب ہو۔ چنانچہ علامہ امینی علیہ الرحمہ
نے دیلمی سے مسند میں، حافظ بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں اور ابوالشیخ نے کتاب ثواب
میں نیز ایک اور جماعت نے حضرت رسولؐ خدا سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ،
کوئی بندہ خدا پر (پورا) ایمان نہیں رکھتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے
زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اور میری عترت اور میرے اہل اس کے نزدیک اس کی عترت اور اس کے
اہل سے زیادہ محبوب نہ ہوں"۔ ؎۴

حق یہ ہے کہ ایمان کامل، سچی محبّت اور حقیقی شجاعت عرب کے اسی شریف انسان کا
حصّہ تھی جو اس رات اس عمل پر آمادہ ہوگیا کہ اس سیّد نوجوان کو اپنے بیٹے کی جگہ پر دولہا

؎۱ - قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ (سورۂ ۴۲ آیت ۲۳)
؎۲ - قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ۔ (سورہ ۳۴ آیت ۴۷)
؎۳ - کتاب قواعد۔ (علامہ کا وصیت نامہ اپنے فرزند کے نام)
؎۴ - لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَتَكُونَ عِتْرَتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ عِتْرَتِهِ وَتَكُونَ أَهْلِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ (کتاب سیرتنا وسنتنا)۔

بنائے۔ میں حیران ہوں کہ عالمِ جزاء و آخرت میں خدا اور رسولؐ اس مردِ شریف کے ساتھ کیا معاملہ اور کیا سلوک کریں گے۔؟[1]

اس داستان کو نقل کرنے اور اس کے مختلف پہلوؤں کی طرف متوجہ کرنے کی غرض اور مقصد یہ ہے کہ ناظرین عزیز مردانِ خدا کا اصلی نمونہ اور صحیح صورت پہچان لیں اور ان سے ایمان و محبت اور شجاعت و شہامت کا سبق حاصل کریں۔ امیر المومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں، "شجاع وہ شخص ہے جو اپنی خواہش نفس پر غالب آجائے"[2] یعنی اپنے نفس کی خواہش اور میلان کی طرف سے منہ موڑے۔ اور اس بے اتفاقی کی طاقت و صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ خود غرض اور خود پرست نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں بزدل اور ڈرپوک وہ شخص ہے جسے چھوٹی سے چھوٹی خواہش نفس بھی متحرک کر دے اور اسمیں کامیاب نہ ہونے پر اس کا دل مایوس اور نڈھال ہو جائے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے سامنے ذلیل و محکوم و اسیر ہو۔ اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہوا ہے۔ "کہ بہشت کے لوگ بادشاہ ہیں"۔[3]

جی ہاں حقیقی سُلطان وہی شخص ہے جو اپنے نفس پر مُسلّط ہو۔ اور اپنے کو سوا خدا کے کسی مخلوق کی کسی طرح کی طاقت و صلاحیت اور افرادِ بشر کا نیازمند نہ جانے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو ہر شخص اور ہر چیز سے بے نیاز اور صرف اپنے خالق اور پروردگار کا نیازمند جانے۔

(۶) ایک اور اہم مطلب جس کا اس داستان کے ذیل میں ذکر ضروری ہے۔ یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے اشتباہ اور دھوکے میں بغیر قصد و عمد کے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو اس پہ غضبناک ہونا اور اس کے ساتھ دشمنی کا سلوک کرنا عقل و شرع دونوں کے برخلاف ہے۔ جیسے اس جوان سیّد سے کسی غلطی کی بنا پر قتل ہو گیا۔

جہاں تک عقل کا سوال ہے اگر کسی شخص سے دھوکے میں کوئی خطا ہو جائے۔ تو صاحبانِ

۱۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ۔ (سورۂ ۳۲ آیت ۱۷)

۲۔ اَلشُّجَاعُ مَنْ غَلَبَ هَوَاهُ (سفینۃ البحار)۔

۳۔ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ مُلُوْكٌ۔

عقل اسے زجر و توبیخ اور سرزنش نہیں کرتے (سوا اس صورت کے کہ اس کے اختیاری مقدمات میں تقصیر کی ہو) بلکہ کہتے ہیں کہ بیچارے نے کوئی تقصیر نہیں کی ہے (اور اس نقصان کی تلافی کے لئے دیت معین کی گئی ہے)۔ رہی شرعی حیثیت تو سورۂ احزاب آیت ۵ میں ارشاد ہے کہ "تمہارے اوپر اس جرم کے بارے میں کوئی گناہ اور سزا نہیں ہے۔ جو تم سے خطا اور غلطی کی بنا پر سرزد ہو گیا ہو۔ البتہ گناہ اور سزا اس چیز پر ہے جو تمہارے دل کے قصد اور ارادے سے واقع ہو۔ (قول سے ہو یا فعل سے)[1]

ہاں اس شخص کو جس پر ظلم و زیادتی ہوئی ہے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ خطا کار سے دیت کا یا اس سے کمتر کا مطالبہ کر سکتا ہے یا چاہے تو بالکل ہی معاف کر دے۔ لیکن معاف کر دینا اور بخش دینا بہتر ہے۔ اور اس کا اجر خدا کے ذمّے ہے۔ اور قتل خطائی کی دیت ایکہزار مثقال طلائی یا دس ہزار مثقال نقرہ ہے (ایک مثقال کا وزن ۴/۱ ۴ ماشہ) تمام اجزائے بدن کی دیت عملیہ رسالوں میں درج ہے۔

قتل نفس اہمیت رکھتا ہے

خاص طور پر قتل نفس چونکہ ایک اہم معاملہ ہے لہٰذا آدمی کو سختی سے پابند رہنا چاہئے کہ اشتباہ اور غلطی سے بھی اس کا مرتکب نہ ہو۔ مثلاً جس شخص کے ہاتھ میں بھری ہوئی بندوق ہو اسے بہت ہی احتیاط کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر احتیاط نہیں کی اور خطاءً قتل نفس کر دیا تو علاوہ ورثہ کو دیت ادا کرنے کے ایک غلام بھی آزاد کرنا ہوگا۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ساٹھ روز تک روزے رکھے۔ جیسا کہ اس سورۂ نساء میں معین فرمایا گیا ہے۔[2]

۱۔ وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ۔

۲۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰی اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ یَّصَّدَّقُوْا۔

(سورۂ نساء، آیت ۹۱)

اسی بنا پر خطائی قتل یا خطائی جنایت بدنی کے بالمقابل اس شخص کو جس پر یہ زیادتی ہوئی ہے یا اس کے متعلقین کو قاتل یا خطا کار سے دشمنی، کینہ توزی یا انتقام جوئی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور انھیں اپنے دل میں اس بے تقصیر کی طرف سے کدورت اور دشمنی نہ رکھنا چاہئے بلکہ اگر ہو سکے تو اس جرم کو فراموش کر کے خدا کے ذمّے چھوڑ دیں اور اسے معاف کر دیں تو بہت اچھا ہے۔ اور اگر اس حد تک درگذر نہ کر سکتے ہوں تو صرف دیت کا مطالبہ کریں۔

خطائی امور اور دیگر موارد میں بغض مومن کی حرمت کی تفصیل کتاب قلب سلیم بحث حقد میں لکھی جا چکی ہے۔

(۱۱۹)

مہمان کا دشمن مکان

نیز جناب آقائی سبط نے نقل فرمایا کہ مرحوم آقا سیّد ابراہیم شوستری جو اہواز کے ایک امام جماعت اور بہت محتاط و مقدس انسان تھے۔ عقد کرنے کے بعد سخت پریشان اور فقر و تہی دستی میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے لئے اپنے اور اپنے گھر والوں کے ضروری اخراجات پورے کرنا ممکن نہ رہا۔ ناچار ہو کر پوشیدہ طور سے نجف اشرف چلے گئے اور مدرسے میں شوستر کے ایک طالب علم کے پاس قیام کر لیا۔ چند مہینے کے بعد شوستر سے ایک قافلہ آیا اور انھیں خبر دی گئی کہ تمھارے اہل خانہ تمھارے نجف اشرف آنے سے واقف ہو گئے ہیں اور اب تمھاری بیوی، ماں باپ اور بہن سب یہاں آ گئے ہیں۔

وہ اس اطلاع سے سخت پریشان ہوئے ایسے حال میں جب نہ ان کے پاس ٹھہرنے کیلئے جگہ ہے اور نہ خرچ کے لئے پیسہ، وہ کیا کریں؟ بہر طور وہ جس حالت میں بھی تھے ادھر اُدھر کسی خالی مکان کا سراغ لگانا شروع کیا۔ لوگوں نے انھیں ایک دوکاندار کا پتہ بتایا کہ اس کے پاس ایک خالی مکان کی کنجی ہے۔

انھوں نے اس سے ملاقات کی تو اس نے کہا، ہاں یہ صحیح ہے لیکن وہ مکان منحوس ہے لیکن جو شخص اس میں قیام کرتا ہے وہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جلد ہی موت کی آغوش میں پہونچ جاتا ہے۔

سیّد نے کہا اس میں کیا قباحت ہے؟ (یعنی اگر میں مر بھی جاؤں تو اس سے بہتر کیا ہے؟ اس فلاکت و افلاس کی زندگی سے جلد نجات مل جائے گی۔) پس کنجی حاصل کر کے وہ مکان میں داخل ہوئے۔ تو دیکھا کہ ہر طرف کمڑی کے جالے لگے ہوئے ہیں اور گھر کوڑے سے اٹا

ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مدّتوں سے کسی کی سکونت نہیں رہی ہے انھوں نے صفائی کرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو اس میں ٹھہرایا۔ جب رات کو سوئے تو دیکھا کہ ایک عرب سر پر عقال لف (جو معمولی عربی عقالوں سے زیادہ سنگین اور شاندار ہوتا ہے) لپیٹے ہوئے آیا اور غصّہ کے عالم میں ان کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اور کہا سیّد! تم کیوں میرے گھر میں آئے، میں اسی وقت تمہارا اگلا گھونٹ دوں گا۔

سیّد نے جواب میں کہا، کہ میں سیّد اور اولاد رسولؐ میں سے ہوں۔ اور پھر میں نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا ہے۔ عرب نے کہا یہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن تم نے میرے مکان میں قیام کیوں کیا؟

انھوں نے کہا، اب آپ جو کچھ کہیں اس پر عمل کروں۔ اور آپ سے مکان میں رہنے کی اجازت بھی چاہتا ہوں۔ عرب نے کہا بہتر ہے اب یہ کام کرو کہ تہہ خانے میں جاؤ اسے پاک صاف کرو اور اس میں گچ جو پلاسٹر ہے اسے نکالو اس کے نیچے سے میری قبر ظاہر ہو گی۔ اس کا کوڑا اور ملبہ باہر نکالو اور ہر رات امیر المومنین علیہ السّلام کی ایک زیارت (غالباً زیارت امین اللہ کہی تھی) اور روزانہ فلاں مقدار میں (یہ مقدار ناقل کے ذہن سے نکل گئی تھی) قرآن کی تلاوت کرو، اس وقت اس گھر میں رہ سکتے ہو۔

سیّد کہتے ہیں میں نے اسی ترتیب سے سرداب کا فرش جو گچ سے بنایا گیا تھا کھودا اور قبر تک پہونچا تو سرداب کو صاف ستھرا کیا۔ اور ہر شب زیارت امین اللہ اور ہر روز تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہا۔ لیکن اخراجات کے بارے میں سخت شکنجے کا شکار تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز صحن مطہر میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے جن کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ رئیس التجّار حاج معروف بہ سردار اقدس اور شیخ خزعل کے عزیز تھے، مجھے دیکھا اور حالات دریافت کرنے کے بعد میرے گھر کی ہر فرد کے حساب سے ایک ایک عثمانی لیرہ دیا۔ اور ایک اچھی خاصی ماہوار رقم معیّن کر کے اس کی سند عطا کی۔ خلاصہ یہ کہ میری معیشت کی حالت سدھر گئی، اور مجھے مکمّل اطمینان حاصل ہو گیا۔

روحیں اپنی قبروں سے مانوس رہتی ہیں

چند دیگر مندرجہ بالا داستانوں کی طرح یہ داستان بھی عالم برزخ میں روحوں کی بقا اور اس دنیا کے حالات سے ان کی آگاہی پر سچّا گواہ ہے۔

اس داستان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ روحیں اپنے بدنوں کے مقام دفن اور اپنی قبروں سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ مطلب کی توضیح یہ کہ روح برسوں اپنے بدن کے ساتھ رہ چکی ہوتی ہے اسکے وسیلے سے بہت سے امور انجام دیتی ہے۔ علوم و معارف کا اکتساب کرتی ہے۔ فرمانبرداریاں کرتی ہے نیک کام کرتی ہے۔ اور ان چیزوں کے مقابلے میں اس کی خدمتیں بھی انجام دیتی ہے نیز اس کی تربیت اور دیکھ بھال میں پریشانیاں برداشت کرتی ہے۔ انھیں وجوہ کی بنا پر محققین کا قول ہے کہ بدن کے ساتھ نفس کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے کہ عاشق اور معشوق کے درمیان، اسی سبب سے موت کے بعد جب روح بدن سے جدا ہوتی ہے تو اس سے مکمّل قطع تعلق نہیں کرتی، اور جہاں اس کا جسم ہوتا ہے اس مقام پر خاص طور سے نظر رکھتی ہے۔ پس اگر وہ دیکھتی ہے کہ اس جگہ کوڑا ڈالا جا رہا ہے یا گناہ اور کثافت کا کوئی کام ہو رہا ہے تو سخت رنجیدہ ہوتی ہے اور ایسے غلط کام کرنے والوں پر نفرین کرتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ روحوں کی لعنت و نفرین اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ اس داستان میں بیان ہو چکا ہے کہ جو لوگ اس گھر میں سکونت اختیار کرتے تھے انھیں کیسی کیسی ذلّتیں اور مصیبتیں جھیلنا پڑتی تھیں۔ اور وہ اپنے خیال خام میں کہتے تھے کہ گھر منحوس ہے۔

البتہ اگر کسی قبر کو پاک و صاف رکھا جائے، اس کے قریب تلاوت قرآن جیسے نیک اعمال کئے جائیں تو روح خوش ہوتی ہے اور اس شخص کے لئے دعا کرتی ہے جیسا کہ سیّد موصوف کے بارے میں بتایا گیا۔ کہ زیارت اور اس قبر کے قریب قراءت قرآن کی برکت سے انھیں کیسی خوشحالی اور فارغ البالی نصیب ہوئی۔

قبر مومن کی بے حرمتی حرام ہے

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ مومن کی شریف روح مکرم و محترم اور عزت خداوندی کے زیر سایہ صاحب عزت ہے۔ یہاں تک کہ امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مومن کی حرمت خانۂ کعبہ کی حرمت سے بیشتر اور بالاتر ہے۔ (اور ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ مومن کی حرمت، حرمتِ کعبہ سے ستر درجہ زیادہ ہے) اور چونکہ وہ ایک مدت تک اپنے بدن سے متحد رہی ہے لہٰذا اس کا بے جان جسم بھی محترم ہے۔ جیساکہ شرع مقدس میں اس کی تجہیز و تکفین اور غسل و دفن کے جو آداب مروی ہیں ان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اس حد تک شرع مقدس میں قبر مومن کی ہتک حرمت حرام قرار دی گئی ہے۔ مثلاً نبش قبر (یعنی قبر کو کھولنا اور شگافتہ کرنا) قبر کو نجس کرنا۔ اور قبر میں کوڑا ڈالنا، اور کلی طور پر جو چیز بھی اس کی ہتک عزت کے باعث ہو وہ حرام ہے۔ اور جو چیز خلاف ادب ہو وہ مکروہ ہے۔ جیسے قبر پر بیٹھنا اس پر راستہ چلنا اور اسے گزرگاہ قرار دینا، یہاں تک کہ اس کے قریب کسی فاسق و فاجر اور ظالم کو دفن بھی نہ کریں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کا ایک معجزہ

ایک داستان غور طلب ہے۔ کتاب کشف الغمہ کے اندر جو شیعوں کی معتبر کتابوں میں سے ہے۔ امام ہفتم حضرت موسیٰ ابن جعفر علیہم السّلام کی کرامتوں کے باب میں لکھتے ہیں کہ میں نے عراق کی بزرگ ہستیوں سے سُنا ہے کہ ایک عباسی خلیفہ کا ایک بہت ہی شان اور شوکت اور کثیر مال و دولت والا وزیر تھا جو فوجی اور ملکی معاملات کے نظم و ضبط میں کوشاں ماہر اور توانا تھا۔ چنانچہ اس پر خاص طور سے خلیفہ کی نظر توجہ تھی۔ جب وہ مر گیا تو خلیفہ نے اس کی خدمتوں کی تلافی کی غرض سے حکم دیا کہ اس کی میت کو امامؑ ہفتم کے حرم میں ضریح مقدس کے قریب دفن کیا جائے۔ حرم مطہر کا متولی جو ایک مرد متقی و پرہیزگار، عبادت گذار اور حرم کا خدمتگزار تھا، رات کو رواق مطہر میں قیام کرتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وزیر کی قبر شگافتہ ہو گئی ہے۔ اس میں سے آگ کے شعلے بلند ہیں اور اس میں سے ایسا دھواں نکل رہا ہے جس سے جلی

ہوئی ہڈی کی بدبو آرہی ہے۔ یہاں تک کہ سارا حرم آگ اور دھوئیں سے بھر گیا۔ پھر دیکھا کہ امامؑ استادہ ہیں اور متولی کا نام لے کر بلند آواز سے فرما رہے ہیں کہ فلاں (یعنی خلیفہ) سے کہو کہ اس ظالم کو میرے پاس دفن کر کے تم نے مجھے اذیت پہونچائی ہے۔

متولی خوف سے لرزتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اور جو واقعہ گزرا تھا اسے تفصیل کے ساتھ لکھ کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ اسی رات بغداد سے کاظمین آیا، حرم میں تخلیہ کرایا کہ وزیر کی قبر کھولی جائے اور اس کا جسد خاکی باہر نکال کے دوسرے مقام پر دفن کیا جائے جب قبر شگافتہ کی گئی تو اس کے اندر صرف جلے ہوئے جسم کی خاکستر کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔

سختیوں میں مایوس نہ ہونا چاہیئے

سیّد موصوف کی داستان کی مناسبت سے دیگر ۲ مطلبوں کی جانب بھی متوجہ کیا جاتا ہے۔ پہلا مطلب یہ کہ اگر آدمی شدت اور سختی میں پھنس جائے تو اسے مایوس نہ ہونا چاہیئے بالخصوص اگر ایک - - - - - - سختی کے پیچھے دوسری سختی اور بلا کے پیچھے دوسری بلا آتی رہے تو کشادگی اور خوشحالی کا بیشتر امیدوار و منتظر رہنا چاہیئے۔ جیسی کہ ان بزرگوار سیّد کی سرگذشت ہے۔ کہ جب ان کی سختیاں اور دشواریاں اس قدر بڑھ گئیں کہ یہ اپنی موت کو فارغ البالی سمجھنے لگے تو خدا نے ان کی مصیبتیں برطرف فرمادیں۔ اور انھیں سہولت و فراغت عطا فرمائی۔ کتاب منتہی الآمال میں محدث قمی نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "جس وقت ایک بلا پر دوسری بلا کا اضافہ ہو تو بلا سے عافیت نصیب ہو گی"۔ [1]

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا، "سختی کے آخری حد پر پہونچنے کے قریب ہی فراخی ہے اور بلا کے حلقے تنگ ہونے کے پاس ہی آرام و آسائش ہے"۔ [2]

قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "یقیناً دشواری کے ساتھ آسانی ہے"۔ پھر فرمایا

---

[1] اِذَا اُضِیْفَ الْبَلَاءُ اِلَی الْبَلَاءِ کَانَ مِنَ الْبَلَاءِ عَافِیَۃٌ۔

[2] عِنْدَ تَنَاهِی الشِّدَّةِ تَكُوْنُ الْفُرْجَةُ وَعِنْدَ تَضَایُقِ حَلَقِ الْبَلَاءِ یَكُوْنُ الرَّخَاءُ۔

"یقیناً دشواری کے ساتھ آسانی ہے"۔[1]

نیز امیرالمومنین علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ "درحقیقت زمانے کی رسوائیوں اور دشواریوں کے لئے کچھ آخری حدود ہیں۔ جہاں تک ان کا پہونچنا لازمی ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کے اوپر کوئی پریشانی حاوی اور مُسلّط ہو جائے تو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اسپر صبر کرے یہاں تک کہ وہ اس کے سر سے گزر جائے۔ اور جسوقت وہ اس کی طرف رُخ کرے اس وقت اسے دفع کرنے کے لئے حیلہ اور تدبیر کرنا اس کی سختی کو بڑھا دیتا ہے"۔

ای دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت
این شام صبح گردد و این شب سحر شود

یعنی اے دل صبر اختیار کر اور غم نہ کر، اس لئے کہ انجام کار اس شام کی صبح طلوع ہوگی اور اس رات کی سحر آئے گی۔

مصیبتیں بدکرداریوں کا نتیجہ ہیں

اور دوسرا مطلب یہ ہے جیسا لوگوں میں کہا جاتا ہے کہ فلاں گھر مثلاً منحوس ہے، جو شخص اس میں رہتا ہے وہ تہی دست، یا کسی مصیبت میں گرفتار یا موت کا شکار ہو جاتا ہے یہ ایک فضول اور مہمل سی بات ہے جو حقیقت سے خالی ہے جو سوا بدشگونی اور بدفالی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ ہر وہ بلا جو آدمی کو مرگ مفاجات یا عمر کی کوتاہی تک پہونچا دیتی ہے۔ اس کا سبب خود انسان کے ناشائستہ اعمال ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "اور تمھیں جو مصیبت اور بلا پہونچتی ہے، وہ تمھارے گناہوں اور بدکاریوں کے سبب سے ہے۔ اور خدا تمھارے بہت سے گناہ معاف بھی فرما دیتا ہے"۔[2]

عمومی بلاؤں مثلاً قحط، گرانی، تباہ کن زلزلے، اور وباء وغیرہ کا ایک سبب لوگوں کے

---

[1] اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْراً ثُمَّ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْراً۔

[2] وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ

(سورۂ ۴۲ - آیت ۳۰)

اجتماعی گناہ ہیں۔ اور مخصوص بلائیں جو ہر فرد کو اس کی جان یا اولاد یا مال و عزّت اور آبرو یا اس سے متعلق دیگر امور کے بارے میں پہونچتی ہیں ان کا سبب شخصی گناہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ "جو لوگ گناہوں کے باعث مرتے ہیں وہ ان افراد کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ جو اپنی مقررّہ موت سے مرتے ہیں۔ اور اسی طرح جو لوگ اپنے احسان اور کارہائے خیر کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں وہ ان سے زیادہ ہیں جو اپنی میعاد کے مُطابق زندہ رہتے ہیں"۔[1]

دنیا میں گناہ کے وضعی آثار

جاننا چاہیئے کہ جو بلائیں گنہگاروں کو پہونچتی ہیں وہ ان کے گناہوں کی سزا نہیں ہیں کیونکہ عالمِ جزا موت کے بعد ہے۔ اور بالفاظ دیگر دنیا صرف کاشت اور عمل کا مقام ہے۔ اور آخرت اس کا ثمرہ اور نتیجہ حاصل کرنے اور اعمال کی جزا و سزا کا محل۔ جو کچھ اس دنیا میں گنہگار کو پہونچتا ہے۔ وہ اعمال کے وضعی اور دنیوی اثرات ہیں جن کی بنا پر انسان اسی دنیا میں نکبت و ذلّت اور اپنے برے کرداروں کے برے آثار میں مبتلا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شرابی شخص کے کارِ زشت کی عقوبت اور سزا تو آخرت میں ہے۔ لیکن اس دنیا میں بھی شراب خواری کی رسوائیاں اور مضرتیں جن میں جسمانی نقصانات (ان سب کی تشریح کتاب گناہانِ کبیرہ میں دی جا چکی ہیں) اور بدمستی کے عالم میں اس سے سرزد ہونے والے فاسد حرکات کی نکبتیں اور ذلتیں بھی شامل ہیں اس کی دامنگیر ہوتی ہیں جیساکہ سورۂ ۴۲ کی مذکورہ آیۂ مبارکہ ۳۰ میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا گناہوں کے بہت سے آثار وضعی کو دنیا میں اپنے بندوں سے دور رکھتا ہے۔ اور صدقہ، صلۂ رحم مومن کی دعا اور توبہ کے واسطے سے ان سے درگزر فرماتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر گناہوں کے عفو و بخشش سے اس آیت میں دنیوی آثار و نتائج کی معافی مراد ہے، نہ کہ عالمِ جزا میں، کیوں کہ آخرت میں گناہوں کی بخشش نہ صرف صاحبانِ ایمان کے مخصوص ہے یعنی ان لوگوں کے لئے جو دنیا

---

[1]۔ مَنْ یَمُوْتُ بِالذُّنُوْبِ اَکْثَرُ مِمَّنْ یَمُوْتُ بِالْاٰجَالِ وَمَنْ یَعِیْشُ بِالْاِحْسَانِ اَکْثَرُ مِمَّنْ یَعِیْشُ بِالْاَعْمَارِ (سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۴۸۸)

سے باایمان گئے ہیں۔ ورنہ گناہ کے دنیوی اثرات و نتائج کی معافی اور بخشش تو مومن کی شامل حال بھی ہوتی ہے۔ یعنی صدقے اور صلۂ رحم کے باعث ممکن ہے کہ کافر بھی دنیا میں آثار گناہ سے رہائی پا جائے۔ اور یہ مطلب آیت میں لفظ "مومنین" کے عوض لفظ "النّاس" سے ظاہر ہوتا ہے

پاکباز افراد کی بلائیں گناہ کا نتیجہ نہیں

جو عمومی یا خصوصی بلائیں معصومین یعنی پیغمبروں، اماموں نیز بچّوں اور دیوانوں جیسے بے گناہ افراد کو پہونچتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتیں، کیونکہ وہ گناہگار نہیں ہوتے بلکہ باجماعت اور معاشرے کے سلسلے سے ہوتی ہیں جن کا دھارا انھیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "ڈرو اس فتنے سے جو تنہا ظالموں کو نہیں پہونچتا بلکہ دوسروں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے[1]"۔

یا اس دنیا کے لوازم میں سے ہوتی ہیں، جیسی وہ مصیبتیں جو ظالموں کے ظلم اور حاسدوں کے حسد، یا جزئی حادثوں کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔ اور ان تمام موارد میں چونکہ آفت زدہ اشخاص بلاؤں پر صبر کے نتیجے میں بلند درجات اور صابرین کے مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ بباطن اور در حقیقت ان کے لئے رحمت بن جاتے ہیں۔

متقی انسان کے لئے کوئی نحوست نہیں

جیسا کہ اس داستان میں کہا گیا ہے گھر کے منحوس ہونے کے موضوع میں بظاہر یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ اس قبر میں دفن ہونے والا کوئی مرد صالح تھا جس کی قبر گھر کے اندر ہی بنائی گئی تھی۔ اور احتمال یہ ہے کہ اس نے زیارت اور تلاوت قرآن کی وصیت کی ہوگی جسے اس گھر میں سکونت رکھنے والے وہاں قیام کے عوض میں انجام دیتے رہیں۔ لیکن اس میں رہنے والوں نے بیچارے مرحوم کے ساتھ خیانت کی، ان کی قبر پر پلاسٹر کرکے اسے پوشیدہ کر دیا۔ اس پر

---

[1] وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً۔ (سورہ ۸ آیت ۲۵)

کوڑا اڈالنا شروع کیا، اور اعمال صالحہ کے بجائے کتنے ہی ناروا اور بیجا افعال کو اپنا رویہ قرار دیا۔ یہاں تک کہ ناچار و مجبور میّت ان کے اعمال خیر سے بہرہ اندوز ہونے کے بجائے ان کی بدی اور شرارت سے اذیت میں مبتلا ہوگئی، اور اسی بنا پر وہ لوگ میّت کی نفرین اور بددعا کے زیر اثر فقر و تنگدستی اور مصائب کے شکار ہوکر قبل از وقت موت کے پنجے میں آگئے چونکہ یہ سیّد بزرگوار متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور خدا نے بھی ان کی فراخی اور خوشحالی کا اذن دے دیا تھا۔ لہٰذا اس میّت نے انھیں اس مکان میں قیام کرنے والوں کی پریشانیوں اور بدحالیوں کے سبب سے آگاہ کر دیا۔ اور چونکہ انھوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور صاحبِ قبر کے لئے تلاوت قرآن اور زیارت جیسے امور خیر کے ہدیے روانہ کرنے لگے لہٰذا ان کی دعائے خیر کے حقدار قرار پائے۔ اور جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے انھیں خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی نصیب ہوئی۔

---

(۱۲۰)

سیدانی کی اہانت

علمائے اعلام اور سادات کے سلسلۂ جلیلہ کی ایک بزرگ شخصیت نے جو شاید اپنے اسمِ مبارک کے ذکر سے راضی نہ ہوں نقل فرمایا کہ ایک بار میں نے اپنے پدر علّامہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے کچھ سوالات کیئے۔ جن کے انھوں نے جوابات دیئے۔

سوال ۱۔ جو روحیں عالمِ برزخ کے عذاب میں مبتلا ہیں ان کا عذاب اور سختیاں کس طرح کی ہیں؟

جواب:۔ چونکہ تم ابھی عالمِ دنیا میں ہو لہٰذا تم سے صرف مثال کے طور پر جو کچھ بیان کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جب تم کسی پہاڑ کے درّے کے اندر ہو اور چاروں طرف سے اتنے بلند و بالا پہاڑ اسے گھیرے ہوئے ہوں کہ ان پر چڑھنا کسی طرح ممکن نہ ہو، اس حال میں ایک بھیڑیا تم پر حملہ کر دے جس سے فرار کا کوئی راستہ موجود نہ ہو۔

سوال ۲۔ میں نے دنیا میں جو امورِ خیر آپ کے لئے انجام دیئے ہیں آیا وہ آپ کو پہونچ گئے ہیں۔ اور ہماری خیرات سے آپکی بہرہ اندوزی کی کیفیت کیا ہے؟

جواب:۔ ہاں وہ تمام امورِ خیر مجھ کو پہونچ گئے ہیں اور ان سے بہرہ اندوزی کی نوعیت بھی ایک مثال کی صورت میں تمھارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ جس وقت تم کسی بہت ہی گرم اور آدمیوں سے بھرے ہوئے ایسے حمّام کے اندر موجود ہو جہاں تنفس اور بخار و حرارت کی کثرت کی وجہ سے تمھارے لئے سانس لینا دشوار ہو ایسی حالت میں حمّام کا دروازہ تھوڑا سا کھُل جائے اور بادِ نسیم کا ایک خنک جھونکا تم تک پہونچ جائے اس وقت تم کس قدر فرحت و راحت اور آزادی محسوس کرو گے۔ یہ ہے ہمارا حال تمھاری خیرات پہونچنے کے وقت۔

سوال ۳۔ چونکہ میں نے اپنے باپ کو صحیح و سالم نورانی حالت میں پایا، لیکن ان کے ہونٹ زخمی اور خون اور پیپ سے آلودہ نظر آئے لہٰذا مرحوم سے اس کا سبب پوچھا اور کہا کہ اگر آپ کے ہونٹوں کے فائدے کے لئے مجھ سے کچھ ہو سکتا ہو تو فرمایئے تاکہ میں اُسے انجام دے سکوں؟

جواب:۔ اس کا علاج صرف تمھاری سیدانی ماں کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اس کا سبب انکی وہ اہانت ہے جو میں دنیا میں کیا کرتا تھا۔ چونکہ ان کا نام سکینہ ہے لہٰذا جب میں انھیں پکارتا تھا تو خانم سکّو کہتا تھا۔ اور وہ اس سے رنجیدہ خاطر ہوتی تھیں۔ اگر تم انھیں مجھ سے راضی کر سکو تو میرے لئے فائدے کی امید ہے۔

ناقلِ محترم نے فرمایا کہ، میں نے یہ ماجرا اپنی ماں سے بیان کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ جب تمھارے باپ مجھے آواز دیتے تھے تو تحقیر و اہانت کے انداز میں خانم سکّو کہتے تھے۔ تو میں سخت رنجیدہ اور آزردہ خاطر ہوتی تھی۔ لیکن اس کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ اور ان کے احترام کی وجہ سے کچھ کہتی نہیں تھی۔ لیکن اب وہ چونکہ زحمت میں گرفتار اور تکلیف میں ہیں لہٰذا انھیں معاف کرتی ہوں۔ ان سے راضی ہوں اور ان کے لئے صمیمِ قلب سے دعا کرتی ہوں۔

ان تین سوالات اور ان کے جوابات میں کچھ مطالب پوشیدہ ہیں لہٰذا جن کا جاننا ضروری ہے۔ اور محترم ناظرین کی توجہ کے لئے مختصر طور پر ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نیک اعمال برزخ میں بہترین صورتوں کے ساتھ

عقلی و نقلی دلائل و براہین سے ثابت و مسلّم ہے کہ آدمی اپنی موت سے نیست و نابود نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح مادّی اور خاکی بدن سے رہائی کے بعد ایک انتہائی لطیف قالب سے ملحق ہو جاتی ہے۔ اور دیکھنے، سُننے اور شادی و غم جیسے وہ تمام ادراکات اور احساسات جو اسے دنیا میں حاصل تھے اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ بلکہ عالمِ دنیا کے مقابل اور شدید و قوی ہو جاتے ہیں۔ چونکہ مثالی جسم کامل طور پر صفائی اور لطافت کا حامل ہوتا ہے لہٰذا مادّی آنکھیں اسے نہیں دیکھتیں۔ یعنی کمی مادّی آنکھ کی طرف سے ہے۔ جو مثلاً ہوا کو نہیں دیکھ سکتی

کیونکہ وہ ایک مرکب جسم ہونے کے باوجود لطیف ہے۔

روح انسانی کی اس حالت کو موت کے بعد سے قیامت تک عالم مثال اور برزخ کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "اور ان کے پیچھے برزخ ہے۔ اس روز تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔"[۱] (اور عالم برزخ کی تشریح و تفصیل بحث معاد میں موجود ہے۔[۲])،

جس چیز کی یاد دہانی اس مقام پر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ خوش نصیبی کے ساتھ اس دنیا سے گئے ہیں وہ برزخ میں اپنے تمام اعمال شائستہ اور اخلاق فاضلہ کا بہترین اور انتہائی حَسین صورتوں میں مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے بہرہ مند ہو کر شاد و مسرور ہوتے ہیں جیسا کہ بدبخت نفوس اپنے ناروا افعال، خیانتوں، معصیتوں، اخلاق رذیلہ اور صفات ذمیمہ کو بدترین اور انتہائی وحشتناک شکلوں میں دیکھتے ہیں۔ اور آرزو کرتے ہیں کہ ان سے جدائی ہو جائے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکے گا۔ جیساکہ ان مرحوم بزرگوار کے جواب میں ایک حملہ آور بھیڑیئے اور ایک ایسے شخص کی تشبیہ پیش کی گئی ہے جس کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہ ہو۔

اس آیۂ مبارکہ میں غور کیا جائے "جس روز کہ ہر متنفس اپنے ہر اس نیک کام کو جسے وہ بجالایا ہے۔ اپنے پاس حاضر پائے گا۔ اور اپنے برے کاموں کے بارے میں آرزو کرے گا۔ کہ کاش اس کے اور ان (افعال بد) کے مابین لمبا فاصلہ ہوتا ہے اور خدا تمھیں اپنے عذاب و عقاب سے بچانا چاہتا ہے۔ اور خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔"[۳]

یہ اس کی مہربانی ہی ہے کہ اس نے دنیا ہی میں خطرے کا اعلان فرما دیا ہے۔ تاکہ بندے دوسرے عالم میں پہونچنے کے بعد سختیوں اور شکنجوں میں گرفتار نہ ہوں۔

---

[۱]۔ وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (سورہ ۲۳۔ آیت ۱۰۰)

[۲]۔ کتاب "معاد" مؤلفۂ حضرت مؤلف مرحوم کی فصل دوم "برزخ" کی طرف رجوع ہو۔

[۳]۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔

(سورہ ۳، آیت ۳۰)

اپنی زبان سے کسی کو نہ ستاؤ

دوسرا اہم مطلب جسکا یہاں ذکر کر دینا لازم ہے۔ زبان کی آفتوں اور گناہوں سے نگہداشت کی حتمی پابندی ہے۔ منجملہ کسی مسلمان کو کسی ایسے برے لقب سے پکارنا یا ایسے لفظ کے ساتھ یاد کرنا جو اسے تکلیف پہونچائے یا رنجیدہ کرے۔

یہاں تک کہ حضرت رسولخدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت ہے کہ اپنے غلام اور کنیز سے اس کی غلامی اور کنیزی کی حیثیت سے خطاب نہ کرو بلکہ یا بُنَیَّ یعنی اے میرے فرزند یا فتاۃ، یعنی اے جوان یا جوانمرد کہہ کر پکارو۔

اس قسم کے گناہ کو چھوٹا اور حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اوّل تو ہر گناہ جسے آدمی نے ناچیز اور معمولی سمجھا ہے بزرگ اور اس کے نامۂ اعمال کا مستقل جزء قرار پائیگا۔ دوسرے اس طرح کہ گناہ کی بخشش علاوہ بارگاہ خداوندی میں توبہ و استغفار اور عذر خواہی کے اس شخص کی عذر خواہی اور دلجوئی پر بھی موقوف ہے۔ جسے رنج پہونچایا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی مسلمان کے ساتھ سخت قسم کا مذاق کر کے اسے رنج پہونچاتا ہے۔ اور اپنے اس کام کو خطا اور گناہ بھی نہیں سمجھتا۔ تاکہ اس سے دلجوئی اور معذرت کرے اور بالآخر وہ اپنی موت کے بعد اسی ایک گناہ کے نتیجے میں مدتوں عذاب میں گرفتار رہے گا۔ اس مطلب کی شاہد یہ آیۂ مبارکہ ہے "جو شخص ایک ذرّہ کے برابر بدی کرے گا اسے بھی دیکھے گا"

روحوں کے ساتھ رابطے میں لطف خداوندی

ایک اور مطلب سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ رحمت خداوندی کے ابواب میں سے ایک باب زندوں کا مُردوں کے ساتھ ارتباط بھی ہے۔ اور اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک بعض سچے خوابوں میں مردوں کی روحوں سے زندوں کا اتصال اور اس کے ذریعے ان کی سرگذشت اور حالات کے کچھ حصّے اور ان خبروں سے آگاہی ہے۔ جو وہ پوشیدہ امور کے بارے میں دیتی ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں عالم غیب اور مرنے کے بعد روحوں کی بقاء پر ایمان پختہ ہوتا ہے نیز جو کچھ شرع

میں وارد ہوا ہے۔ اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسی طرح زندوں کے ساتھ روحوں کا رابطہ بعض صورتوں میں تو مُردوں کے لئے بھی سود مند ہے مثلاً کسی حد تک ان کی گرفتاریوں اور پریشانیوں میں تخفیف و اصلاح جیسا کہ اس داستان میں ایک علویہ سیدانی کا دل خوش کرنے اور انھیں راضی کرنے کا بیان ہے۔ اس کے شواہد اور نظیریں کثرت سے ہیں۔ یہاں صرف ایک داستان کے نقل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

چاقو اس کے مالک تک پہونچاتے ہیں

مرحوم استاد احمد امین نے کتاب التکامل فی الاسلام میں نقل کیا ہے کہ دو محکمۂ ڈاک کے ملازم قبر حضرت سید الشہداء علیہ السّلام کی زیارت کے قصد سے تہران سے روانہ ہوئے۔ چونکہ حکومت کسی کو عتبات عالیات کے سفر کی اجازت نہیں دیرہی تھی۔ لہٰذا ناچار ہو کر ان لوگوں نے قاچاق کا راستہ اختیار کیا۔ اور ایک شورہ زار بیابان میں پھنس کے رہ گئے۔ ان پر پیاس کا اتنا شدید غلبہ ہوا کہ ان میں سے ایک نے تشنگی سے جان دیدی۔ اور دوسرا بھی سخت مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن بالآخر اپنے کو تہران تک پہونچالیا۔ کچھ مدّت کے بعد اپنے اس رفیق کار اور ہمسفر کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک انتہائی خوبصورت باغ میں پوری راحت اور آرام کے ساتھ لبسر کر رہا ہے اسکا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ خدا کا شکر ہے۔ مجھے مکمّل آسائش حاصل ہے لیکن روزانہ ایک بچھو میرے قریب آتا ہے اور میرے پاؤں کے انگوٹھے میں ڈنک مارتا ہے جس سے مجھے اتنی سخت اذیت ہوتی ہے کہ مرنے کے قریب پہونچ جاتا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ تکلیف اسوجہ سے ہے کہ ایک روز میں اپنے فلاں دوست کے یہاں مہمان تھا اس کے ساتھ باقلا کھاتے ہوئے ایک چھوٹا سا چاقو اس کے یہاں سے چرالیا۔ اور اسے اپنے مکان کے فلاں مقام پر بائیں طرف کے گوشے میں چھپا دیا ہے۔ تم سے اتنی خواہش ہے کہ میرے گھر پر جاؤ، میری اہلیہ کو میرا اسلام پہونچاؤ اور میری طرف سے کہہ دو کہ وہ چاقو تمھیں دیدیں تم اسے لے کر اس کے مالک تک پہونچادو اور اس سے میرے لئے معافی کی درخواست کرو۔ شاید خدا میری خطا سے درگذر فرمائے، یہ شخص کہتا ہے میں نے اپنے خواب کے مُطابق عمل کیا اور اس کے بعد دوبارہ اپنے دوست کو خواب میں

دیکھا کہ بہت خوش وخرم اور راحت کے عالم میں ہے۔ اور اس نے میرا شکریہ بھی ادا کیا۔

مظالم کی مکمّل تلافی ہو گی

روضۂ کافی میں قیامت کے روز حساب خلائق اور حقوق و مظالم کی ادائیگی و تلافی کے بارے میں حضرت علی ابن الحسین علیہم السّلام سے ایک طولانی حدیث (۷۹) منقول ہے جس میں ارشاد ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ "میں خدا ہوں کہ میرے سوا کوئی دوسرا پرستش کے لائق نہیں۔ میں ایسا انصاف پرور حاکم ہوں۔ جو عدل کے خلاف کوئی بات نہیں کہتا تمھارے درمیان اپنے عدل و داد کے ساتھ کوئی فیصلہ کروں گا۔ آج میری بارگاہ میں کسی کے اوپر ظلم وستم نہ ہوگا۔ آج میں ایک طاقتور سے کمزور کا حق وصول کروں گا۔ قرضدار سے قرض خواہ کا قرض واپس لوں گا۔ نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے ایک دوسرے کے حقوق اور مظالم کا بدلہ چکاؤں گا۔ اور آج ہی کا دن ہے جب کوئی ظالم میرے مقابل اور اس منزل سے اس حالت میں آگے نہ جاسکے گا۔ کہ اس کی گردن پر کسی کا حق اور مظلمہ باقی ہو۔ اے لوگو! آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرو، اور جس کی گردن پر تمھارا کوئی ایسا حق موجود ہو جو اس دنیا میں ظلم کے ساتھ تم سے لیا ہو، اس سے طلب کرو۔ میں خود اس کے خلاف تمھارا گواہ ہوں۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ ایک قریشی شخص نے حضرت سے کہا۔ کہ اے فرزند پیغمبرؐ! اگر کسی مومن کا کوئی حق کسی کافر کی گردن پر ہو تو اس کے عوض میں اس کافر سے کیا لیا جائے گا کیونکہ وہ تو اہلِ دوزخ میں سے ہے۔؟ امامؑ نے فرمایا۔ "اس مرد مسلمان کے گناہوں میں سے اس کے اس حق کے مُطابق جو کافر کے ذمے ہوگا کمی کر دی جائے گی۔ اور وہ کافر اسی انداز سے اپنے کفر کے عذاب کے ساتھ ساتھ مزید عذاب میں مبتلا ہوگا۔"

قریشی نے کہا کہ "اگر کسی مسلمان کا کوئی حق کسی مسلمان کی گردن پر ہو تو اس سے کیونکر وصول ہوگا۔؟

آپ نے فرمایا اس ظالم حق مارنے والے مسلمان کے حسنات اور نیک اعمال میں سے ایک حصّہ لے کر مظلوم حقدار کی نیکیوں میں شامل کر دیا جائے گا۔"

قرشی نے کہا، اگر ظالم کے پاس کچھ نیکیاں نہ ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا، "اس مظلوم [illegible] کے کچھ گناہ لے کر ظالم قرضدار کے گناہوں میں بڑھادیئے جائیں گے۔"

یہ بات بتادینا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی کافر کسی مسلمان کے ذمے اپنا کوئی حق رکھتا ہو تو چونکہ کافر مسلمان کے حسنات اور نیکیوں کی قابلیت نہیں رکھتا لہٰذا عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے حق کی مقدار کے لحاظ سے عذاب میں تخفیف کردی جائے۔ اور اس مطلب کو سمجھنے کے لئے اس مردِ عابد کی داستان کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے جو ایک یہودی کے پانچ قِران (موجودہ ایرانی سکّہ ریال) کا قرضدار تھا۔ اور جو اس کتاب کے اوائل میں نقل ہو چکی ہے۔

امام زین العابدین علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ "قیامت کے روز بندے کا ہاتھ پکڑ کے اسقدر بلند کریں گے کہ سب لوگ اسے دیکھ لیں۔ اس کے بعد کہا جائے گا کہ جو شخص اس آدمی پر کوئی حق رکھتا ہو وہ اس سے وصول کرے۔ اور اہلِ محشر پر اس سے زیادہ کوئی سخت چیز نہیں ہے کہ ایسے کسی شخص کو دیکھیں جو انھیں جانتا پہچانتا ہو اور خوف ہو کہ ان پر کسی حق کا دعویٰ کرے گا۔[1]

حقیقی مفلس کون ہے؟

حضرت رسولخدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ آیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہمارے درمیان مفلس وہی شخص ہے جس کے پاس نقد رقم اثاث البیت، اور جائیداد کوئی چیز نہ ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، درحقیقت میری امّت میں مفلس وہ ہے جو قیامت میں نماز روزہ زکوٰۃ، اور حج وغیرہ نیک اعمال کے ساتھ جنھیں وہ بجالاچکا ہے محشور ہو، درحالیکہ اس نے کسی کو فحش بات کہی ہو، کسی کو گالی دی ہو کسی کا مال ناجائز طور سے

---

[1] یُؤخَذُ بِیَدِ العَبْدِ یَوْمَ القِیٰمَۃِ عَلٰی رُؤُوسِ الْاَشْھَادِ وَیُقَالُ اَلَا مَنْ کَانَ قِبَلَ ھٰذا حَقٌّ فَیَاخُذُہٗ وَلَا شَیْءٌ اَشَدُّ عَلٰی اَھْلِ القِیٰمَۃِ مِنْ اَنْ یَرَوْا مَنْ یَعْرِفُھُمْ مَخَافَۃَ اَنْ یَدَّعِیَ عَلَیْہِ شَیْءٌ ٥

(لئالی الاخبار، صفحہ ۵۴۸)

کھایا ہو، کسی کا خون بہایا ہو، اور کسی کو مارا ہو، پس اس کی نیکیاں اس کو دیدی جائیں گی، اور جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ابھی اس کے ذمّے حقوق باقی ہوں گے تو حقداروں کے گناہ لے کر اس کے سر ڈال دیئے جائیں گے۔"

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز جو مکمّل اور عام عدل خداوندی کے ظہور کا دن ہوگا اگر کوئی حیوان کسی انسان پر حق رکھتا ہوگا مثلاً اس شخص نے اس کے چارے اور پانی میں کوتاہی کی ہوگی یا اندازے سے زیادہ اس پر بوجھ لادا ہوگا۔ یا اسے بیجا زدوکوب کیا ہوگا۔ تو اُن تمام چیزوں کا قصاص یا تلافی ہوگی۔

امامؑ ناقے کو نہیں مارتے تھے

امام زین العابدین علیہ السّلام کا ایک ناقہ تھا جس پر آپ نے بیس بار حج کا سفر کیا تھا اور کبھی اسے راستے میں نہیں مارا تھا، ایک مرتبہ وہ اثنائے راہ میں ٹھہر کے چرنے میں مصروف ہو گیا۔ تو امامؑ نے تازیانہ بلند کیا لیکن اسے مارا نہیں، بلکہ فرمایا، "لَوْلَا خَوْفُ الْقِصَاصِ" یعنی اگر قصاص اور تلافی کا خوف نہ ہوتا تو میں اسے مارتا۔

بحار الانوار کی جلد معاد میں صدوق علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدؐا نے دیکھا کہ ناقے کے اوپر سامان لدا ہوا ہے اور اس کے پاؤں بھی باندھ دیئے گئے ہیں۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہاں ہے ناقے کا مالک؟ اس سے کہو کہ روزِ قیامت مخاصمے اور جوابدہی کے لئے تیار رہے۔"

زندوں کی خیرات مُردوں کو پہونچتی ہے

مُردوں کے ساتھ زندوں کے ارتباط میں فضلِ خداوندی کا دوسرا پہلو مُردوں کیلئے زندوں کے خیرات دینے کا فائدہ ہے، اور اس بارے میں روایات اور واقعات بے شمار ہیں۔

صحیح سند کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ

مردہ تنگی اور سختی میں ہوتا ہے۔ اور خدا اسے وسعت اور فراخی عطا کرکے سختی سے باہر لاتا ہے۔ پس اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ آرام اور راحت جو تمھیں نصیب ہوئی ہے اس نماز کی وجہ سے ہے جو تمہارا فلاں مومن بھائی تمھارے لئے بجالایا ہے اور فرمایا کہ میّت اس پر شاد و مسرور ہوتی ہے اور اس کے لئے جو دعا اور استغفار کیا جاتا ہے اس سے کُشادگی اور خوشحالی پاتی ہے جس طرح زندہ اس ہدیئے سے خوشی اور مسرّت پاتا ہے جو اس کے لئے لایا جاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ، میّت کے لئے نماز، روزہ، حج، صدقہ، دعا اور دیگر نیک کام اسکی قبر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور ان کاموں کا ثواب انھیں بجالانے والے اور میّت دونوں کے لئے لکھا جاتا ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ بہت سے فرزند ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ماں باپ اپنی زندگی میں ان سے ناراض ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی موت کے بعد ان امور خیر کی وجہ سے جو وہ ماں باپ کے لئے انجام دے کر ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں، ان سے راضی ہو جاتے ہیں۔

اور بہت سے فرزند ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ماں باپ اپنی حیات میں ان سے راضی اور ان سے خوشنود ہوتے ہیں اور ان کی موت کے بعد وہ ان سے عاق ہو جاتے ہیں اسلئے کہ فرزند وہ اعمال خیر انجام نہیں دیتا جو اسے والدین کے لئے انجام دینا چاہیئے تھے۔

یہ بتادینا ضروری ہے کہ ماں باپ، اعزّہ و اقارب، اور دیگر مومنین کے لئے بہترین امور خیر یہ ہیں کہ ہر کام سے پہلے ان کی ذمہ داریوں کو پورا کرے، خدا اور خلق خدا کے جو حقوق ان کے ذمّہ رہ گئے ہوں انھیں ادا کرے حج اور دیگر عبادات جو ان سے فوت ہوئے ہوں ان کی قضا کرے یا ان کے لئے کسی دوسرے کو اجیر بنائے، اور مستحق خیرات اور داد و دہش میں میت ارحام و اقرباء کو مقدّم رکھے۔ اس داستان پر غور کیجئے۔

مرحوم استاد احمد امین اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو اپنے شوہر کی کچھ خدمت انجام دینے کی غرض سے وہ ہر شب جمعہ میں کچھ غذا تیار کرکے اپنے یتیم فرزند کے ذریعے فقراء کے گھروں میں بھیج دیا کرتی تھی۔ وہ بچہ بیچارہ باوجود اس کے خود بھوکا ہوتا تھا غذا اپنی ماں سے لیکر فقیروں کو پہونچا دیا کرتا تھا۔ اور خود اسی طرح بھوکا آکر سو جاتا تھا۔

یہانتک کہ ایک شب اسکا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ اس نے راستے میں وہ کھانا خود ہی کھالیا اور شکم سیر ہو کر گھر آکر اطمینان سے سوگیا۔ اسی رات عورت نے اپنے شوہر کو خواب میں دیکھا کہ اس سے کہہ رہا ہے، "صرف آج رات کی غذا مجھ کو پہونچی ہے"۔

عورت بیدار ہوئی تو انتہائی حیرت کے عالم میں اپنے بیٹے سے پوچھا کہ تم ہر شب جمعہ میں اور کل کی شب غذا کہاں لے گئے تھے۔ اور کیسے دیتے رہے ہو؟ میں نے شب میں تمھارے باپ کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ صرف اسی رات کی غذا مجھ کو پہونچی ہے۔

لڑکے نے صحیح بات بتادی کہ میں ہر شب جمعہ میں غذا فقراء کے گھروں میں پہونچاتا تھا۔

لیکن کل چونکہ بہت بھوکا تھا، لہٰذا خود ہی کھالی اور آرام سے سوگیا۔

عورت نے سمجھ لیا کہ شوہر کی بہترین خدمت یہی ہے کہ اس کے یتیم کو سیر کیا جائے، اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ "صدقہ اس حال میں صحیح نہیں ہے کہ صدقہ دینے والے انسان کے اعزّہ و اقرباء محتاج ہوں۔

(۱۲۱)

جنازے کے اوپر ایک کُتّا

فضیلت ایمان وتقویٰ کے حامل مرحوم ڈاکٹر احمد احسان نے جو برسوں کربلائے معلّٰی میں مقیم رہے اور پھر اپنی عمر کے آخری دور میں چند سال تک قم کے مجاور رہ کے وہیں مرحوم ومدفون ہوئے تقریباً پچیس سال قبل کربلا میں نقل کیا کہ میں نے ایک روز ایک جنازے کو دیکھا، جسے چند لوگ تبرک اور زیارت کی غرض سے حضرت سید الشہداؑ کے حرم اقدس میں لئے جارہے تھے چنانچہ میں بھی مشایعت کرنیوالوں کے ساتھ ہوگیا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ تابوت کے اوپر ایک سیاہ اور وحشت انگیز شکل وصورت کا کتا بیٹھا ہوا ہے میں حیرت میں پڑ گیا اور یہ جاننے کے لئے کہ آیا دوسرے لوگ بھی دیکھ رہے ہیں۔ یا تنہا میں ہی اس عجیب وغریب منظر کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اپنی داہنی جانب چلنے والے ایک شخص سے پوچھا کہ جنازے کے اوپر جو کپڑا پڑا ہوا ہے وہ کیسا ہے؟ اس نے کہا کشمیری شال ہے، میں نے کہا کپڑے کے اوپر کوئی دوسری چیز دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا نہیں، پھر یہی سوال میں نے اپنی بائیں جانب والے سے کیا۔ اور اس سے بھی یہی جواب ملا۔ میں نے جان لیا کہ سوا میرے اور کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔

جب ہم صحن مطہر کے دروازے پر پہونچے تو ناگاہ وہ کتا جنازے سے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ جب جنازے کو حرم مطہر اور صحن مبارک سے واپس لائے تو صحن سے باہر دوبارہ اس کتے کو جنازے سے متصل دیکھا میں جنازے کے ہمراہ قبرستان تک گیا کہ دیکھوں کہ آگے کیا ہوتا ہے؟ میں نے غسلخانے اور دیگر تمام حالات میں کتے کو جنازے کے پاس ہی پایا۔ حتیٰ کہ جس وقت لوگوں نے میّت کو دفن کیا تو کتا بھی اسی قبر میں نگاہوں سے غائب ہوگیا۔

اسی جیسا ایک واقعہ قاضی سعید قمی نے اپنی کتاب اربعینات میں استاد کل شیخ بہائی اعلی اللہ مقامہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبان معرفت بصیرت میں سے ایک شخص اصفہان میں ایک مقبرے کا مجاور تھا۔ ایک روز شیخ بہائی علیہ الرحمہ اس کی ملاقات کے لئے گئے تو اس نے بتایا کہ میں نے گذشتہ روز اس قبرستان میں ایک عجیب وغریب امر کا مشاہدہ کیا، میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے ایک جنازہ لاکر فلاں مقام پر دفن کیا اور چلے گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک ایسی خوشبو میرے مشام میں پہونچی جو دنیا کی خوشبوؤں میں سے نہیں تھی۔ میں نے حیرت زدہ ہوکر یہ جاننے کے لئے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ کہ یہ خوشبو کہاں سے آرہی ہے۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت شخصیت شاہانہ وضع قطع میں اس قبر کے پاس گئی اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتاً ایک شدید بدبو جو تمام بدبوؤں سے گندی اور پلید تر تھی میری ناک میں پہونچی میں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک کُتّا اسی قبر کی طرف جارہا ہے اور وہاں پہونچ کے نظر سے غائب ہوگیا۔ میں حیرت اور تعجب کے عالم میں تھا کہ ناگاہ اس جوان کو اس حال میں دیکھا کہ بدہیئت خستہ حال اور زخمی حالت میں اسی راستے سے واپس جارہا ہے جس سے آیا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا اور اس سے خواہش کی کہ مجھ سے حقیقت حال بیان کرے اس نے کہا میں اس میّت کا عمل صالح ہوں۔ اور اس کے ساتھ رہنے پر مامور تھا۔ لیکن دفعتاً وہ کتا آگیا جسے تم نے دیکھا ہے اور وہ اس کا عمل بد ہے۔ چونکہ میّت کی بد اعمالیاں زیادہ تھیں لہذا وہ مجھ پر غالب آیا۔ مجھے اس کے پاس ٹھہرنے نہیں دیا اور وہاں سے باہر نکال دیا۔ اب اس کا رفیق وہی کتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ مکاشفہ صحیح ہے کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آدمی کے اعمال برزخ میں اس کے کردار سے مناسبت رکھنے والی صورتوں میں مصوّر ہوکر اس کے ساتھ رہیں گے۔ اور اعمال کا تجسّم اور ان کا حالات سے مناسبت رکھنے والی صورتوں میں متشکّل ہونے کا مسئلہ مُسلّم ہے۔

مردم آزاری درندے کی صورت میں

محترم ناظرین آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو کچھ ان دونوں مکاشفوں میں نقل ہوا اور اسی طرح جو کچھ شیخ بہائی علیہ الرحمہ نے فرمایا وہ ایک راست ودرست مطلب اور حقیقت

واقعہ ہے۔ اور صاحبانِ بصیرت کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے۔ کہ جو آدمی دنیا میں درندوں اور کتّوں کی راہ روش پر چل رہا ہو یعنی اپنی زبان اور دیگر اعضاء و جوارح کے ذریعے لوگوں کو اذیت و آزار پہونچاتا ہو، بے رحم، بے انصاف اور متکبّر ہو، یعنی حق و حقیقت کے زیر اثر نہ رہ کر غرور و خودی اور فرعونیت کا مظاہرہ کرے، اور خلاصہ یہ کہ بے راہ روی، مجرمانہ حرکات اور خیانت کاری اس کا پیشہ ہو تو موت کے بعد اس کا حشر ایک بھیڑیئے یا کتّے یا چیتے یا سُور کی صورت میں ہوگا۔ البتہ دنیا کے کتّوں اور بھیڑیوں کے مانند نہیں بلکہ ان سے ہزاروں درجے زیادہ بد ہیئت، موذی اور وحشتناک شکل میں، حتیٰ کہ خود اس کی ملکوتی اور باطنی صورت بھی ایسی ہوگی۔

اس کے بالمقابل ہر وہ انسان جو اپنی ساری مدت حیات میں اپنا اور خلقِ خدا کا خیر خواہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا، ان پر مہربان، ان کے سامنے انکسار و تواضع برتنے والا رہا ہو ایک بندے کی طرح زندگی بسر کرے، ہر شر اور فساد سے پرہیز کرتا ہو۔ اور اس کے سارے وجود کو ایمان و تقویٰ اور اعمال صالح کے نور نے گھیر لیا ہو اپنی موت کے بعد فرشتوں کی طرح بہترین اور حسین ترین صورت میں ہوگا۔ بلکہ وہ خود ایک فرشتہ ہوگا، فرشتوں سے بالاتر، لیکن جن لوگوں نے عبادتیں اور اعمال صالحہ بھی انجام دیئے ہیں اور گناہوں اور ناشائستہ افعال کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ اور بغیر توبہ اور تدارک کے دنیا سے چلے گئے ہیں۔ وہ برزخ میں کبھی اپنی نیکیوں کی فرحت بخش صورتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور کبھی اپنے گناہوں کی اذیت رساں شکلوں سے شکنجے اور پریشان حالی میں رہیں گے۔

البتہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہوں کی کمی کے نتیجے میں گنہگار کو برزخ ہی میں یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا حساب صاف ہو جاتا ہے یعنی اس کے گناہوں کے زیر اثر اس کے رنج و عذاب کی مدّت اس طرح تمام ہو جاتی ہے کہ جب وہ میدانِ حشر میں وارد ہوگا تو اس کے گناہوں کے اثرات اس کے ہمراہ نہ ہوں گے۔ اور اس مطلب کے شواہد بعض گذشتہ داستانوں کے ضمن میں نقل ہو چکے ہیں۔

مزید تائید و تاکید کے لئے اس مقام پر صرف ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ بحار الانوار میں کافی سے امام جعفر صادق علیہ السّلام کی یہ روایت منقول ہے کہ حضرت

رسولخدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے زمانے میں ایک شخص نزع کے عالم میں تھا لوگوں نے آنحضرتؐ کو خبر دی تو آپ اپنے ایک اصحاب کے ساتھ اس کے سرہانے تشریف لے گئے، وہ محتضر بیہوشی کے عالم میں تھا۔ رسولخداؐ نے فرمایا، اے ملک الموت! اسے مہلت دو تاکہ میں اس سے پوچھ لوں، وہ محتضر ہوش میں آگیا تو آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا، تم کیا دیکھ رہے ہو؟ اس نے عرض کیا، بہت سی سفیدیاں اور بکثرت سیاہیاں دیکھ رہا ہوں۔ (یعنی لذّت بخش نورانی صورتیں اور وحشت انگیز تاریک شکلیں)۔ فرمایا! تم سے کون زیادہ قریب ہے؟ اس نے عرض کیا سیاہیاں فرمایا کہو! "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیَ الْکَثِیْرَ مِنْ مَعَاصِیْکَ وَاقْبَلْ مِنِّیَ الْیَسِیْرَ مِنْ طَاعَتِکَ"، اس نے یہ فقرے دہرائے اور پھر بیہوش ہو گیا۔ حضرت رسولخداؐ نے دوبارہ فرمایا، اے ملک الموت! اسے تھوڑی مہلت اور دو تاکہ اس سے کچھ اور دریافت کر لوں۔ وہ پھر ہوش میں آیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا، تم نے اب کیا دیکھا؟ اس نے عرض کیا پھر وہی سفیدیاں اور سیاہیاں ہیں۔ فرمایا، کون تم سے زیادہ نزدیک ہے؟ اس نے کہا سفیدیاں، رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا خدا نے اسے بخش دیا ہے۔

آخر میں حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا، کہ جب تم کسی کی حالتِ احتضار میں اس کے سرہانے موجود ہو تو اسے اس دعا کی تلقین کرو تاکہ وہ اسے پڑھ لے۔

(۱۲۲)

توسّل کی تاثیر

تقریباً چالیس سال قبل مدرسۂ دارالشفاء قم کے اندر ۲۵ رجب کی شب میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے توسل کے لئے علماء و فضلاء کی ایک مجلس منعقد کی گئی تھی جس میں میں بھی حاضر تھا۔ ان میں سے ایک بزرگوار نے فرمایا کہ جب نجف اشرف کے محلّہ مشراق کے رئیس (ان کا نام میں بھول گیا ہوں) کا انتقال ہوا تو میں نے خواب کے عالم میں اپنے کو روضۂ امیرالمومنین علیہ السّلام کے صحن مطہر میں دیکھا، درحالیکہ وہ حضرتؑ انتہائی جلالت کے ساتھ ایک منبر پر تشریف فرما تھے۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ رئیس محلہ کو جن کا ابھی تازہ انتقال ہوا تھا لایا گیا اس حالت میں ان پر دو نگہبان معیّن تھے۔ اور ان سے عذاب کے آثار ظاہر تھے جب وہ حضرت کے سامنے پہونچے تو آپ سے استغاثہ کیا اور شفاعت طلب کی۔ حضرتؑ نے فرمایا، کیا تم نے اپنی خطائیں اور گناہ فراموش کر دیئے۔؟ انھوں نے کہا آپ صحیح فرماتے ہیں۔ لیکن میں آپ پر اپنا حق رکھتا ہوں۔ کیونکہ میں آپ کے اور اہلبیت علیہم السّلام کے تمام ایام سرور میں اہل محلّہ کو جمع کر کے جشن مسرّت کی محفلیں منعقد کرتا تھا۔ اور ایّام عزا میں روضہ خوانی اور سینہ زنی کی مجلسیں بپا کرتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ فلاں فلاں امور انجام دیتا تھا۔

حضرتؑ نے فرمایا جو کچھ بھی کرتے تھے اپنے لئے کرتے تھے، تم چاہتے تھے کہ ریاست تمھارے قبضے میں رہے۔ اور تم ان ذرائع سے جاہ و شہرت حاصل کرو۔

انھوں نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیا اس کے بعد کہا، یہ درست ہے لیکن آپ خود جانتے ہیں کہ میں جان و دل سے آپ کا دوست دار اور آپ کے نام کی بلندی کا خواستگار تھا اور جس وقت کسی مجلس میں آپ کا نام تعظیم و تکریم میں لیا جاتا تھا میں شاد و مسرور ہو جاتا تھا۔

حضرتؑ نے ان کی تصدیق فرمائی اور انھیں گرفتار کرنے والوں سے فرمایا "خَلُّوْهُ" انھیں چھوڑ دو اجب پہرہ دار چلے گئے تو وہ بہت شاد و خرم ہوئے۔

ریاکاری کا عمل باطل ہے

خواب کی صحت و درستی کی علامتوں میں سے ایک اس کا فقہی قواعد اور شرع مقدس اسلام کے مسلّمہ مطالب کے مطابق ہونا ہے۔ اس خواب سے دو مطلب واضح ہوتے ہیں۔ اور دونوں قطعی مطالب میں سے ہیں۔

پہلا مطلب اس میّت کے ریائی اعمال کا باطل ہونا ہے، اور ہمارے مذہب کے مسلّم امور میں سے ہے۔ کہ جو عبادت بھی انجام دی جائے واجب ہو یا مستحب، جسمانی ہو یا مالی، مثلاً نماز روزہ، حج، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور اوراد اذکار، تلاوت قرآن، مشاہد مقدسہ کی زیارت، اہل بیت علیہم السّلام کے فضائل یا مصائب کا ذکر، حضرت سیّد الشہداء علیہم السّلام کے مصائب پر گریہ، ہر قسم کے واجب مالی اخراجات جیسے زکوٰۃ، خمس اور مستحب خرچ جیسے فقیروں کی دستگیری، اور مسجد یا ہسپتال کی تعمیر، اگر دلی مقصد لوگوں کے سامنے عمل کی نمائش کرنا، ان کی نگاہوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانا، اور عزّت و آبرو حاصل کرنا ہو تو وہ عمل باطل ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ یہ اس کی نیکیوں کے نامۂ اعمال میں درج نہ ہوگا۔ بلکہ آیات و روایات سے مستفاد یہ ہوتا ہے۔ کہ ریا کے ساتھ انجام پانے والا عمل حرام ہے اور گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل کتاب "گناہان کبیرہ" میں بیان ہو چکی ہے، اس مقام پر صرف اس آیہ مبارکہ پر غور کیا جائے۔ "وائے (یا دوزخ کے اندر ایک کنواں) ان نمازگزاروں پر جو اپنی نماز سے سہل انگاری کرتے ہیں۔ اور ریاکاری سے کام لیتے ہیں۔"[1]

پس اہل ایمان کو کوشش کرنا چاہیئے کہ ان کا عمل خالص ہو۔ نہ یہ کہ وہ ریا کے احتمال سے عمل ہی کو ترک کر دیں۔ جیسا کہ اس کے بعد والی ایک داستان میں اس کی جانب متوجہ

---

[1] فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَاءُوْنَ۔

کیا جارہا ہے۔

محبّت اہلبیتؑ کے بیشمار فوائد

دوسرا مطلب حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السّلام کی محبت کا فریضہ ہے۔ اہلبیتؑ پیغمبرؐ کی مودّت و محبت کا وجوب ضروریات اسلام میں سے ہے جنمیں سرفہرست حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی ذات ہے اور اس کی دلیلیں متعلقہ کتابوں میں مذکور ہیں اس مقام پر آیۂ مودّت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ "جسمیں ارشاد ہے۔ "کہدو کہ میں تم سے رسالت کے عوض میں کوئی اجر نہیں چاہتا سوا اپنے قرابت داروں کی محبّت کے۔"[1]

ضمناً جاننا چاہیئے کہ اس حکم سے اہلبیتؑ علیہم السّلام کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا بلکہ اس کے نتیجے میں ایسے فوائد ہیں جو خود مسلمانوں ہی کو پہونچتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ میں نے تم سے جو اجر طلب کیا ہے وہ خود تمھارے ہی لئے ہے۔"[2]

منجملہ ان فائدوں کے ان حضراتؑ کی شفاعت سے بہرہ مند ہونا ہے۔ اور اس بارے میں کثرت سے روائیتیں منقول ہیں، جنمیں سے بیشتر بحار الانوار جلد ۴ میں مذکور ہیں، اور بحار جلد ۱۵ کے اندر بھی اس موضوع کی روائیتیں نقل ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دوستانِ اہلبیت علیہم السّلام ان حضرات کی شفاعت سے فیضیاب ہوں گے اور انھیں خدا کی رحمت و مغفرت اپنے آغوش میں لے لیگی اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے۔

لیکن دوستوں اور محبّوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر چند وہ شفاعت کی بدولت گناہوں سے پاک ہو جائیں گے لیکن مخلص اور نیکوکار اشخاص کے اجر و ثواب سے محروم رہیں گے۔ مثلاً رئیس مذکور مرحوم ہر چند اپنی ریاکاریوں کے بُرے اثرات سے چھٹکارا پا گئے۔ لیکن اگر وہ اپنے اعمال اخلاص کے ساتھ انجام دیئے ہوتے تو کتنے ہی عظیم ثواب حاصل کرتے لیکن انھوں نے اپنے

---

[1] قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔
[2] قُلْ مَا سَئَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ۔

کو ان سے محروم کر لیا۔

یہ مطلب کتاب قلب سلیم کی بحث اخلاص میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اور اس مقام پر ایک حیرت انگیز داستان کے نقل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

عمل خالص کی فریاد رسی

ایک صاحب معرفت و بصیرت و مکاشفہ (یعنی برزخی امور کا مشاہدہ) بزرگ ایک ایسے شخص کے سرہانے پہونچے جو احتضار اور سکرات موت کے عالم میں تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کا برزخی بدن سر سے پاؤں تک کثافت اور آلودگی میں غرق ہے۔ اور گندے کردار اور گناہ گاری کے آثار اس سے ظاہر ہیں۔ اس منظر سے انھیں سخت صدمہ ہوا۔ اور انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ افسوس ہے اگر یہ بیچارہ اسی حالت میں مَر گیا تو برزخ میں اس پر کیا گزریگی اس موقع پر ایک غیبی آواز سنائی دی کہ اس بندے کا ہمارے پاس ایک حق ہے اور اسوقت ہم اس کی مدد کریں گے۔ ناگاہ انھوں نے دیکھا کہ پانی کے مانند ایک چیز نے اسے سر سے پاؤں تک گھیر لیا۔ اسکی تمام کثافتیں دھل گئیں اور اس کا برزخی جسم ایک بلّور کے ٹکڑے کی طرح صاف و شفّاف اور درخشاں ہو گیا۔ اس کے بعد ملک الموت نے اس کی روح قبض کی اور وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ انھوں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ انھیں اس کی خبر دیجائے کہ اس میّت کا اپنے خدا پر کون سا حق ہے۔ کہ وہ اس طرح سے اس کی فریاد کو پہونچا۔

انھوں نے رات کو عالم خواب میں میّت کی کی روح کو دیکھا۔ اور اس سے سوال کیا تو اس نے جواب میں کہا، میں دنیا کے اندر حکومت کی بارگاہ میں بہت باعزّت اور بااثر تھا۔ ایک روز ایک مظلوم کے لئے سزائے موت کا حکم دیا گیا جب کہ مجھ کو اس مظلومیت اور بے گناہی کا یقین تھا۔ جب اسے سزائے موت دینے کا قصد کیا گیا تو میں نے ایسا نہ کرنے دیا، اور پھر اس کی بے گناہی کو ثابت کیا۔ یہاں تک کہ اسے رہائی حاصل ہوئی۔

چونکہ یہ کام میں نے صرف خدا کے لئے انجام دیا تھا۔ اور علاوہ اس کے کوئی دوسرا مقصد پیشِ نظر نہیں تھا لہٰذا میری موت کے وقت جیسا کہ تم نے مشاہدہ کیا خدا نے مجھے پاک کر کے موت دی۔ (اِنَّ اللہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلاً")۔

سب خدا کے حساب میں ڈالو

اسی مناسبت سے آپ کو حضرت سید الشہداء علیہ السّلام کے ارشاد کی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس وقت حبیب ابن مظاہر اور بعض دیگر شہداء کی شہادت واقع ہوئی تو فرمایا۔ "اَحْتَسِبُہٗ عِنْدَ اللہِ" یعنی میں اس مصیبت کو خدا کے حساب میں ڈالتا ہوں۔ اور اپنے شیر خوار بچّے کی مصیبت میں فرمایا "یہ چیز مجھ پر مصیبت کو آسان بناتی ہے۔ کہ یہ خدا کی نظر میں ہے"۔

خلاصہ یہ کہ مومن کو چاہیئے کہ اپنی عبادتوں، خیر و خیرات، سر گزشتوں، اور مصیبتوں کو خدا کے حساب میں ڈال دے اور خدا کے حساب میں ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ جو کچھ بجا لایا ہے اسے فراموش کر دے اور بار بار اس کا ذکر نہ کرے کیونکہ اس کی یاد اور تذکرے میں سمعہ (دوسروں کو سنانا) اور حساب خدا سے خارج ہو جانے کا خطرہ ہے۔ (اس کتاب کی تفصیل کتاب گناہانِ کبیرہ اور قلب سلیم میں موجود ہے)۔

جیسی کہ خدا کے حساب میں ہونے کے نشانی مصیبت پر صبر، بیتابی نہ کرنا، اور قضائے الٰہی پر ایراد و اعتراض نہ کرنا ہے۔ خدا ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اسی کی ذات سے واسطہ رکھیں۔

---

(۱۲۳)

بلندی سے گرنا

مخلص متقی اور صفیّ زکی مرحوم حاج غلام حسین تمباکو فروش رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً چالیس سال قبل بیان کیا کہ میں آیت اللہ سیّد ابوطالب مرحوم سے ارادت و عقیدت رکھتا تھا اور راتوں کو مسجد معرکہ خانہ (موجودہ مسجد نور) میں ان کی جماعت میں حاضر ہوتا تھا۔ اسی مسجد کے اندر ایک مدّت تک عصر کے بعد نماز مغرب تک مومنین کے مجمع کے سامنے چند مسائل بیان کرنے کے بعد ائمہ علیہم السّلام کے کچھ معجزات کتاب سے پڑھتا رہا۔ بتدریج حاضرین کی تعداد بڑھتی رہی یہاں تک کہ میری نیت میں وسوسے کی کیفیت پیدا ہو گئی اور میں ریا کاری، خلق خدا کے سامنے نمائش اور لوگوں کی نگاہوں میں عزّت و منزلت حاصل کرنے کے جذبے سے سخت خوفزدہ ہو گیا۔ اور چونکہ مجھے اپنے عمل کے خالص ہونے میں شک تھا۔ لہٰذا اس مجلس کو ترک کر دیا۔

ایک رات میں نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ میرے لئے ایک نور کی سواری حاضر کی گئی اور میں اس پر سوار ہو گیا اس کے بعد وہ آسمانوں کی جانب نور کی سرعت سے روانہ ہو گئی۔ اس پرواز اور خلقت کے عجیب مناظر کے مشاہدے کے دوران جو بہجت و سرور اور لذّت مجھے حاصل ہو رہی تھی وہ طاقت بیان سے باہر ہے۔ یہاں تک کہ میں ساتویں آسمان پر پہونچ گیا۔ دفعتہً وہ سواری مجھ سے الگ ہو گئی میں اسی مقام سے نیچے گرنے لگا یہاں تک کہ مسجد معرکہ خانہ کے وسط میں آ گرا۔ انتہائی سختی و زحمت اور غم و غصّہ کے عالم میں اسی موقع پر ایک آواز سنی تمھارا صعود (اوپر کی طرف جانا) اسی جگہ سے تھا۔ اور تمھارا سقوط (نیچے گرنا) بھی اسی جگہ ہے اگر تم پھر اوپر جانا چاہتے ہو تو اسی جگہ سے جا سکتے ہو۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو اپنی غلطی پر متنبّہ ہوا۔ اور اس مجلس وعظ کو ترک کرنے پر اپنے کو ملامت کی، اس کے بعد عہد کیا کہ یہ سلسلہ

دوبارہ قائم کروں گا۔ چنانچہ روزانہ اسی عصر کے موقع پر مسجد پہونچنے لگا، لیکن مجمع یکجا نہیں ہوتا تھا۔ اور لوگوں میں وہ شوق پیدا نہیں ہوا۔ خلاصہ یہ کہ مجھے دوبارہ اس شوق کی توفیق نہیں ہوئی اور میں اس عظیم فیض سے محروم ہوگیا۔

توفیق کو غنیمت سمجھو

یہ داستان نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ ایک عقلمند مومن کو جس وقت کارِ خیر کی توفیق نصیب ہو تو چاہیئے کہ اس نعمت کو عظیم سمجھے، اس کی قدر دانی کرے اس کو قائم رکھنے کی کوشش کرے، اس کے زوال اور سلب ہونے سے خوفزدہ رہے۔ اور اس کے لئے خدا سے پناہ طلب کرے۔ مثلاً اگر سحر کے وقت اٹھنے کی توفیق حاصل ہو جائے تو اسے ہاتھ سے نہ جانے دے اور اگر کسی شب میں اذان صبح تک نیند سے بیدار نہ ہو تو نماز واجب ادا کرنے کے بعد اس کی قضا کرے یا مثلاً تلاوت قرآن مجید یا کسی دعا کو روزانہ ورد کرتا ہو۔ تو اسے ترک نہ کرے۔ یا روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ کچھ پیسے خیرات دینے میں خرچ کرتا ہو تو اس کی پابندی رکھے اور اس توفیق کو ضائع نہ ہونے دے۔ اسی طرح دینی مجالس قائم کرنے اور ان میں حاضر ہونے کی توفیق ہے۔ اسی بنا پر روائتوں پر حکم دیا گیا ہے۔ کہ عمل خیر کو مستقل طور پر انجام دیا جائے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی چیز جو برابر قائم رہے اس زیادہ چیز سے بہتر ہے جس میں دوام نہ ہو[1]

اس مطلب کے شواہد کثرت سے ہیں۔ یہاں صرف ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے۔ کتاب کافی میں صحیح سند کے ساتھ یعقوب الاحمر سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے عرض کیا، کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں مجھ پر مصیبتوں اور پریشانیوں نے ہجوم کر لیا ہے۔ (اور روایت کے دوسرے نسخے میں ہے کہ مجھ کو قرض نے بہت پریشان کر رکھا ہے) اس حد تک کہ ہر خیر و نیکی کو میرے ہاتھوں سے چھین لیا ہے۔ اور اس سے زیادہ

---

[1] قَلِیْلٌ یَدُوْمُ خَیْرٌ مِنْ کَثِیْرٍ یَزُوْلُ۔

کیا ہوگا۔ کہ قرآن مجید کا ایک حصّہ بھی میری یاد داشت سے محو ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس گزارش کے دوران جب بات قرآن تک پہونچی تو حضرت ہراساں ہو گئے۔ اور فرمایا "درحقیقت اگر کوئی شخص قرآن مجید کے کسی سورے کو یاد کرنے کے بعد بھول جائے تو وہ قیامت کے روز اس کے پاس آئے گا۔ یہاں تک کہ بہشت کا ایک درجہ بھی اس کے سامنے ظاہر ہوگا۔ پس وہ اسپر سلام کرے گا۔ یہ جواب دے گا اور پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ وہ کہے گا کہ میں فلاں سورہ ہوں جسے تم نے ضائع کیا اور ترک کر دیا۔ اگر تم نے مجھے ترک نہ کیا ہوتا تو میں تمھیں اس درجے تک پہونچاتا اس کے بعد فرمایا قرآن سے وابستہ رہو اور اسے سیکھو، دراصل کچھ لوگ قرآن کو شہرت کے لئے یاد کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص حافظ قرآن ہے۔ اور اس مقصد سے قرآن سیکھنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ البتہ کچھ لوگ اسے یاد کرتے ہیں اور شب و روز اس پر کاربند بھی رہتے ہیں۔ اور اس کی فکر نہیں کرتے کہ کوئی یہ بات جانتا ہے یا نہیں"۔

بے اخلاصی کا خوف اخلاص کی علامت ہے

یہ بات بھی ضروری ہے کہ اگر انسان کوئی نیک عمل انجام دینا چاہے تو اسے چاہیئے کہ عمل سے قبل اخلاص اور اپنی نیت درست کرنے کی کوشش کرے اس کے بعد اسے بجالائے۔ نہ یہ کہ اخلاص کے بارے میں وسوسہ پیدا ہونے سے عمل ہی کو ترک کر دے اور شیطان کو اپنے سے خوشنود کرے۔ بلکہ یہی اخلاص نہ ہونے کا خوف اخلاص کے ایک درجے کی دلیل ہے۔ اگر اسی خوف و ہراس کی حالت میں اخلاص کے لئے خدا سے مدد طلب کرنے کے بعد عمل شروع کرے تو یقیناً درست ہے بعض اکابر علماء کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ نماز کے وقت سے پہلے کافی دیر تک تنہا بیٹھتے تھے اور اپنی موت عالم برزخ کی گھاٹیوں اور کٹھن منزلوں اور قیامت کے سخت مراحل پر غور کرنے کے بعد اپنے حال پر گریہ کرتے تھے پھر مسجد میں آکر نماز جماعت ادا کرتے تھے اس طریقۂ کار سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا خدا کے لئے اور اسی کی یاد میں ہو۔ اور مومنین اور ان کی جمعیت کی جانب قطعاً کوئی توجہ نہ ہو۔

(۱۲۴)

دوسرے عالم میں حسینی سلطنت

مرحوم آقائی سید محمد تقی گلستاں (مدیر روزنامۂ گلستاں) نے نقل کیا ہے کہ جوانی کے اوائل میں ہم چند ہم عمر ہم خیال اور ہم مشرب افراد تھے (انھوں نے ان کے نام بھی بتلائے تھے لیکن میں بھول گیا۔) جن کا ایک دورہ ہوا کرتا تھا ہم سب مل کے ہر رات کسی ایک دوست کے گھر جاتے تھے۔ اور ان میں سے ایک کے والد حسینی تھے یعنی حضرت سید الشہداء علیہ السّلام سے شدید عقیدت رکھتے تھے۔ اور عزاداری نیز حضرتؑ پر گریہ کرنے میں بے اختیار ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک شب جب ان کے بیٹے کے یہاں مہمانی کی باری تھی تو انھوں نے کہا۔ میں راضی نہیں ہوں کہ آپ لوگ میرے گھر آئیں سوا اس صورت کے کہ ایک روضۂ خوان بھی آئے اور حضرت سید الشہداء کا ذکر بھی کرے۔ چنانچہ جس رات میں اس رفیق کی باری ہوتی تھی، ہماری نشست روضہ خوانی اور عزاداری پر تمام ہوتی تھی۔ چند روز کے بعد ان محترم بزرگ نے انتقال کیا اور ان کی موت نے ہم سب کو سخت صدمہ پہونچایا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے انھیں خواب میں دیکھا اور مجھے یاد آگیا کہ وہ مر چکے ہیں۔ اور جو شخص مردے کا انگوٹھا پکڑ کے اس سے کچھ پوچھے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے۔ لہٰذا میں نے ان کا انگوٹھا پکڑ لیا اور کہا، کہ جب تک آپ موت کے وقت سے ابتک کے اپنے حالات مجھ سے بیان نہیں کریں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔

ان پر خوف اور شدید لرزے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور کہا کہ یہ نہ پوچھو اسے بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جب میں ان کے حالات سننے سے مایوس ہو گیا تو کہا، آپ نے اس عالم میں جو کچھ سمجھا ہے وہی بتائیے تاکہ میں بھی اس کا شعور حاصل کر سکوں۔ انھوں نے کہا امام حسین علیہ السلام کو جن کی ہم دنیا میں یاد مناتے تھے، ہم نے پہچانا ہی نہیں، جب میں یہاں آیا تو ان کے مقام و منزلت

اور عزّت و سلطنت کا مشاہدہ کیا۔ اور اس کی بھی وہ عظمت ہے کہ میں سمجھا نہیں سکتا۔ سوا اسکے کہ تم خود اس عالم میں آؤ اور دیکھو۔

بالاتر مراتب کو سمجھنا ممکن نہیں

اس مقام پر دو مطلب سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اولاً ارواح کس لئے ان زندوں کے سامنے جو عالم خواب میں ان سے ربط پیدا کرتے ہیں عالم برزخ کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے گریز کرتی ہیں اور اس سوال پر لرزہ بر اندام ہو جاتی ہیں اور دوم برزخ اور قیامت میں حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کے مقام و منزلت کا بیان۔

پس ہم پہلے مطلب کے بارے میں کہیں گے کہ ہر صاحب فہم و ادراک کے ادراکات اس کے مرتبے کے اندر منحصر اور محدود ہیں۔ اور یہ محال ہے کہ اس سے بالاتر مرتبے کو جو اس کی نسبت سے دوسرا عالم ہے ادراک کرے اور سمجھ لے۔

ایک دانشمند نے اس موقع پر غیبی موجودات کے بارے میں بشری ادراکات کے لئے ایک مثال دی ہے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ایک چیونٹی ایک بیابان میں رینگ رہی ہو یہاں تک کہ ایک ٹیلی فون کے راڈ تک پہونچ جائے۔ تو وہ اس راڈ کو صرف ایک جسم کی حد تک محسوس کر سکتی ہے۔ یہ لکڑی ہے پتھر یا لوہا نہیں۔ تو پھر یہ سمجھنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے کہ اس لکڑی کے اوپر ایک ایسی دھات ہے جو دو شہروں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ اور اس کے وسیلے سے ہزاروں اشخاص بڑے بڑے کام انجام دیتے ہیں۔

اسی طرح انسان جب تک مادّی زندگی کی قید میں ہے اس کے لئے ناممکن ہے کہ جس طرح ہونا چاہیے عالم ماورائے طبیعت اور عالم ملکوت میں دخل دے سکے اور ارواح، عالم جزا، اور ثواب و عقاب کی کیفیت کا ادراک کر سکے۔

خواب ایک مختصر روحانی عمل ہے

اگر کہا جائے کہ حالت خواب میں روح ایک حد تک بدن سے فاصلہ اختیار کر لیتی ہے

لہٰذا اس کے لئے برزخی امور کے ادراک میں کوئی مانع نہ ہونا چاہیئے۔ پس کس لئے مُردے انھیں بیان کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ اولاً روح حالت خواب میں بدن سے مکمل قطع تعلق نہیں کرتی۔ اور ثانیاً جو کچھ وہ خواب میں معلوم کرتی ہے اس کی قوت متخیّلہ اس مفہوم کو دنیاوی اور مادّی ادراکات کے مُطابق جو اس کا موجودہ مرتبہ ہے درک کرتی ہے اور جب وہ بیدار ہوتی ہے تو اس کا وہی تخیّلی مدرک اس کے حافظے میں باقی رہتا ہے اور یہی سبب ہے کہ بہت سے خواب پر اسرار اور تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔

بچّے کے سامنے ازدواجی حالات کا بیان

مطلب واضح ہونے کی غرض سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے اگر کوئی ماں اپنے تین چار سال کے بچّے کے سامنے شادی بیاہ جشن مسرّت کے لوازم، دلہن کے حُسن و جمال، انواع و اقسام کی غذاؤں اور طرح طرح کے میووں اور شیرنیوں کے اہتمام کے بارے میں تفصیلات بیان کرے۔ تو بچّے کی نظر میں وہی گڑیا آجائے گی جو بچّے کی ماں نے اس کے لئے خریدی ہے، اور صرف مختصر سی شیرینی کا تصور بھی ہوگا۔ جس کا ذائقہ وہ چکھ چکا ہے زیادہ سے زیادہ اس میں کچھ اضافہ ہو جائے گا۔ آیا ممکن ہے کہ بچّہ شب زفاف کے کیفیات کو محسوس کرے وہ تو فقط گڑیا کو اپنی بغل میں لینے کے لطف اور سرور سے آشنا ہے۔ اسی طرح حور العین اور برزخ و بہشت کی دیگر لذتوں کی توصیف کا حال ہے اس شخص کے لئے جو عالم طبیعت میں مقیّد اور محصور ہے اور یہی صورت برزخ اور قیامت کی اذیتوں، شکنجوں اور سختیوں کے بیان کی ہے۔ اس شخص کے لئے جو ابھی دنیا میں ہے وہ ان میں سے کسی شے کا ادراک نہیں کر سکتا سوا عالم دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں کے درحالیکہ ان کا انداز ہی جداگانہ ہے اور وہ یہاں کے مقابلے میں ہزاروں درجے بالاتر اور شدید تر ہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیا کیا پوشیدہ اور ذخیرہ کیا گیا ہے ان چیزوں میں جو ان کی روشنیٔ چشم کی باعث ہوں گی"۔[1]

---

[1] وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔

حسینی منزلت کا ادراک علم سے وابستہ ہے

اور دوسرا مطلب یعنی برزخ میں حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کا مقام و مرتبہ تو اس سلسلے میں جیسا گزر چکا ہے انسان جب تک دنیا میں مادّی بدن کے ساتھ اور طبیعت کا اسیر ہے سوا دنیوی حالات اور طور طریقوں کے اور کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ اگر دنیا کی محبّت میں غرق ہو جائے تو عوام بالا اور ماوراء طبیعت یعنی برزخ اور قیامت کا بھی انکار کر دیتا ہے۔ بلکہ اس عالم کے معاملات کا مذاق بھی اڑانے لگتا ہے اسی کے بالمقابل جو شخص دنیا کی کشش سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور معرفت و محبّت الٰہی کے عوالم سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ وہ دنیوی زندگی کو ناچیز اور لہو و لعب سمجھتا ہے۔ اور چونکہ اپنی سعادت اور نیک بختی کا کمال ان عالموں کے مشاہدے میں پاتا ہے لہٰذا موت کا مشتاق اور اس عالم سے خلاصی کا خواہشمند ہو جاتا ہے۔ برزخ اور قیامت کے حالات و خصوصیات میں سے ایک حضرت ، ، سیّد الشہداء علیہ السّلام کے مرتبے کا ظہور بھی ہے یعنی جب تک کوئی شخص اس عالم میں وارد نہ ہو حضرت کی وجودی ہمہ گیری، احاطۂ علمی، اور مشیت و سلطنت الٰہی میں نفوذ کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اور فی الحال سوا اس کے کوئی راستہ نہیں ہے کہ اجمالی طور سے تصدیق کرے اور اس کی حقیقت سمجھنے سے اپنی عاجزی کا اعتراف کرے۔

اسی مناسبت سے حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کے برزخی محلّ و مقام کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السّلام کے ارشادات میں سے ایک حصّہ نقل کیا جاتا ہے۔

کتاب نفس المہموم میں صحیح سند کے ساتھ حضرت صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "حسین علیہ السّلام اپنے ماں باپ اور بھائی کے ساتھ حضرت رسولخداؐ کی منزلت میں ہیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ انھیں (اس عالم اور اس مقام کی مناسبت سے) رزق پہونچتا ہے اور آپ پر خدا کی نعمت و کرامت کا نزول ہوتا ہے۔

حق یہ ہے کہ حسین علیہ السّلام عرش کی داہنی جانب موجود ہیں اور کہتے ہیں پروردگارا! مجھے عطا فرما وہ شے جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ (یعنی شفاعت) اور اپنی قبر کی زیارت کرنے

والوں کی طرف نظر ڈالتے ہیں، پس آپ ان سے ان کے اور ان کے باپوں کے ناموں سے، نیز جو کچھ ان کے ہمراہ ہے اس سے کہیں زیادہ واقف ہیں۔ اس واقفیت سے جو ان میں سے کسی کو اپنے بیٹے کے بارے میں حاصل ہے

اور آپ اس شخص پر بھی نظر فرماتے ہیں جس نے آپ پر گریہ کیا ہے اس کے لئے بخشش طلب فرماتے ہیں اور اپنے پدر بزرگوار سے بھی خواہش کرتے ہیں کہ اس کے لئے مغفرت طلب کریں نیز فرماتے ہیں کہ اے مجھ پر رونے والے اگر تو اس اجر و ثواب کو جان لیتا جو خدا نے تیرے لئے مہیا فرمایا ہے تو تیری مسرت و شادمانی تیرے غصے اور غم و اندوہ سے بڑھ جاتی ہے۔ پھر اس کی ہر خطا اور گناہ کے لئے مغفرت چاہتے ہیں۔" [۱]

---

[۱] إِنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ مَعَ أَبِيهِ وَأُمِّهِ وَأَخِيهِ فِي مَنْزِلِ رَسُولِ اللهِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ وَمَعَهُ يُرْزَقُونَ وَيُحْبَرُونَ وَإِنَّهُ لَعَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ مُتَعَلِّقٌ بِهِ يَقُولُ يَا رَبِّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي وَإِنَّهُ لَيَنْظُرُ إِلَى زُوَّارِهِ فَهُوَ أَعْرَفُ بِهِمْ وَبِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ وَمَا فِي رِحَالِهِمْ مِنْ أَحَدِهِمْ بِوَلَدِهِ وَإِنَّهُ لَيَنْظُرُ إِلَى مَنْ يَبْكِيهِ فَيَسْتَغْفِرُ لَهُ وَيَسْأَلُ أَبَاهُ الْاِسْتِغْفَارَ لَهُ وَيَقُولُ أَيُّهَا الْبَاكِي لَوْ عَلِمْتَ مَا أَعَدَّ اللهُ لَكَ مِنَ الْأَجْرِ لَفَرِحْتَ أَكْثَرَ مِمَّا حَزِنْتَ وَإِنَّهُ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَخَطِيئَةٍ۔

(نفس المہموم)

(۱۲۵)

سچّا خواب اور اعمال کے اثرات

تیس سال سے زیادہ مدّت گذری شیخ محمد حسن نام کے ایک روضۂ خوان تھے جو اپنی عمر کے آخری چند برسوں میں ایک حرام مشغلے میں سرگرم رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک نیک شخص نے انھیں خواب میں دیکھا کہ وہ برہنہ ہیں، ان کا چہرہ سیاہ ہے اور آگ کے شعلے ان کے منھ اور باہر لٹکی ہوئی زبان سے بلند ہو رہے ہیں۔ ان کی حالت اسقدر وحشتناک تھی کہ انھوں نے اسے دیکھ کے فرار اختیار کیا۔

چند گھنٹے گزرنے کے بعد اور بعض عوالم طے کرنے کے بعد انھیں پھر دیکھا۔ لیکن اب وہ ایک فرحت بخش فضا کے اندر اس حال میں تھے کہ ان کا چہرہ روشن تھا۔ لباس پہنے ہوئے تھے اور خوش و خرم حالت میں منبر کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ان کے قریب گئے اور پوچھا تم شیخ حسن ہو؟

انھوں نے کہا ہاں۔ انھوں نے پوچھا تم وہی ہو جو اس عذاب اور شکنجے کے عالم میں تھے انھوں نے کہا ہاں۔ اس پر ان کی کیفیت میں انقلاب آنے کا سبب دریافت کیا۔ تو انھوں نے کہا وہ پہلی حالت ان اوقات کے عوض میں تھی جب میں دنیا کے اندر فعل حرام میں مشغول تھا اور یہ اچھی حالت ان ساعتوں کے جواب میں ہے جب میں اخلاص کے ساتھ سید الشہداءؑ کا ذکر کرتا۔ اور لوگوں کو رُلاتا تھا۔ جب تک میں اس مقام پر ہوں انتہائی خوشحالی، آرام و آسائش میں ہوں۔ جب وہاں جاؤں گا تو اسی حال میں ہوں گا، جسے تم دیکھ چکے ہو۔ انھوں نے کہا جب ایسا ہے تو منبر سے نیچے ہی نہ آؤ، اور وہاں نہ جاؤ، انھوں نے کہا یہ ممکن نہیں۔ مجھے لے جائیں گے۔

اس خواب کی صداقت کی گواہ آیۂ مبارکہ "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ

تَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ" ہے۔ یعنی جو شخص ایک ذرّے کے ہموزن نیک کام کرے گا، اسے دیکھے گا۔ اور جو شخص ایک ذرّے کے برابر فعل بد انجام دے گا اسے دیکھے گا۔ واضح رہے کہ یہ اس کی برزخی حالت ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اوقات گناہ کے سلسلے میں عذاب کا استحقاق تمام ہو جائے۔ یا یہ کہ اہلبیتؑ علیہم السّلام کی شفاعت سے نجات پائے۔ چونکہ وہ ایمان رکھتا ہو گا اور اس کا دل محبت اہلبیتؑ سے خالی نہ ہو گا لہذا آخر کار نجات و راحت والوں سے جا ملے گا۔

---

(۱۲۶)

چشمہ بند کرنے سے کور چشمی

ایک صاحب علم اور متّقی بزرگ نے نقل فرمایا کہ ان کے ایک عزیز نے اپنی عمر کے آخری دور میں ایک جائیداد خریدی تھی اور اس کی بھرپور آمدنی کے ذریعے زندگی بسر کرتے تھے۔ انکی موت کے بعد انھیں خواب میں دیکھا گیا کہ وہ آنکھوں سے اندھے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ تم برزخ میں نابینا کیونکر ہو گئے۔؟ تو انھوں نے کہا میں نے جو جائداد خریدی تھی اس کی مزروعہ زمین کے وسط میں ایک شیریں پانی کا چشمہ تھا۔ اس کے قریب آباد بستی کے باشندے آکر اس کا پانی لیجاتے تھے۔ اور اپنے جانوروں کو بھی سیراب کرتے تھے چنانچہ ان کی آمد و رفت سے میری زراعت کا کچھ حصّہ پامال ہو جاتا تھا۔ میں نے اس معمولی سے نقصان سے بچنے کے لئے سوچا کہ یہ راستہ ہی مسدود کر دیا جائے۔ لہذا مٹّی، پتّھر اور چونے وغیرہ سے چشمے کو بند کر کے سکھا دیا، اور قرب و جوار کے لوگوں نے مجبوراً ایک دور کے چشمے سے پانی لانا شروع کیا۔ میرا یہ اندھاپن اُسی پانی کے چشمے کو بند کرنے کی وجہ سے ہے۔

ان سے دریافت کیا گیا کہ، آیا اس سے نجات کی کوئی صورت ہے؟ انھوں نے کہا اگر میرے وارث مجھ پر رحم کریں اور اس چشمے کو دوبارہ جاری کر دیں تاکہ اس کے قریب بسنے والے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں تو میری حالت بہتر ہو جائے گی۔

انھوں نے فرمایا کہ میں نے ان کے ورثہ کی طرف رجوع کیا اور ان لوگوں نے بھی اسے قبول کرتے ہوئے چشمہ کھول دیا۔ چند روز کے بعد میں نے دیکھا کہ مرحوم کی آنکھیں روشن ہیں اور وہ ہم لوگوں کے شکر گزار ہیں۔

انسان کو یہ جان لینا چاہیئے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے، "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" اگر اس نے کسی پر ظلم کیا ہے تو خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ نیکی کی ہے تو خود اپنے ساتھ نیکی کی ہے۔ اور اگر کسی کا سر قلم کیا ہے تو برزخی مواقف میں وہ خود بے سر ہوگا۔ اور جہنّم میں اس کا سر اور پاؤں ایک دوسرے سے لپیٹ کر باندھ دیئے جائیں گے۔

چنانچہ ارشاد ہے، "فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ"۔ یہی سبب تھا کہ حضرت زینب کبریٰؑ نے دربار یزید میں اس ملعون سے فرمایا تھا۔ وَمَا فَرَيْتَ اِلَّا جِلْدَكَ وَمَا قَطَعْتَ اِلَّا رَاْسَكَ"۔ یعنی تو نے صرف اپنی ہی جلد کاٹی ہے، اور صرف اپنا ہی سر جدا کیا ہے۔

---

(۱۲۷)

توفیق زیارت اور ضیافت

میں نے مکرّر سنا تھا کہ زمانے کے ایک نیک نفس انسان حاج محمد علی فشندی تہرانی حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالےٰ فرجہ کی خدمت میں مشرف ہو چکے ہیں اور ان سے متعدد واقعات منسوب ہیں۔ مجھے شوق پیدا ہوا کہ انھیں خود دیکھوں اور انھیں کی زبانی سنوں چنانچہ ماہ ربیع الثانی ۹۵ھ میں تہران کے اندر علمائے عاملین کے سردار حاج آقا معین شیرازی دامت برکاتہ سے اور انھیں کے ساتھ جناب حاج محمّد علی موصوف سے ملاقات کی۔ ان سے خیر و خوبی، صداقت اور محبّت اہلبیت علیہم السّلام کے آثار ظاہر تھے۔ میں نے آقائے حاج آقا معین سے خواہش کی کہ جو کچھ حاجی مذکور کہتے ہیں وہ اسے رقم فرمادیں۔ اب اس کتاب کے ناظرین کے فائدے کے لئے ان کی تحریر پیش کی جارہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(پہلی بار کی زیارت)

تقریباً بیس سال قبل ہم زیارت اربعین کی غرض سے عازم کربلا ہوئے یہ وہ موقع تھا جب ہر فرد سے گذرنامے (پاسپورٹ) کے لئے چار سو تومان وصول کئے جاتے تھے۔ جب میں گذرنامہ حاصل کر چکا تو میری اہلیہ نے کہا، کہ میں بھی چل رہی ہوں۔ میں اس بات سے ناراض ہوا کہ پہلے سے کیوں نہیں بتایا تھا؟ خلاصہ یہ کہ ہم نے بغیر گذرنامے کے سفر شروع کیا۔

ہمارا قافلہ پندرہ افراد پر مشتمل تھا، جنمیں چار مرد اور گیارہ عورتیں تھیں۔ ان میں ایک سیدانی بھی تھیں جو میرے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی قرابت دار تھیں اور ان کی عمر ۱۰۵ سال تھی۔ ہم نے انھیں بہت زحمت کے ساتھ سفر کرایا۔ اور گذرنامہ نہ رکھنے کے باوجود اہلیہ کو ایران و عراق کی دونوں سرحدوں سے سہولت کے ساتھ گذار کے اربعین سے قبل کربلائے معلّٰی سے مشرف ہوگئے۔ اربعین کے بعد نجف اشرف سے مشرف ہوئے اور ۱۰ ربیع الاول کے بعد کاظمین اور سامراء کا قصد کیا۔

وہ دو مرد جو سیدانی کے اعزاء میں سے تھے انھیں اپنے ہمراہ لے جانے سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ ہم انھیں اپنی واپسی تک کے لئے نجف میں چھوڑ دیں گے میں نے کہا، انھیں لیجانے کی زحمت میرے ذمّے ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ روانہ ہوگئے۔ کاظمین کے ریلوے اسٹیشن پہ سامراء جانے والے مسافروں کا بہت ہجوم تھا۔ اور کرکوک موصل سے آنے اور بغداد جانے والی ٹرین کے منتظر تھے۔ کہ وہ جب بغداد سے واپس ہوگی تو ہم لوگوں کو لے جائے گی۔ اس کثیر مجمع کی موجودگی میں ٹکٹ اور سیٹ حاصل کرنا بہت مشکل تھا۔

دفعتہً ایک عرب سید جو ایک سبز رنگ کی شال کمر سے لپیٹے ہوئے تھے ہمارے قریب آئے اور کہا، حاج محمد علی سلام علیکم! تم لوگ ۱۵، نفر ہو؟ میں نے کہا ہاں، انھوں نے فرمایا تم اسی جگہ ٹھہرو، اور یہ ۱۵ ٹکٹ لو، میں بغداد جا رہا ہوں۔ نصف گھنٹے کے بعد ٹرین کے ساتھ واپس آؤں گا۔ اور تمھارے لئے ایک ڈبہ ریزرف کرا کے لیتا آؤنگا تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس کے بعد ٹرین کرکوک سے آئی اور سید سوار ہو کے چلے گئے، آدھے گھنٹے کے بعد ٹرین آئی تو مجمع نے ہجوم کر لیا۔ میرے رفیقوں نے جانا چاہا تو میں نے منع کیا لیکن انھیں قدرے ناگوار ہوا اور سب سوار ہوگئے۔

وہ سید آئے اور ہمیں ایک ریزرف بوگی میں سوار کیا، یہاں تک کہ ہم سامرا پہونچے ان سید آقا نے کہا، میں تمھیں سید عباس خادم کے یہاں لئے چلتا ہوں۔ چنانچہ ہم وہاں پہونچے تو میں نے سید عباس سے کہا، کہ ہم ۱۵ نفر ہیں اور دو کمرے چاہتے ہیں۔ ہم یہاں چھ روز قیام کریں گے۔ پس آپ کو کتنی رقم ادا کی جائے۔؟

انھوں نے کہا ایک بزرگوار سید خوراک اور زیارت خوانی کے تمام اخراجات کے علاوہ تمھارا چھ روز کا کرایہ بھی ادا کر چکے ہیں۔ میں تمھیں روزانہ دو بار سرداب اور حرم لیجاؤں گا۔ میں نے کہا سید کہاں ہیں؟ تو بتایا کہ وہ ابھی ابھی زینوں سے اتر کے نیچے گئے ہیں۔ میں نے ہرچند تلاش کیا لیکن پھر وہ نظر نہیں آئے۔

میں نے کہا میرے ذمّہ ان کا مطالبہ ہے انھوں نے ہمارے لئے چندہ ٹکٹ خریدے ہیں۔ انھوں نے کہا میں نہیں جانتا، وہ تمھارے تمام مخارج ادا کر چکے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ چھ روز بعد ہم کربلائے معلّٰی آئے۔ اور مرحوم آقا میرزا مہدی شیرازی کے پاس جا کے ان سے سارا ماجرا بیان کرنے کے بعد سید کا مقروض ہونے کے بارے میں دریافت کیا انھوں نے پوچھا تمھارے ساتھ سادات میں سے بھی کوئی شخص ہے؟ میں نے کہا ہاں ایک سیدانی ہیں۔ انھوں نے فرمایا وہ امام زمانہ علیہ السّلام تھے اور تمھیں اپنا مہمان بنایا ہے، حقیر کہتا ہے کہ "احتمال یہ بھی ہے کہ وہ ان رجال الغیب یا ابدال میں سے کوئی شخصیت رہی ہو۔ جو حضرتؑ کے ملازم ہیں۔"

سادات کے ساتھ احسان کی برکات

اس داستان کو نقل کرنے کی غرض سادات اور بالخصوص سیدانیوں کے سلسلۂ جلیلہ کے ساتھ نیکی اور احسان کی اہمیت بیان کرنا ہے۔ جو آخرت کے ثوابوں اور شفاعت کے علاوہ دنیوی اثرات اور ظاہری برکات کی حامل بھی ہے۔ جیسا کہ اس داستان سے واضح ہوتا ہے۔ کہ جب حاجی محمد علی نے ان سیدانی کے بارے میں ارادت اور احسان و خدمتگذاری کا ثبوت دیا تو کس طرح سے اس کی تلافی ہوئی۔ اور عباد صالحین، رجال الغیب، یا ابدال میں سے ایک فرد ان کی اور ان کے ہمراہیوں کی مدد کے لئے مامور ہوئی۔ اس کے بعد سامرا میں چھ روز تک ان کی ضیافت ہوئی۔ مرحوم آیت اللہ محمد مہدی شیرازی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی روشن ضمیری سے جان لیا کہ یہ الطاف ان میں سیدانی کے برکات تھے۔ ثقۃ الاسلام حاج میرزا حسین نوری نے کتاب کلمۂ طیبہ میں سلسلۂ سادات کے ساتھ احسان کی فضیلتوں اور برکتوں کے بارے میں

معتبر مدارک سے چالیس روائیتیں اور حکائیتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے تبرکاً ایک داستان نقل کی جاتی ہے۔

سادات کا قرض حضرت علیؑ کے حساب میں

متعدد سندوں کے ساتھ ابراہیم ابن مہران کا یہ بیان نقل ہوا ہے کہ کوفے کے اندر ابوجعفر نام کا میرا ایک ہمسایہ تھا جسوقت اس سے کوئی علوی اور سیّد کوئی چیز طلب کرتا تھا، اور فوراً اسے دیدیتا تھا، اگر اس کے پاس قیمت ہوتی تھی تو لے لیتا تھا ورنہ اپنے غلام سے کہتا تھا کہ یہ رقم علی ابن ابیطالب کے حساب میں لکھ دو۔ ایک طولانی مدّت تک اس کا یہ طرزِ عمل قائم رہا۔ یہاں تک کہ وہ فقیر و مفلس ہو کر خانہ نشین ہو گیا۔ وہ اپنے کاغذات میں تلاش کرتا تھا پس اگر یہ پاتا تھا کہ اس کا کوئی قرضدار زندہ ہے تو کسی کو اس کے پاس بھیج کر پیسوں کا تقاضہ کرتا تھا۔ اور اس طرح اپنا خرچ پورا کرتا تھا۔ اور اگر دیکھتا تھا کہ وہ مر چکا ہے اور اس کے ہاتھ خالی ہیں تو اس کے نام پر خط کھینچ دیتا تھا۔ انھیں ایّام میں ایک روز اپنے دروازے پر بیٹھا ہوا اپنے رجسٹر کا معائینہ کر رہا تھا، کہ ایک ناصبی (دشمن اہلبیتؑ) شخص کا ادھر سے گزر ہوا اس نے تمسخر اور طعنے اور شماتت کے طور پر کہا، کہ تمھارے سب سے بڑے قرضدار علی ابنِ ابیطالبؑ نے تمھارے ساتھ کیا کیا۔؟

ابوجعفر اس کی اس ناروا بات سے سخت آزردہ ہوا۔ اور اٹھ کے گھر کے اندر چلا گیا جب رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف فرما ہیں اور آپ کے ساتھ حسن و حُسین علیہم السّلام بھی ہیں۔ پس آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ تمھارے پدر بزرگوار، امیر المومنینؑ کہاں ہیں؟ دفعتاً وہ حضرتؑ بھی آ گئے اور کہا یا رسولؐ اللہ میں حاضر ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم اس شخص کا حق کس لئے ادا نہیں کرتے۔؟ امیر المومنینؑ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ یہ ان کا دنیوی حق موجود ہے جو میں اپنے ساتھ لیتا آیا ہوں۔ اس کے بعد انھیں سفید صوف، (پشمینہ) کا ایک کیسہ دیا اور فرمایا، یہ ہے تمھارا حق۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا، اسے لو اور اگر ان کی اولاد میں سے کوئی شخص تمھارے پاس آئے اور کوئی ایسی چیز طلب کرے جو تمھارے

پاس موجود ہو تو اسے محروم واپس نہ کرنا۔ اور اب اس کے بعد تمھارے لئے کوئی فقیری اور محتاجی نہ ہو گی۔

ابوجعفر نے بتایا کہ میں بیدار ہوا کہ تو وہ کیسہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اپنی زوجہ کو جگایا اور کہا۔ چراغ روشن کرو۔ جب شمار کیا تو اس میں ایکہزار اشرفیاں تھیں۔ پھر جب اپنے رجسٹر کا حساب کیا تو حضرتؑ کے نام پر بھی اتنی ہی رقم تھی۔ نہ کم نہ زیادہ۔

اور دوسری روایت کے مطابق دیکھا کہ حضرتؑ کے نام پر جو کچھ درج تھا وہ محو ہو چکا ہے۔

---

(۱۲۸)

زیارت کربلا کے مقدمات کی فراہمی

(دوسری داستان)

تقریباً بیس سال قبل میں ایک شب جمعہ میں آقا سیّد باقر خیاط اور دیگر چند اشخاص کے ہمراہ مسجد جمکران گیا۔ سب لوگ سو گئے لیکن میں اور بوڑھے ایک بزرگوار جاگ رہے تھے۔ جنھوں نے چھت کے اوپر ایک شمع روشن کر رکھی تھی۔ اور دعا پڑھ رہے تھے۔ میں نماز شب میں مشغول تھا کہ ناگاہ دیکھا کہ فضا روشن ہوگئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ چاند نکل آیا لیکن ہر چند غور کرنے کے باوجود چاند کہیں نظر نہیں آیا۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ تقریباً پانچ سو میٹر کے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے ایک جلیل القدر سیّد کھڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ نور انھیں آقا کا ہے۔

میں نے اُن پیر مرد سے کہا کہ آپ اس درخت کے کنارے ایک سیّد کو دیکھ رہے ہیں؟ انھوں نے کہا اندھیری رات ہے کوئی چیز نظر نہیں آرہی ہے۔ تمھیں شاید نیند آرہی ہے، جاؤ سو رہو میں نے جان لیا کہ وہ یہ منظر نہیں دیکھ رہے ہیں۔

میں نے ان سے کہا کہ آقا! میں کربلائے معلّٰی جانا چاہتا ہوں، لیکن نہ میرے پاس پیسے ہیں نہ پاسپورٹ۔ اگر آئندہ پنجشنبے کی صبح تک گزرنامہ (پاسپورٹ) اور پیسے فراہم ہوگئے تو میں جانوں گا کہ آپ امام زمانہ ہیں ورنہ سادات میں سے ایک فرد ہیں۔

ناگاہ دیکھا کہ وہ آقا موجود نہیں ہیں۔ اور فضا تاریک ہوگئی ہے۔ صبح کو میں نے اپنے رفیقوں سے یہ واقعہ بیان کیا، تو ان میں سے بعض نے میرا مذاق اُڑایا۔

وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ میں چہارشنبے کو علی الصباح ایک کام سے میدان فوزیہ پہونچا اور میری منزل دروازۂ شمیران تھی۔ میں ایک دیوار کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ اور بارش آنے والی تھی

ایک پیر مرد میرے قریب آئے جنھیں میں جانتا نہیں تھا۔ انھوں نے کہا، حاج محمد علی! کیا تم کربلا جانا چاہتے ہو۔ میں نے کہا، میں بہت خواہشمند ہوں۔ لیکن نہ میرے پاس پیسے ہیں نہ گزرنامہ۔ انھوں نے کہا تم دس عدد فوٹو اور دو عدد شناخت نامے کی نقلیں لے آؤ، میں نے کہا میں اپنے عیال کو بھی لیجانا چاہتا ہوں۔ تو کہا کوئی حرج نہیں ہے اس کے بعد میں فوراً اپنے گھر آیا اور فوٹو نیز شناخت نامے کی نقلیں جو میرے پاس موجود تھیں لے آیا۔ انھوں نے کہا کل صبح اسی وقت اور اسی جگہ آجانا میں دوسرے دن سویرے اسی مقام پر پہونچا تو وہی بزرگوار آئے اور پاسپورٹ عراق کا ویزا اور ساتھ ہی پانچ ہزار تومان مجھے دیکے چلے گئے۔ پھر اس کے بعد میں نے انھیں نہیں دیکھا۔

میں آقا سیّد باقر کے پاس گیا جہاں پر صلوات کا ختم جاری تھا۔ بعض رفقاء نے تمسخر کے طور پر کہا۔ کہ گذرنامہ مِل گیا؟ میں نے کہا ہاں، گذرنامہ نیز پانچ ہزار تومان ان کے سامنے رکھ دیئے، جب انھوں نے پاسپورٹ کی تاریخ پڑھی اور دیکھا کہ چہارشنبے کا دن درج ہے تو رونا شروع کر دیا، اور کہا کہ ہم اس سعادت سے محروم رہ گئے۔

(۱۲۹)

عالمِ احتضار میں دادرسی

حضرت حجۃ الاسلام آقائے حاج سید اللہ مدنی اپنے ایک خط میں اس طرح لکھتے ہیں کہ۔ "ایک (مذہبی) عید کا دن تھا۔ جب میں ظہر کے قریب مرحوم آیۃ اللہ حاج سید محمود شاہرودی (قدس اللہ نفسہ الزکیہ) کی زیارت کے لئے ان کے گھر پر گیا، باوجود اس کے کہ دیر ہو چکی تھی۔ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو چکی تھی۔ اور وہ جناب گھر کے اندر تشریف لے جا چکے تھے لیکن ازراہِ لطف و کرم پھر باہر تشریف لے آئے۔ بسلسلۂ گفتگو انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مرحوم عباچی کی ہمراہی میں ہم مقدس شہر کاظمین علیہم السّلام سے زیارت سامرا کے لئے پا پیادہ روانہ ہوئے حضرت سیّد محمد سلام اللہ علیہ کی زیارت کے بعد ہم نے ایک فرسخ (تقریباً تین ۳ میل) راستہ طے کیا ہوگا کہ آقائے عباچی بالکل بے حال ہو گئے۔ ان کی حرکت کی طاقت سلب ہو گئی۔ اور وہ زمین پر گر پڑے۔ انھوں نے مجھ سے کہا، چونکہ اب میری موت یقینی ہے نہ میں آگے جا سکتا ہوں نہ واپس ہو سکتا ہوں۔ اور تم سے میرا کوئی کام بھی انجام نہیں پا سکتا۔ اگر تم یہاں ٹھہرو گے تو اپنے نفس کو تہلکے میں ڈالنا ہوگا۔ اور یہ حرام ہے لہٰذا تم پر واجب ہے کہ یہاں سے روانہ ہو کر اپنے کو نجات دو اور چونکہ تم میرے لئے کچھ نہیں کر سکتے لہٰذا تم پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بہر حال میں نے بادل نخواستہ اور انتہائی افسوس کے ساتھ انھیں اسی جگہ چھوڑا اور اپنی تکلیف کے مُطابق وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جب دوسرے روز سامرا پہونچا اور مسافر خانے میں وارد ہوا تو ناگہاں دیکھا کہ آقائے عباچی مسافر خانے سے باہر آ رہے ہیں۔ میں نے سلام اور ملاقات کے بعد پوچھا کہ آپ مجھ سے پہلے یہاں کیوں کر پہونچ گئے؟ انھوں نے فرمایا، ہاں، جیسا تم نے کل دیکھا تھا میں مرنے کے لئے آمادہ تھا اور کوئی چارۂ کار میری نظر میں نہیں تھا۔ چنانچہ پاؤں سیدھے کر کے اور آنکھیں بند کر کے موت کا انتظار کرنے لگا۔ جس وقت ہوا چلنے کی آواز سنتا تھا تو اس خیال سے کہ حضرت ملک الموت ہیں ان کے

دیدار اور زیارت کے لئے فقط اسی وقت آنکھیں کھولتا تھا اور جب کوئی نظر نہیں آتا تھا تو پھر آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار قدموں کی آہٹ سُن کر آنکھ کھولی تو دیکھا ایک صاحب معمولی عربی لباس پہنے ہوئے اور ایک اُلاغ کی لگام تھامے ہوئے میرے پاس کھڑے ہیں انھوں نے مجھ سے میرا حال اور اس بیابان کے اندر زمین پر لیٹنے کا سبب دریافت کیا۔ تو میں نے جواب دیا کہ میرا سارا بدن درد کر رہا ہے۔ حرکت کی قدرت نہیں رکھتا اور موت کا منتظر ہوں، فرمایا اٹھو میں تمھیں پہونچا دوں۔ میں نے عرض کیا مجھ میں اٹھنے کی طاقت نہیں ہے۔ انھوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے اٹھا کے سوار کیا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ میرے بدن میں جہاں جہاں ان کا ہاتھ لگتا تھا، تکلیف بالکل دور ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ان کا دست مبارک تدریجاً تمام جسم تک پہونچا۔ اور سارے اعضاء اس طرح سے پر سکون ہو گئے گویا کوئی خستگی تھی ہی نہیں۔ وہ سواری کی لگام کھینچ رہے تھے۔ میں نے ہر چند اصرار کیا کہ سوار ہو جائیں لیکن قبول نہیں کیا۔ اور فرمایا کہ میں پیدل چلنے کا عادی ہوں۔ اسی دوران مجھے توجہ ہوئی کہ ایک سبز شال کمر سے لپیٹے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے نفس سے خطاب کیا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک سیّد اولاد رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پیدل چلے اور سواری کی لگام کھینچے اور تو سوار ہو۔ چنانچہ میں فوراً اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹ کے نیچے کود گیا۔ اور عرض کیا کہ آقا میری دلی خواہش ہے کہ آپ سوار ہو جائیں۔ اس موقع پر میں نے اپنے کو ایک مسافر خانے میں پایا، اور کسی دوسرے کا نام و نشان نہیں تھا۔

بتاریخ ۲۹؍ ربیع الثانی ۹۵ھ

اس داستان کی نظیر وہ داستان ہے جو آیۃ اللہ سید شہاب الدین مرعشی دامت برکاتہ (مرحوم) سے منقول ہے۔ اور ان کی تحریر کتاب "منتقم حقیقی" صفحہ ۵۱ پر درج ہوئی ہے اسے بصیرت میں اضافے کے لئے یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

(۱۳۰)

بیابان کے تھکے ماندے کی فریاد رسی

ایک سید جلیل جو اہل علم میں سے ہیں۔ اور جن کی صداقت، راستبازی اور تقویٰ میں کوئی شک شبہہ نہیں ایک بار پاپیادہ سامراء سے حضرت سید محمد کی زیارت کو جا رہے تھے اور راستہ بھول گئے تھے زندگی سے مایوس ہونے کے باوجود شدید موسم گرما کی باد سموم اور غیر معمولی بھوک پیاس کے اثر سے بیہوش ہو کے جلتی ہوئی زمین پر گر پڑے کچھ دیر کے بعد آنکھ کھلی تو اپنا سر ایک شخص کے دامن میں پایا، انھوں نے پانی کا ایک کوزہ ان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ سید کہتے ہیں کہ میں نے ایسا شیریں اور خوشگوار پانی اپنی زندگی بھر میں نہیں چکّھا تھا۔ انھیں سیراب کرنے کے بعد انھوں نے دستر خوان کھولا۔ اور ارزن کی (غلّہ کی ایک قسم) دو تین روٹیاں انھیں دیں۔ جب یہ کھا چکے تو اُن عرب نے کہا، اے سید اس نہر جاری میں نہا دھولو۔

سید کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے برادر! یہاں کوئی نہر نہیں ہے میں تو پیاس سے ہلاکت کے قریب تھا جب آپ میری مدد کو پہونچے۔

عرب نے فرمایا یہ ہے صاف و شفاف اور خوشگوار آب جاری۔ یہ کہتے ہیں کہ ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی میں متوجہ ہوا۔ اور دیکھا کہ ایک صاف پانی کی نہر بہہ رہی ہے۔ میں نے تعجب کیا کہ نہر اس قدر قریب ہے اور میں پیاس سے مر رہا تھا۔ الحاصل عرب نے فرمایا اے سید! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا، حرم سید محمد، انھوں نے فرمایا یہ ہے حرمِ سید محمد۔

سید کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ روضۂ حضرت سید محمد کے پاس ہی موجود ہوں، حالانکہ میں جس مقام پر راستہ بھولا تھا وہ قادسیہ تھا اور وہاں سے سید محمد تک ایک لمبی مسافت تھی۔

بہر حال اس چند قدم کے ساتھ میں ان عرب نے جو فائدہ مند باتیں ارشاد فرمائیں ان میں تلاوت قرآن مجید کی شدید تاکید، ان لوگوں سے سخت برارت و انکار کی تاکید جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے یہاں تک کہ ان راویوں پر نفرین فرمائی جن لوگوں نے تحریف کی حدیثیں گڑھی ہیں۔ زندگی میں اور موت کے بعد والدین کے ساتھ نیک سلوک کی تاکید مقامات مقدّسہ، نیز ائمہؑ اور امام زادوں کے متبرّک روضوں کی زیارت اور ان کی تعظیم کی تاکید اولاد امیر المومنینؑ کے احترام کی تاکید، اور نماز شب کی تاکید شامل تھی۔

نیز فرمایا کہ اے سید! حیف ہے ان اہلِ علم کے اوپر جو اپنے کو ہم سے وابستہ سمجھتے ہیں اور اس پر مداومت نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ دیگر امور کی سفارشیں بھی فرمائیں۔

سیّد کہتے ہیں کہ جب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ مردِ عرب کون ہیں جن سے میں نے ان عجیب و غریب امور کا مشاہدہ کیا اور ان سے ایسی نصیحتیں سنیں تو وہ فوراً میری نگاہوں سے غائب ہو گئے۔

(۱۳۱)

سوٹ کیس کی کنجی کا دامن میں گرنا

عبد صالح اور متقی حاج ملّا علی کازرونی جن سے چند داستانیں نقل کی جا چکی ہیں۔ دعاؤں کی قبولیت اور الطاف وعنایات الٰہی کے بارے میں کچھ عجیب وغریب خصوصیات کے حامل ہیں۔

منجملہ ان کے فرماتے ہیں کہ جب خدا نے حج کی توفیق عطا فرمائی تو میں ہوائی جہاز کے ذریعہ کویت سے جدّہ کے لئے روانہ ہوا۔ جب جدّہ کے قریب پہونچا تو لاؤڈ اسپیکر سے اعلان ہوا کہ ہم چند منٹ کے اندر جدّہ پہونچ رہے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنا سوٹ کیس سنبھال لے۔ اور کسٹم کے لئے تیار ہو جائے۔ میں نے سوٹ کیس کی کنجی نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ نہیں ملی۔ اس وقت توجہ ہوئی کہ اسے ساتھ لانا ہی بھول گیا ہوں۔ میں سخت پریشان ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ، پروردگارا! میں تیرا مہمان ہوں اور تیرے گھر میں داخلے کے لئے تھوڑی دیر میں احرام باندھنا چاہتا ہوں، لیکن لباس احرام بھی سوٹ کیس کے اندر ہے۔ اور کنجی موجود نہیں ہے اب کیا کروں

وہ فرماتے تھے کہ قسم خدائے وحدہٗ لاشریک کی اسی وقت کنجی میرے دامن میں اس طرح سے آگری کہ میرا رفیق سفر (مرحوم سید حسن دنداں ساز کا فرزند) بھی جو میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا متوجہ ہو گیا۔ اور پوچھا کیا چیز تھی؟

میں نے اس سے حقیقت حال بتائی اور کنجی اٹھا کر شکر خدا بجا لایا۔

داستان نمبر ۲۵ کے ذیل میں کہا جا چکا ہے کہ اس طرح کی اجابت دعوات اور خارق عادات خدا کے ایک نیک بندے سے جائے تعجب نہیں ہے۔

زندگی بھر کے اخلاص کا نتیجہ

حاج علی موصوف سلمہ اللہ تعالےٰ نے جن کا سن مبارک تقریباً ۷۰ سال کا ہوگا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ایک پوری عمر خدا اور محمدؐ و آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی بندگی و فرمانبرداری، صدق واخلاص اور محبت میں گزاری ہے اور ان کے حالات میں غفلت سے پرہیز اور بارگاہ حضرت احدیت جلّ شانہ میں مراقبہ اور ملاحظہ نمایاں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کی راہ وروش ایسی ہو وہ مقام قرب میں پہونچ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ آثار قرب میں سے حضرت احدیت جلّ جلالہٗ کی بے پایاں قدرت تک پہونچتا ہے۔ چونکہ عالم دنیا تنگ ہے لہٰذا اس قدرت کا مکمّل ظہور مومن کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس دنیا میں بھی کچھ اظہار ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ جناب آصف ابن برخیا کا واقعہ ہے۔ کہ ملکۂ سبا بلقیس کا تخت سلطنت ایک چشم زدن میں شہر شام سے حضرت سلیمان کے سامنے حاضر کر دیا اور جس کی تفصیل سورۂ نمل میں موجود ہے۔

بچّے کو ہوا پر معلّق رکھتا ہے

ایک روز خدا کے نیک بندوں میں سے ایک شخص ایک گلی سے گزر رہا تھا، دیکھا کہ کوچے کے اندر لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہے۔ اور سب کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے تو بتایا کہ اس گھر میں ایک بچّہ چھت کے اوپر چلا گیا ہے۔ اس کی ماں اس کا تعاقب کرتی ہوئی نالہ وفریاد کر رہی ہے۔ وہ ڈر رہی ہے کہ کہیں وہ کوٹھے سے نیچے نہ گر جائے۔ اسی اثناء میں بچّے نے پرنالے کے اوپر پاؤں رکھ دیا۔ اور نیچے گر گیا۔ اس عبد صالح نے فوراً کہا، خدایا! اسے روک لے۔

بچّہ ہوا میں معلّق ہو گیا یہاں تک کہ اس بندۂ خدا نے اسے گود میں لے کر اس کی ماں تک پہونچا دیا۔ لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسے دینا شروع کئے۔ انھوں نے فرمایا، حضرات! کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا ہے۔ اگر کسی

بندۂ عاجز نے خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت میں ایک عمر گذاری ہو تو اگر خدا بھی اس کی عرضداشت کو سُن لے اور اس کی حاجت پوری فرمادے تو اسمیں تعجب کی کیا بات ہے؟

اس قول کا شاہد حدیث قدسی کا یہ حصّہ ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے۔ "جو شخص میرا ہمنشیں ہو میں بھی اس کا ہمنشیں ہوتا ہوں۔ اور جو شخص میرا مطیع اور فرمانبردار ہو، میں بھی جو کچھ کہتا ہے انجام دیتا ہوں۔"[۱]

---

[۱] یَقُولُ اللّٰہُ تعَالےٰ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ جَالَسَنِیْ وَ مُطِیْعُ مَنْ اَطَاعَنِیْ۔
(کتاب اقبال باب اعمال ماہ رجب)

(۱۳۲)

قبلۂ حقیقی امام حسینؑ کیطرف رُخ

منفرد معمار مرحوم حاج عبد العلی علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے کہ میں جس زمانے میں زیارت کربلا سے مشرف تھا ایک روز صحن مقدس میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک دوسرا شخص بھی میرے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا۔ فلاں خراسانی، میں نے اس کا شغل دریافت کیا تو کہا، معماری، میں نے دیکھا کہ یہ تو میرا ہی ہم پیشہ ہے پوچھا کہ تم زائر ہو یا مجاور اس نے کہا، میں کئی سال سے اس مقدس مقام پر تعمیر کے کام میں مشغول ہوں۔ میں نے کہا اس مدّت میں تم نے اس محترم سرزمین پر اگر کچھ عجیب امور دیکھے ہوں تو مجھے بھی بتاؤ۔ انھوں نے کہا، صحن مقدس میں قبلے کی سمت ایک قبر ہے جو قبر ددہ (دادا کی قبر) کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ وہ خراب اور خستہ حالت میں پہونچ رہی تھی لہٰذا چند افراد اس کی تعمیر کے لئے آمادہ ہوئے۔ اور میری طرف رجوع کیا۔ میں نے کام شروع کیا اور بنیاد کی مضبوطی کے لئے مزدور دل کو ہدایت کی کہ قبر کے اطراف کی زمین کھود دی جائے۔ کُھدائی کے دوران قبر کے نزدیک ایک مقام پر ایک جسم ظاہر ہوا۔ مجھے اطلاع دی گئی میں نے مشاہدہ کیا تو دیکھا کہ ایک تر و تازہ جسد ہے لیکن اپنی بائیں جانب لیٹا ہوا ہے یعنی اس کا چہرہ قبر مطہر حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کی طرف ہے اور پُشت قبلے کی جانب میں نے اسی حالت میں قبر کو بند کرا کے اس کی تعمیر مکمّل کر دی۔ اس داستان کی تائید اس صورتحال سے بھی ہوتی ہے جسے مرحوم حاج میرزا حسین نوری اعلیٰ اللہ مقامہ نے کتاب دار السلام میں نقل کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد علاّمۂ بزرگوار شیخ عبد الحسین تہرانی اعلی اللہ مقامہ نے صحن مطہر حضرت سیّد الشہداء علیہ السّلام کی مغربی سمت کی توسیع کے لئے چند مکانات

خرید کے انھیں صحن مبارک کا جزء قرار دیا ۔ اور میّتوں کے دفن کے لئے اسی حصّے میں تقریباً ساٹھ تہہ خانے قائم کئے جن پر ڈاٹ کی چھتیں ڈلوادیں۔ مومنین اپنے مردوں کو انھیں تہہ خانوں میں دفن کرتے تھے۔ جب اسی طرح ایک مدّت گزری تو اندازہ ہوا کہ یہ چھتیں لوگوں کی کثرت آمد و رفت کی متحمّل نہیں ہیں اور ممکن ہے کہ گر جائیں جس سے زحمت اور ہلاکت کا خطرہ ہے۔ لہٰذا شیخ نے حکم دیا کہ یہ چھتیں ہٹا کے دوبارہ مزید استحکام کے ساتھ بنائی جائیں۔

چونکہ ان تہہ خانوں میں کثرت سے میّتیں دفن ہو چکی تھیں لہٰذا ہدایت کی کہ پہلے ایک سرداب کی چھت منہدم کر کے اس کی تعمیر کی جائے اس کے بعد دوسرے کی۔ چنانچہ جس سرداب کی چھت کھودی جاتی تھی پہلے ایک شخص نیچے اترتا تھا اور مُردوں کے اجساد پر اتنی مٹّی ڈال دیتا تھا کہ وہ چھپ جائیں اور میّتوں کی بے حرمتی نہ ہو۔

اسی طرح جب لوگ اس سرداب تک پہونچے جو ضریح اقدس کے مقابل میں تھا اور اجساد کو چھپانے کے لئے نیچے اترے تو دیکھا کہ اس درجے میں دفن ہونے والی میّتوں کے سر جو پہلے مغرب کی سمت تھے اب ان کے پاؤں کی جگہ پر قبر مبارک کی طرف ہیں اور پاؤں مغرب کی جانب جب لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو بے شمار مجمع پہونچنا شروع ہو گیا اور سب نے اس عجیب منظر کا مشاہدہ کیا۔ جو جسد اس حصّے میں تھے وہ منقلب ہوئے تھے۔ ان کی تعداد تین تھی۔ ان میں سے ایک آقا میرزا اسمعیل اصفہانی نقّاش کی میّت تھی جو صحن مقدس میں نقّاشی کا کام کرتے تھے۔ جسوقت ان کے بیٹے نے اپنے باپ کے جسد کی یہ کیفیت دیکھی تو گواہی دی کہ میں اپنے باپ کے دفن کے وقت یہاں موجود تھا اور جسوقت انھیں دفن کیا تھا ان کے پاؤں ضریح مقدس کی جانب تھے۔ اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کا سر ضریح کی سمت ہے۔

لوگوں پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ یہ خداوند عالم کی جانب سے اپنے بندوں کے لئے ایک تادیب اور تنبیہ ہے۔ کہ وہ آئمۂ علیہم السّلام کے ادب اور ان کے ساتھ اپنے سلوک و معاشرت کا طریقہ سیکھیں، اسی روز فاضل صالح اور متّقی حاج ملّا ابوالحسن مازندرانی نے مجھ سے نقل کیا اور بتایا کہ اس معجزے کے ظہور سے ایک مدّت قبل میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں جس کی تعبیر میں حیران تھا۔ لیکن آج اس کی تعبیر ظاہر ہو گئی۔ اور وہ خواب یہ تھا۔

میرے فرزند کی تقیّہ اور صالحہ خالہ کا انتقال ہوا تو میں نے انھیں صحن مطہّر کے اسی حصّے میں دفن کیا۔ پس ایک رات انھیں خواب میں دیکھا، اور ان کا حال اور جو کچھ ان پر گذری ہو اس کے بارے میں دریافت کیا۔ تو انھوں نے کہا میں بخیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ ہوں سوا اس زحمت کے کہ تم نے مجھے ایک تنگ مقام میں دفن کیا ہے جس کی وجہ سے میں پاؤں کو نہیں پھیلا پاتی اور اپنا سر زانو پر رکھنا پڑتا ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ قبر مطہر کی سمت پاؤں پھیلانا امام علیہ السّلام کی بارگاہ قدس میں بے ادبی ہے۔ یہ معجزہ ماہ صفر ۱۲۷۶ھ میں ظاہر ہوا تھا۔ ان دو داستانوں سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا چند میّتوں کے اجساد کی حالت میں یہ تغیّر پیدا کر کے مسلمانوں کو ائمہ معصومین علیہم السّلام کی شان و منزلت اور ان کے احترام و تکریم اور ادب کا لزوم و وجوب سمجھا رہا ہے۔

جب خدا اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میّت کے پاؤں یا اس کی پشت امامؑ کی قبر کی جانب ہو تو زندہ افراد پر قبر مطہر کے ادب و احترام کی رعایت کس قدر فرض ہوگی۔ خدا لعنت کرے اور زیادہ فرمائے اپنے عذاب کو اس جماعت پر جو اپنے کو مسلمان جانتی تھی پھر بھی اس قبر مبارک کی اہانتیں کیں۔ اس کے زائرین کی راہ میں حائل ہوتی رہی بلکہ انھیں شکنجے اور سزائیں بھی دیتی رہی۔ خصوصاً متوکّل عباسی ملعون جس نے ایک گروہ کو اسے خراب و برباد کرنے اور اس کے آثار مٹانے پر مامور کیا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ انجام کار اسی متوکّل نے زوّار کو آزاد بھی چھوڑ دیا۔ جیسی کہ اس کی تفصیل شیخ شوستری علیہ الرحمہ کی کتاب خصائص الحسینیہ میں مذکور ہے۔

(۱۳۳)

جسد کے صحیح وسالم رہنے کے اسباب

روزنامۂ کیہان پنجشنبہ ۳ مرداد ۱۳۵۳ھ شمارہ ۹۳۱۹ میں ایک عجیب خبر شائع ہوئی ہے جسکا اصل مضمون یہاں درج کیا جارہا ہے۔

ایک گڑھے کے اندر جسے یزد میں چند نامعلوم چوروں نے کھودا ہے تیرہ سو ۱۳۰۰ سال قبل کی ایک میّت کا جسد صحیح وسالم حالت میں دستیاب ہوا ہے۔

یہ جسد صدر اسلام کی ایک نامور عورت بی بی حیات سے منسوب ہے

یزد ۔ نامہ نگار کیہان چند نامعلوم چوروں نے قدیم زمانے کی اشیاء چرانے کے لئے یزد کے موضع فہرج میں رات کے وقت صدر اسلام کی نامدار عورتوں میں سے ایک "بی بی حیات" کی قبر کھود ڈالی اور ان کا صحیح وسالم جسد نمایاں ہوگیا۔

بی بی حیات کی قبر کھلنے کے بعد فہرج کے دیہاتیوں نے فہرج کی زیارت گاہ شہداء میں دست برد کے حال سے یزد کے ادارۂ فرہنگ وہنر کو مطلع کیا اور اس ادارے کے خصوصی مبصّر اور ماہر نے بھی قبر اور کھُل جانے والے جسد کا مشاہدہ کر کے اس کے سالم ہونے اور بی بی حیات سے متعلق ہونے کی تائید کی۔

یہ مُردہ بدن تقریباً تیرہ سو سال قبل زیارتگاہ شہداء میں دفن ہوا تھا۔ لیکن ابتک بوسیدہ اور منتشر نہیں ہوا ہے۔ اور اس کا چہرہ اور ابرو مکمل طور سے درست حالت میں ہیں۔ یزد میں کیہان کا نامہ نگار جس نے بچشم خود قریب سے اس جسد کو دیکھا ہے لکھتا ہے کہ اس کے سر کے بال بھی بالکل سیاہ اور جسم سے بلند ہیں۔

ادارۂ فرہنگ وہنر یزد کے خصوصی ماہر اور سرکاری افسر نے اس خبر کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ قبر اور جسد اس لشکر اسلام کی ایک نمایاں خاتون سے متعلق ہے۔ جس نے محل شہداء میں یہودی اور زرتشتی فوجوں سے جنگ کی تھی۔ اور فی الحال متعلّقہ مقامات کے وسیلے سے حقیقت حال کی تحقیق جاری ہے۔ علاقہ یزد کے ادارۂ فرہنگ وہنر کے سربراہ آقائے دربانی بھی اس بیان کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ قبر اور منکشف ہونے والا جسد لشکر اسلام کے سپاہیوں اور شہیدوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہم ابھی اس معاملے کے بارے میں تحقیقات اور مطالعے میں مصروف ہیں۔

فہرج کی بستی یزد سے تیس ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور چند تاریخی اور قدیم آثار کی حامل ہے۔ منجملہ ان کے "زیارتگاہ شہداء" اور بی بی حیات کی قبر بھی ہے۔ جس کا سلسلہ صدر اسلام سے ملتا ہے۔ اور یہ دیہاتیوں کی زیارتگاہ ہے۔

ان آثار کی تاریخ آغاز کو کتاب تاریخ یزد "مفیدی" میں بھی صدر اسلام سے نسبت دی گئی ہے۔ فہرج کے دیہاتیوں کا کہنا ہے کہ چوروں نے قدیم دور کے ان آثار اور اشیاء پر تصرّف اور دستبرد کے لئے جو معمول کے مُطابق سربرآوردہ افراد اور سرداران قوم کی قبروں میں رکھ دی جاتی تھیں بی بی حیات کی آرام گاہ کو شگافتہ کیا ہے۔ اور معلوم نہیں کوئی چیز پا سکے ہیں یا نہیں۔؟

کیہان شنبہ ۵ مرداد ۱۳۵۳ھ شمارہ ۹۳۲۰ میں اس سے قبل کے شمارے سے سلسلہ قائم رکھتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔

تیرہ سو سال تک جسد کے اسباب سلامتی کی تحقیق

یزد ـــ نامہ نگار کیہان ـــ یزد کے گاؤں فہرج میں بی بی حیات کی قبر کھولے جانے کے واقعے کے بارے میں بارے میں تفتیش جاری ہے۔ اور یزد کے محکمۂ پولیس کی طرف سے اس زیارتگاہ کے خادم سے بازپُرس ہو رہی ہے۔

بی بی حیات کی قبر جو یزد کے ایک گاؤں میں واقع ہے چند نامعلوم چوروں کے ہاتھوں کھود ڈالی گئی۔ اور ان کی تیرہ سو سال سے پہلے کی میّت کا جسد جو ابتک صحیح وسالم رہا ہے مٹّی کے نیچے

سے برآمد ہوا۔ یزد کی ذمہ دار ہستیوں کی توثیق کے مُطابق صدر اسلام کی اس نامور خاتون کا جسد خاکی منتشر اور بوسیدہ نہیں ہوا ہے۔ اور اس کی ہڈّیاں ابرو اور سر کے بال سب مکمّل طور پر درست حالت میں باقی ہیں۔

آج یزد میں اعلان ہوا ہے کہ ادارۂ فرہنگ وہنر کے ارکان، ادارۂ اوقاف، اور محکمۂ پولیس سبھی قبر بی بی حیات کے کھود لے جانے کی نوعیت کے اور ان کے جسد کے سالم رہنے کے اسباب کا مطالعہ کرنے میں سرگرم ہیں نیز محکمۂ پولیس کی جانب سے تحقیقات میں مدد دینے کی تحریری درخواست شائع کی گئی ہے اور موقع پر زیارتگاہ شہداء کے خادم سے سوالات اور تفتیش کی جارہی ہے۔

ادارۂ فرہنگ وہنر یزد کے ماہر نمائندے نے جسد کے سالم اور محفوظ ہونے اور اسکے بی بی حیات سے متعلق ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ، جن لوگوں نے قدیم اشیاء اصل کرنے کی غرض سے رات کے وقت بی بی حیات کی قبر کھودی ہے انھوں نے ابتداء میں زیارتگاہ شہداء کی دیگر دو جگہوں پر مٹّی نکالی ہے۔ لیکن جب وہاں کچھ نہیں ملا تو بی بی حیات کی قبر پر ہاتھ ڈالا۔ اس سب کے باوجود ابھی تک یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ قبر کے اندر سے کچھ قدیم چیزوں کی چوری ہوئی ہے یا نہیں؟

انھوں نے مزید کہا کہ بی بی حیات کی قبر جو فہرج کے دیہاتیوں کی زیارتگاہ ہے جلد ہی درست اور تعمیر کر دی جائے گی۔

(۱۳۴)

کیسے کے پیسوں میں برکت

جناب عمدۃ الاخیار آقائے حاج محمد حسن شرکت ساکن اصفہان نے لکھا ہے کہ آقائے حاج محمد جواد بید آبادی (جن کے بارے میں متعدد حکائیتیں اس کتاب میں نقل ہو چکی ہیں) کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے جو بہت اچھے انسان تھے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک مدت تک آقائے حاجی مرحوم کی خدمت سے وابستہ رہا۔ وہ مجھ سے گفتگو فرماتے رہتے تھے۔ اور میرا کام یہ تھا کہ ان کے رفقاء میں سے ایک شخص حاجی سید موسیٰ کی دوکان جو محلّہ بید آباد میں کرائے کی دوکان کرتے تھے جاتا تھا اور کسی کسی روز سنّو دینار جب کہ اس وقت ریال کا ۱/۱۰ حصّہ یا پانچ پیسے ۱/۲ ریال ہوتا تھا آقائے حاجی کی خدمت میں لے آتا تھا۔ وہ انھیں اپنی پائینتی کی طرف کو توشک کے نیچے رکھ دیتے تھے۔ اور صبح سے رات گئے تک جو اشخاص آتے تھے، وُہ توشک کے نیچے ہاتھ لیجاتے تھے اور مختلف تعداد میں سکّے نکال کر انھیں دیتے رہتے تھے۔

ایک روز ان کے بھانجے نے مجھ سے کہا کہ میں ان کی خدمت میں یہ عرض کر دوں کہ میں وقت بے وقت آپکی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں پس آپ جو پیسے مجھے دیتے ہیں انھیں شمار کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ آپ نے دوسروں کو زیادہ رقم دی ہے۔ اور مجھے کم۔

میں نے ان کی خدمتمیں عرض کیا تو فرمایا کہ میں خود سے کمی بیشی نہیں کرتا میں توشک کے نیچے ہاتھ ڈالتا ہوں اور جس شخص کے لئے جسقدر برآمد ہوتا ہے اسے دیدیتا ہوں۔ میں نے چند لوگوں سے جو اس طرف متوجہ ہوئے تھے سنا ہے کہ جب تک وہ ان پیسوں کو محفوظ رکھتے تھے جنھیں وہ کیسے کے اصل سرمائے کے عنوان سے مرحمت فرماتے تھے ان کی برکت سے وہ کبھی تہی دست نہیں ہوتے تھے۔

مُکاشفات

نیز انھوں نے رقم فرمایا ہے کہ میرے بہنوئی ڈاکٹر ہدایت اللہ نے جن کا مطب محلّہ بید آباد میں تھا مشہدی احمد باورچی سے جن کی دوکان بھی محلّہ بید آباد میں تھی نقل کیا کہ ایک روز میں حالتِ جنابت میں تھا اور غسل نہیں کرسکا تھا عجلت میں بریانی اٹھائی اور جناب حاجی محمد جوّاد کے یہاں چلا گیا۔ جن کا مکان بید آباد میں دوکان سے قریب ہی تھا۔ انھوں نے جواب سلام کے بعد فرمایا، تم بغیر غسل کئے کیوں آئے ہو اب دوکان پر آنے کے وقت ایسا نہ کرنا۔ اور جو غذا تم لائے ہو اسے بھی لیجاؤ۔

مشہدی احمد نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ بات انھوں نے اندازے کے مطابق کہی ہے۔ جو اتفاق سے درست ٹھہری، لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز خاص طور سے غسل نہیں کیا۔ اور جنابت کی حالت میں دوکان پر آکے بریانی لی اور آقائے حاجی کے سامنے پہونچا انھوں نے مجھے آواز دی۔ اور میرے کان میں فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بغیر غسل کئے ہوئے دوکان پر نہ آنا۔ تم نے ایسا کیوں کیا، جاؤ اور یہ بریانی بھی واپس لے جاؤ میں یہ غذا نہیں کھا سکتا۔

(١٣٦)

فرنگی مجالِس روضہ خوانی کرتا ہے

جناب شیخ محمد حسن مولوی قندھاری جن سے متعدد داستانیں نقل کی جا چکی ہیں فرماتے ہیں کہ پچاس سال قبل ۱۴ محرّم کو عیدگاہ مشہد مقدّس میں آستانۂ مقدس کے منتظم اور نگراں مرحوم و مغفور جناب شیخ محمد باقر واعظ نے بیان کیا کہ ایک سال ماہ محرّم میں مجھ کو پیرس میں مقیم ایرانی تاجروں کی طرف سے روضۂ خوانی اور اقامت عزا کے لئے مدعو کیا گیا۔ اور میں چلا گیا۔

محرّم کی پہلی شب میں ایک فرانسیسی جوہری اپنی زوجہ اور اپنے بیٹے کے ساتھ ایرانیوں کے مرکز پر آیا جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور ان سے خواہش کی کہ مجھے ایک نذر پوری کرنا ہے لہٰذا اپنے روضہ خوان شیخ کو دسؔ راتوں تک اس پتے پر لے آیا کریں تاکہ وہ میری مجلسیں پڑھ دیا کریں۔ حاضرین نے مجھ سے پوچھا تو میں نے منظور کر لیا۔ چونکہ ایرانیوں کی مجلس ختم ہو چکی تھی لہٰذا لوگ مجھے اس فرانسیسی کے ہمراہ اس کے گھر لے گئے میں نے ایک مجلس پڑھی جس سے میرے ہم وطنوں نے تو فائدہ اٹھایا۔ اور گریہ کیا البتہ وہ فرانسیسی اور اس کی زوجہ دونوں مغموم و مہموم حالت میں کان لگائے بیٹھے رہے۔ کیونکہ وہ فارسی نہیں سمجھتے تھے اور انھوں نے ترجمے کا تقاضہ بھی نہیں کیا۔ نویں تاریخ کی شب تک یہ سلسلہ اسی انداز سے چلتا رہا۔

شب عاشورہ اعمال مستحبہ، دعاؤں اور زیارت ناحیۂ مقدسہ میں مصروفیت کی وجہ سے میں اس کے یہاں نہیں جا سکا۔ صبح کے وقت وہ رنجیدہ حالت میں آیا اور شکایت کی، میں نے عذر پیش کیا۔ ہم لوگ شبِ عاشورا کچھ خصوصی مذہبی اعمال کرتے ہیں۔ جس پر وہ مطمئن ہو گیا لیکن تقاضہ کیا کہ گزشتہ شب کے عوض گیارھویں شب میں آیئے تاکہ میری دسؔ راتوں کی منت پوری

ہو جائے۔ چنانچہ میں اس شب میں بھی گیا مجلس تمام ہونیکے بعد وہ میرے لئے.. اطلائی سکّے لایا۔ مینے کہا، میں اس وقت قبول کروں گا جب تم اپنی نذر کا سبب بتاؤ گے۔ اس نے کہا۔ سال گذشتہ کے محرم میں بمبئی کے اندر میرا جواہرات کا صندوقچہ جو میرا تمام سرمایہ تھا چور لے گیا۔ میں صدمے کی وجہ سے موت کی حد تک پہونچ گیا۔ اور حرکت قلب رُک جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ میرے بالاخانے کے نیچے ایک وسیع شاہراہ تھی جس پر مسلمانوں نے ذوالجناح کی شبیہ نکالی تھی اور سروپا برہنہ سینہ زنی اور زنجیری ماتم کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔ میں بھی نیچے اتر کر ان عزاداروں میں شامل ہو گیا۔ اور جن کی عزاداری تھی ان سے منت کی کہ اگر وہ اپنی کرامت سے میرے چرلئے گئے جواہرات مجھ تک پہونچادیں تو میں سال آئندہ جہاں بھی ہوں گا ایک سولیرۂ طلائی روضہ خوانی کی نذر کروں گا۔ ابھی میں چند ہی قدم چلا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آیا جس کی سانس پھول رہی تھی۔ اور چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اس نے صندوقچہ میرے ہاتھ میں دیا اور بھاگ گیا۔ میری حالت سنبھل گئی۔ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد میں گھر واپس آیا۔ اور صندوقچہ کھول کے شمار کیا تو معلوم ہوا کہ چور نے جواہرات کے ایک دانے پر بھی تصرف نہیں کیا ہے۔ بابی انت وامّی یا اباعبداللہ۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

(یعنی تم دوستوں کو کہاں محروم کرو گے جب کہ تمھاری چشم کرم دشمنوں کے اوپر بھی ہے)۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ غیر مسلم افراد جن کی مشکلیں سیّد الشہداؑ مشکل کشا کے توسل سے حل ہوئی ہیں اور ان کی حاجتیں روا ہوئی ہیں۔ کثرت سے ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی بت پرست جماعت میں بھی ایسے افراد موجود ہیں۔ جو اپنے سالانہ منافع میں ان حضرت کو شریک رکھتے ہیں۔ اور جسقدر ان حضرت کا حصّہ ہوتا ہے اسے شیعوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ تاکہ اسے محرم اور صفر کی عزاداری میں صرف کریں۔ اور وہ اس شرکت کو باعثِ برکت جانتے ہیں۔

جب ایک شخص اپنی دنیوی حاجتوں کے لئے حضرتؑ سے متوسّل ہو کر کامیاب ہوتا ہے تو اگر کوئی انسان ایمان، مغفرت، رحمت اور شفاعت کے لئے برزخ و قیامت

اور دوزخ کے شدائد و آلام سے نجات اور سعادت و جنّت کے درجات تک پہونچنے کی خواہش اور التجا کرتا ہے۔ تو وہ کیونکر فیضیاب نہ ہوگا۔

"جو آپ کے دامن سے وابستہ رہا وہ محروم نہیں رہا۔ اور جس نے آپ کی پناہ لی وہ امان میں ہے"۔ [۱]

---

[۱] مَاخَابَ مَنْ تَمَسَّكَ بِكَ وَاَمِنَ مَنْ لَجَأَ اِلَيْكَ۔

(۱۳۷)

بدعہدی کی سزا

جناب مولوی سلمہ اللہ نے یہ بھی نقل فرمایا کہ انھیں ایّام میں نصیر الاسلام الواعظین مشہد مقدس آئے ہوئے تھے۔ وہ ماہِ رمضان المبارک میں مسجد گوہر شاد کے اندر منبر پر تشریف لے جاتے تھے۔ اور وعظ فرماتے تھے۔ ایک رات ان معجزات کا ذکر کرتے ہوئے جن کا اس صدی کے اوائل میں امام رضا علیہ السّلام کے حرم مبارک میں مشاہدہ کیا تھا حکایت کی کہ اشراف تہران میں سے ایک صاحب کی حسینی سادات میں سے دو بیویاں تھیں اور ایک جگہ رہتی تھیں انھوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ اپنے اپنے دل صاف رکھیں گی۔ دوسری کے بارے میں رشک وحسد کینہ، اور سوت والی رقابت سے پرہیز کریں گی۔ شوہر کے پاس ایک دوسری کے لئے بدگوئی، خیانت، چغلخوری اور فتنہ انگیزی نہ کریں گی۔ اور ان دونوں کے درمیان حضرت رضا علیہ السّلام ضامن اور گواہ ہوں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی عہد شکنی کرے تو امام رضا علیہ السّلام اسے اندھی کر دیں۔

کچھ مدّت کے بعد ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے عہد شکنی کی اور اپنے باہمی معاہدے میں خیانت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی ہفتے میں اندھی ہوگئی۔ اور اس کی توبہ و انابت نے کوئی فائدہ نہ بخشا۔ لہٰذا اس نے مشہد مقدس کا عزم کیا اور نصیر الاسلام اس کے خاص روضہ خوان تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے حرم مبارک میں بالائے سر چالیس شبیں گذاریں۔ اور جہاں تک امکان میں تھا ہم نے دعاؤں اور تضرّع وزاری میں بسر کی سادات و علماء نیز دیگر مناسب افراد کی ایک تعداد کے ساتھ صبح تک شب بیداری کی، لیکن شفاء کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ اکتالیسویں شب میں نے وداعی زیارت پڑھی۔ اور مایوسی کے عالم میں طے کیا کہ صبح کو تہران روانہ ہو جائیں گے۔ طلوع فجر کے وقت ایک نور ضریح اقدس سے ظاہر ہوا اور اس عورت کے سر کے

اوپر سے گزرا۔ تمام حاضرین نے اسے دیکھ کر صلوۃ کے نعرے بلند کئے اور سب نے یقین کر لیا۔ کہ وہ عورت شفایاب ہوگئی وہ نور روشندان سے گزر گیا۔ ناگہاں دارالسیادت سے تالی بجانے اور صلواۃ کی آواز بلند ہوئی۔ ہم سب لوگوں نے جا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کابل کی ایک بوڑھی نابینا زائرہ نے شفا پائی ہے۔ اور اسکی دونوں آنکھیں روشن ہوگئی ہیں۔ باوجود اس کے کہ اس نے برسوں اندھےپن میں زندگی گزاری تھی۔ جس کی وہ عادی ہو چکی تھی۔ اور وہ اس وقت قطعاً اپنی شفا کی غرض سے روضے پر حاضر نہیں ہوئی تھی۔ نہ اس کے لئے دعا و توسّل کیا تھا خدا نے ایک مایوس عورت کو نیز ہم کو اور دیگر افراد کو امامت کو طاقت و قدرت کا جلوہ دکھایا اور لوگوں کو آگاہ فرمایا کہ اپنے معمولی امور میں بھی خلیفۂ خدا سے کئے ہوئے عہد اور اس کی ضمانت کو سبک نہ سمجھیں اور اپنے عہد و قسم کی پابندی کرتے ہوئے خیانت سے دور رہیں۔

اس داستان سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا اور رسولؐ اور امام کے ساتھ عہد شکنی کا گناہ کس قدر عظیم ہے یعنی اگر کوئی شخص خدا سے عہد کرے کہ فلاں گناہ کو ترک کر دیگا۔ اور اس کے بعد اپنے عہد کو توڑ کے۔ اس کا مرتکب ہو تو ہر چند وہ گناہ صغیرہ ہو عہد شکنی کی وجہ سے ایسا گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی وجہ سے انسان خدا کی سخت عقوبتوں اور گناہوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس گناہ کی بزرگی اور اس عذاب کی شدّت معلوم کرنے کے لئے کتاب گناہانِ کبیرہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس داستان کے سلسلے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ ناچار عورت نابینا ہونے کے بعد اپنے گناہ سے پشیمان ہوئی۔ امام معصومؑ کی خدمت میں پناہ لی۔ چالیس راتوں تک نالہ و فریاد کرتی رہی۔ علاوہ اس کے دوسرے لوگوں نے بھی اس کے حق میں دعائیں کیں۔ اور جو شخص کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے۔ پس اس کی توبہ کس لئے قبول نہیں ہوئی اور اس کی آنکھیں کس لئے صحتیاب نہیں ہوئیں۔ تو ہم جواب میں کہیں گے اوّل تو معلوم نہیں۔ اس عورت میں حقیقت توبہ موجود بھی تھی یا نہیں؟ کیونکہ توبہ دراصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گناہ سے دراصل اس بنا پر پشیمان و حسرت زدہ اور نالہ کناں ہو اور آئندہ اسے ترک کرنے کا عزم رکھتا ہو کہ اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ پس اگر صرف اس کی سزا اور عقوبت کی وجہ سے پشیمان ہو تو یہ حقیقی توبہ نہیں

ہے یعنی اس کا حال اس طرح ہے۔ کہ اگر وہ سزا و عقوبت نہ ہوتی تو اسے امر پروردگار کی مخالفت میں کوئی باک نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ اس کی توبہ گناہ سے ہے ہی نہیں جو قبول کی جائے۔

دوسرے فرض کر لیا جائے کہ اس نے حقیقی توبہ کی تھی پھر بھی اس کی شرط یہ تھی کہ اپنی سوت کے کے پاس جا کے اس کی عذر خواہی کرے۔ اس کے رنجیدہ دل کو اپنی طرف سے صاف کرے، اور جس فساد اور چغلخوری کی مرتکب ہوئی تھی اس کی اصلاح کرے۔

تیسرے جو شخص خدا سے کوئی عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دے اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ ورنہ اس کی بخشش نہ ہوگی۔ (عہد شکنی کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا ساٹھ دنوں تک روزے رکھنا، یا ساٹھ بھوکے اشخاص کو سیر کرنا ہے۔)

اور چوتھے ہم کہیں گے کہ اس عورت کی آنکھوں کا شفایاب نہ ہونا پروردگار کی جانب سے اس پر اور دوسرے لوگوں پر ایک لطف و کرم تھا تاکہ سب یہ جان لیں کہ خدا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی مقدس روحیں ہر جگہ حاضر اور بندوں کے اعمال کی ناظر و نگراں ہیں۔ اور کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ نیز جس طرح خدا ارحم الراحمین ہے۔ "فِی مَوْضِعِ الْعَفْوِ وَالرَّحْمَةِ" (عفو و رحمت کے محل پر)، اسی طرح اَشَدُّ الْمُعَاقِبِیْنَ (سب سے زیادہ سخت سزا دینے والا) ہے۔ "فِی مَوْضِعِ النَّکَالِ وَالنَّقِمَةِ" (عقوبت اور سزا کے مقام پر)۔ اور یہ مطلب سمجھ لینے کے بعد دوبارہ گناہ پر جراءت نہ کریں اور اس کے قہر سے خوفزدہ رہیں۔

---

(۱۳۸)

آسمان سے مچھلیاں برستی ہیں

نیز جناب مولوی نے نقل فرمایا کہ میرا سن آٹھ سال کا تھا کہ شدید بارش ہوئی اور اسی کے دوران میں نے خود دیکھا کہ ایک عدد مچھلی آسمان سے گری اور ابھی آدھا منٹ بھی نہیں گذرا تھا کہ ایک بلّی آئی اور اسے کھا گئی۔

اسی سے مشابہ واقعہ ایک سفر میں پیش آیا، دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا اور میں ایران کے راستے سے نہ آسکا لہذا ہوائی جہاز کے ذریعہ روانہ ہو کر بحرین میں اترا بحرین کے لوگوں نے عام طور سے بتایا کہ جنگ کے باعث سامان رسد نہ پہونچنے کی وجہ سے ہم لوگ بھوکے تھے ہمارے پاس چنے، چاول اور مونگ جیسے غلّوں کا ذخیرہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ ہم سب مسجد حسینیہ میں جمع ہو کر متوسّل ہوئے اور مشاہدہ کیا کہ سمندر کے درمیان سے ایک دھواں سا اٹھا اور ابر کی صورت میں بدل گیا پھر اس سے حیرت انگیز طور پر مچھلیاں برسنے لگیں۔ اوپر سے آئی ہوئی ان مچھلیوں نے ایک ہفتے کی مدّت تک ہماری خوراک کا سامان مہیّا کر دیا اور اس کے بعد ہمارے لئے غذا کی رسد پہونچ گئی۔

---

(۱۳۹)

سَمندر میں پینے کا صَاف پانی

جناب قندھاری اس داستان سے مشابہ ایک واقعہ مرحوم حاج محمد کویتی نے مجھ سے تقریباً پینتیس سال قبل جب میں ان کے ساتھ حج سے مشرف ہوا تھا بیان کیا کہ ایک بار میرے عمو زاد بھائی اپنی کشتی پر ناریل بار کر کے بمبئی سے دوبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ قاعدے کے مطابق انھیں ایک ہفتے میں پہونچ جانا چاہیئے تھا لیکن تین ہفتے گذر جانے کے بعد بھی ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔

ہم لوگوں نے یقین کر لیا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سمندر میں غرق ہو کے ہلاک ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان کی مجلس فاتحہ خوانی بھی منعقد کی۔ ایک مہینے کے بعد ان کی کشتی سمندر میں نمودار ہوئی۔ لیکن اس حال میں کہ ان کے بادبان کا ستون ٹوٹا ہوا تھا۔ اور اس کا پردہ موجود نہیں تھا انھوں نے چپو کی مدد سے اپنے کو ساحل تک پہونچایا۔ اور اپنی سرگزشت بیان - - - - - - -
کرتے ہوئے بتایا کہ بمبئی سے روانہ ہونے کے بعد ایک روز ناگہانی طور سے ایک عجیب قسم کا طوفان آیا جس سے کشتی کا ستون جس سے اس کا پردہ منسلک تھا ٹوٹ گیا۔ اور پردہ پھٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سمندر کے ساکت ہونے کے بعد مجبوراً ہم چپو کے ذریعے ایک دن میں صرف چند کلومیٹر آگے بڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے پاس پینے کا پانی ختم ہو گیا۔ ناچار ہو کر ہم ناریلوں کو توڑ کر ان کے اندر سے نکلنے والے پانی سے پیاس بجھانے لگے۔

بالآخر جب ناریل بھی تمام ہو گئے تو ہم سخت گرمی اور پیاس کی شدّت کے باعث حس اور

نقل و حرکت سے مجبور ہو کر نزع کی حالت میں پہونچ گئے اور قریب تھا کہ دم توڑ دیں۔ ناگہاں ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور ہمارے اوپر برسنا شروع کیا، ہم نے اپنے منھ کھول دیئے۔ جب بارش کے قطرے ہمارے حلقوں سے گزرے تو ہم جنبش کے لائق ہوئے پس ہم نے برتنوں کو باہر نکال کے رکھ دیا۔ جب وہ پانی سے بھر جاتے تھے تو ہم انھیں مٹکوں میں انڈیل دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مٹکا بھی لبریز ہو گیا۔

اس کے بعد ابر چلا گیا۔ اور آج کے دن جب ہم نے اپنے کو کسی طرح دوبئی تک پہونچا دیا ہے وہ پانی تمام ہو گیا۔

(۱۴۰)

قید سے نجات اور مقصد میں کامیابی

اسی طرح جناب مولوی نے نقل فرمایا کہ سولہ سال کا ایک خوبصورت نوجوان جو آقائے زیرپا کے نام سے مشہور تھا مشہد مقدس کے مدرسۂ پائیں پایں (جو اَب ختم ہو چکا ہے) شیخ قنبر توسّلی کے پاس آتا رہتا تھا۔ یہ عابد و زاہد انسان عید الفطر اور عید قرباں کے علاوہ زیادہ تر روزے سے رہتا تھا۔ زیارت حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ اور زیارت اصحاب کہف کا بہت ہی مشتاق تھا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے بہت زحمتیں برداشت کرتا تھا منجملہ وہ کہتا ہے کہ میں نے چالیس شبانہ روز تک باقاعدہ غذا استعمال نہیں کی۔ صرف افطار کے وقت ایک مٹھی چنے پیس کر کھالیا کرتا تھا۔ اور بس یہی میری غذا تھی۔

اس کی نیک صفتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر کچھ مختصر پیسے بھی اس کے ہاتھ آجاتے تھے تو انھیں فقیروں کو دیدیا کرتا تھا۔ گندے امراض کے مریضوں کو حمّام لیجاتا تھا اور اس پر پابندی سے عمل کرتا تھا۔

میں نے اس سے تین چار سال کے بعد کربلائے معلّٰی میں ملاقات کی یہ خدا کا لطف و کرم تھا کہ اس نے نجف اشرف پہونچ کے پہلے میرے والد کا پتہ معلوم کیا۔ میرے والد ماجد میرزا علی اکبر قندھاری کا مکان مسجد طوسی کے قریب تھا۔ اور آقائے زیرپا سے وہیں میری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنی سرگذشت اس طرح سُنائی۔

خدا کا شکر ہے میری مُراد پوری ہوئی۔ قبل اس کے کہ اصحاب کہف کی ملاقات یا جزیرۂ خضرا کے لئے روانہ ہوں میں نے اپنی ماں کے ہمراہ مشہد مقدّس سے عراق کے لئے سفر شروع کیا نو دنوں تک پا پیادہ چلنے کے بعد سرزمین عراق کی سرحدی چوکی تک پہونچے تو وہاں ہم کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ہم سترہ ۱۷ روز تک حوالات میں رہے۔

ہم ہر چند کہتے رہے کہ ہم فقیر اور تارک الدنیا لوگ ہیں اور مشہد مقدس سے کربلائے معلّٰی جا رہے ہیں لیکن ان لوگوں نے تسلیم نہیں کیا۔

ہم امام زمانہ عجؐ سے متوسّل ہوئے۔ ہم دیکھتے تھے کہ محافظ اور سپاہی ناشائستہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ اور ان سے فحش و مذموم افعال سرزد ہو رہے ہیں۔ تو ہماری طبیعتیں مکدّر ہو جاتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ ہمیں کچھ روٹی اور خرمے دیدیتے تھے۔ جو ہم مجبوری کی بنا پر لے لیتے تھے

ایک روز میرے توسّل میں اضافہ اور گریہ وزاری میں شدّت پیدا ہوئی تو ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک موٹر گاڑی آکر میرے دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی۔ اور اسمیں ایک بہت ہی نورانی صورت کے سیّد نظر آئے۔ جنکا نور چاروں طرف دائرے میں پھیل رہا تھا اسنے میری توجہ کو جذب کر لیا۔ میں نے وہاں کے کارندوں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ سب پر ایک بیخودی اور عاجزی کی کیفیت طاری ہے۔

ان نورانی آقا نے ہمیں آواز دی اور فرمایا، یہاں آؤ! میں ان کے قریب گیا تو فرمایا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں اور میری ماں سترہ ۱۷ روز سے یہاں نظر بند ہیں۔ اور ہم کربلائے معلّٰی جانا چاہتے ہیں۔

فرمایا، جاؤ اپنی ماں کو بھی لے آؤ اور گاڑی میں بیٹھو۔ میں اپنی ماں کو لے آیا، پہلے گاڑی میں جگہ نہیں تھی پھر دو آدمیوں کی جگہ پیدا ہو گئی۔ اور اسمیں ایک خوشبو ہر طرف پھیل رہی تھی۔

میں نے دوبارہ وہاں کے کارکنوں کی طرف توجہ کی تو دیکھا کہ کسی ایک کو بھی بولنے کی طاقت نہیں تھی۔ اور سب مبہوت ہو رہے تھے۔

ابھی موٹر کو اسٹارٹ ہوئے دس منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ میں نے اپنے کو کاظمین میں کارواں سرائے فرمانفرما کے پاس پایا۔

(۱۴۱)

مدح امیر المومنینؑ میں قصیدہ اور عجیب خواب

نیز جناب مولوی فرماتے تھے کہ میں مشہد مقدس میں سکونت پذیر تھا۔ اور جوانی ہی میں امام رؤف و کریم حضرت رضا علیہ السّلام کے فیض و برکات اور احسانات کے تحت میری خطابت میری قابلیت سے زیادہ مقبول اور جاذب توجہ تھی۔ میں مرحوم شیخ علی اکبر نہاوندی سیّد رضا قوچانی، شیخ رمضان علی قوچانی، شیخ مرتضیٰ بجنوردی، اور شیخ مرتضیٰ آشیانی کا ملازم تھا۔ اور وہ مجھے مشہد کے علاوہ پاکستان اور قندھار وغیرہ کے اطراف میں بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں شام کے وقت مشہد مقدس واپس ہوا اور مسجد گوہر شاد میں پہونچا۔ ابھی ابھی مغرب کی اذان ہوئی تھی شیخ علی اکبر نہاوندی نماز میں مشغول ہو گئے۔ بعد نماز میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے میرے حالات دریافت کئے اور ہم دونوں نے معانقہ کیا۔ وہ نسوار لے رہے تھے پھر اپنی نسوار مجھے دے دی۔

اسی موقع پر مرحوم حاج قوام لاری کھڑے ہو گئے اور ایک روضہ خوانی کی تمہید قائم کی اس کی ابتدا میں انھوں نے یہ دو شعر پڑھے جو میں نے اس سے پہلے نہیں سنے تھے۔

هَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیفَ بَشَرٌ — رَبُّهُ فِیهِ تَجَلّٰی وَظَهَرَ
هُوَ وَالْوَاجِبُ نُورٌ وَبَصَرٌ — هُوَ وَالْمَبْدَأُ شَمْسٌ وَقَمَرٌ

(یعنی یہ درست ہے کہ علیؑ ایک بشر ہیں، لیکن کیسے بشر؟ ان کے رب نے ان کے اندر تجلّی کی ہے اور ظاہر ہوا ہے کہ، وہ اور ذات واجب الوجود نور اور بینائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اور مبدءِ کائنات آفتاب و ماہتاب کی طرح سے ہیں)

انھیں سننے کے بعد میری حالت میں ایک انقلاب آ گیا۔ آقائے شیخ علی اکبر نہاوندی

نے کچھ کہنا شروع کیا۔ میرا ایک کان ان کی اور ایک کان حاج قوام کی گفتگو پر لگا ہوا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ ان دو شعروں کے علاوہ اب اس سلسلے کے دوسرے اشعار نہ پڑھو۔ میں اپنی اسی کیفیت کے ساتھ گھر آیا تنہائی تھی اور میں نے اپنی طبیعت میں روانی اور ذہن میں رسائی محسوس کی، لہذا قلم اور کاغذ اٹھایا اور تظمین کے طور پر یہ اشعار نظم کئے۔

هَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیفَ بَشَرٌ — رَبُّهُ فِیهِ تَجَلّٰی وَظَهَرَ
عقل کلّی بما داد خبر — اَنَا کَالشَّمْسِ عَلِیٌّ کَالْقَمَرِ
هُوَ وَالْوَاجِبُ نُورٌ وَبَصَرٌ — هُوَ وَالْمَبْدَأُ شَمْسٌ وَقَمَرٌ
عشق افگند بدلہا اخگر — عشق بنمود ہویدا محشر

عشق چہ بود اسد اللہ حیدرؑ

هَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیفَ بَشَرٌ — رَبُّهُ فِیهِ تَجَلّٰی وَظَهَرَ
بشرے پس گلِ آدمؑ کہ سرشت — گر حقی تخم عبادت کہ بکشت
رویت آئینہ ہر ہشت بہشت — مویت آویزۂ ہر دیر و کنشت
کیمیا کن بنظر ایں گل و خشت — تا شود خشت و گلم حور سرشت
من نیم ناصبی و غالیٔ زشت — عشق سرمشق من اینگو نہ نوشت
کہ بمحراب تو ہر شام و سحر — سجدہ آریم بہ نزد دا ور
هَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیفَ بَشَرٌ — رَبُّهُ فِیهِ تَجَلّٰی وَظَهَرَ
گفت غالی کہ علی اللہ است — نیست اللہ صفات اللہ است
متشرع کہ محب جاہ است — اوہم از بیخبری در چاہ است
خوب از بیت و حجر آگاہ است — غافل از قبلۂ شاہنشاہ است
شہر احمد علیش در گاہ است — رو بہ آں قبلۂ شاہنشاہ است

درس اعمال ز قرآں آور
هَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیفَ رَبُّهُ فِیهِ تَجَلّٰی وَظَهَرَ

علیؑ اے مخزن سرّ معبود — رونق افزائے گلستان وجود

کعبہ از قوس نزولت مسعود　　مسجد کوفہ ترا قوس صعود
خالقت چوں در ہستی بکشود　　عشق بازی بتو بودش مقصود
غرض از عشق و محبّت این بود　　تاکشائد بجہاں سفرۂ جود
من چہ گویم بہ مدیح حیدرؑ　　عاجز از مدح علیؑ جن و بشر
ھَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیْفَ بَشَرٌ　　رَبُّہٗ فِیْہِ تَجَلّٰی وَظَھَرَ
حسن روسیہ نامہ تباہ　　پناہ آوردہ بہ قنبر اے شاہ
اگرش بار دہد و اشوقا　　ور براندز درش وا ویلا
یاعلیؑ قنبرت انشاء اللہ　　ردّ سائل نکند از درگاہ
قنبرا کن بہ من خستہ نگاہ　　حَسْبِیَ اللّٰہُ وَمَاشَاءَ اللّٰہُ
مستم از بادۂ حبّ حیدرؑ　　علیم جنت و قنبر کوثر
ھَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیْفَ بَشَرٌ　　رَبُّہٗ فِیْہِ تَجَلّٰی وَظَھَرَ

(خلاصہ یہ کہ ہمیں عقل کل نے خبر دی کہ میں آفتاب اور علی ماہتاب کے مانند ہیں۔ وہ اور ذات واجب الوجود نور اور بینائی کی جگہ نیز وہ اور مبدء کائنات گویا چاند اور سورج ہیں۔

عشق ہی نے دلوں میں سوز و گداز پیدا کیا۔ اور عشق ہی نے حشر برپا کیا، اور عشق ہی علیؑ شیر خدا ہیں۔ وہ ایسے بشر ہیں کہ حضرت آدمؑ کی مٹّی کا خمیر کرنے کے بعد اس میں عبادات کی تخم ریزی کی آپ کا چہرہ آٹھوں بہشتوں کا آئینہ اور آپ کا بال عباد تگاہوں کا گوشوارہ ہے۔ میری طینت کو اپنی نظر عنایت سے کیمیا بنا دیجئے تاکہ اس میں حور و ملک کی خصلت پیدا ہو جائے۔ میں ناصبی اور غلو کرنے والا بد تر آدمی نہیں ہوں۔ عشق نے میری سرنوشت اس طرح لکھی ہے کہ میں آپکی محراب میں صبح و شام خدا کا سجدہ کروں۔ غالی کہتا ہے کہ علی خدا ہیں وہ خدا تو نہیں ہیں۔ البتہ صفات الٰہی کے مظہر ہیں۔ جو مذہب کی نمائش کرنے والا جاہ و مال کا بھوکا ہے۔ وہ لاعلمی کی وجہ سے کنوئیں کا مینڈک ہے۔ وہ خانۂ کعبہ اور حجر اسود سے تو واقف ہے لیکن شہنشاہی قبیلے سے غافل ہے۔ رسول خداؐ شہر علم

اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔ انھیں قبلۂ معرفت کی طرف اپنا رُخ کرو اور قرآن مجید سے اپنے اعمال کا سبق حاصل کرو۔

یا علیؑ! اے راز الٰہی کے مخزن اور باغ عالم کی رونق بڑھانے والے، آپ کے نزول اجلال سے کعبے کو سعادت حاصل ہوئی۔ اور مسجد کوفہ آپ کی بلند پروازی کی پہلی منزل بنی جب آپ کے خالق نے عالم ایجاد کا دروازہ کھولا تو اس سے آپ ہی کا عشق و محبت مقصود تھا۔ اور اس عشق و محبت کی غرض یہ تھی کہ اہلِ عالم کے سامنے جود و کرم کا دستر خوان بچھایا جائے۔ میں امیر المومنینؑ کی مدح و ثنا میں کیا کہوں جب کہ آپ کی مدح سے جن و بشر سبھی عاجز ہیں۔

اے شاہِ دین و دنیا یہ روسیاہ حسن جس کا نامۂ اعمال گناہوں سے پُر ہے حضرت قنبر کی پناہ میں آیا ہے۔ اگر وہ پناہ دیدیں تو یہی میرے شوق کی تکمیل ہوگی۔ اور اگر اپنے دروازے سے دھتکار دیں تو ہائے افسوس۔ یا علیؑ! آپ کے قنبر انشاء اللہ سائل کو اپنی درگاہ سے محروم واپس نہیں کریں گے۔ اے قنبر مجھ خستہ حال پر ایک نگاہ کرم کیجئے۔ میں حُبّ علیؑ کی شراب سے مست ہوں۔ علیؑ میری جنّت ہیں اور قنبر میرے لئے کوثر۔ ھَا عَلِیٌّ الخ)

اس واقعے کو چار سال گزر گئے ہیں لیکن مجھے علم نہیں ہو سکا کہ میری یہ مدح قبول ہوئی یا نہیں؟ ایک روز دن کی غذا کے بعد میں سو رہا تھا کہ عالمِ خواب میں دیکھا کہ کربلائے معلّٰی سے مشرف ہوا ہوں۔ اور رواق مبارک میں حاضر ہوں، لیکن حرم مطہر کے دروازے بند ہیں۔ اور زائرین رواق کے اندر زیارت وارثہ پڑھنے میں مشغول ہیں۔ میرے دل میں اضطراب پیدا ہوا کہ دروازے کس لئے بند ہیں۔ میں چونکہ ابھی ابھی پہونچا تھا لہٰذا دریافت کیا کہ آیا دروازے کُھلیں گے یا نہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ہاں ایک ساعت کے بعد کُھلیں گے۔ ابھی اولین و آخرین کے علماء و مجتہدین حرم کے اندر مدح و عزاداری میں مشغول ہیں۔ میں اسی عالمِ خواب میں قتل گاہ کی طرف آیا۔ میرے دل کو قرار نہیں آرہا تھا۔ اس روزن کے پاس پہونچ کے جو بالائے سر مبارک واقع ہے نظر ڈالی تو اس کے اندر سے دیکھا کہ علماء کا مجمع ہے اور ان میں سے چند کو پہچانا بھی۔ مجلسیؒ، مُلّا محسن فیضؒ، سیّد اسمٰعیل صدرؒ، میرزا حسن شیرازی

اور شیخ جعفر شوستریؒ حاضر تھے۔ اور حرم مجمع کی کثرت سے بھرا ہوا تھا۔ سب کے رُخ ضریح اقدس کی جانب اور پُشتیں روزن کی طرف تھیں۔

ان سب کے سرگروہ مرحوم حاج حسین قمیؒ تھے۔ وہ حکم دیتے تھے کہ فلاں آقا جائیں، اور پڑھیں اور ان کے پڑھنے کے بعد دوسرے لوگ اَحسَنتَ اَحسَنتَ کہتے تھے اور گریہ کرتے تھے۔ اسی طرح میں نے متعدد افراد کو دیکھا۔ کہ منبر کے اوپر گئے اور پڑھنے کے بعد نیچے اتر کے بیٹھ گئے۔ اس عالم رویا میں مَیں نے بچّوں کی مانند روشن دان میں داخل ہو کے ادھر سے ادھر زور آزمائی شروع کی۔ ناگہاں اپنے کو حرم مطہر کے اندر پایا، لیکن وہاں سوائے آقائے قمی کے پہلو کے اور کہیں جگہ نہ تھی۔ لہٰذا مجبوراً وہیں بیٹھ گیا۔

جس وقت آقائے قمیؒ مشہد مقدس میں تھے میں ان سے بہت عقیدت رکھتا تھا اور، بالآخر ان کا وکیل بھی رہا۔ وہ بلند آواز سے اعلان کر رہے تھے جونہی مجھے دیکھا تو فرمایا، مولوی حسن میں نے عرض کیا۔ میں آپ پر فدا کیا حکم ہے۔؟ فرمایا، اٹھو اور پڑھو! میں پس وپیش میں پڑ گیا کہ آقا کے حکم کی تعمیل کس طرح کروں۔ اور اس اعلان کے پیش نظر کس آیت کو عنوان بناؤں کس حدیث سے مطابقت کروں، اور کس رُخ سے مصائب کی طرف گریز کروں ناگہاں میرے دل میں غیبی الہام ہوا۔ اور میں نے پڑھنا شروع کیا۔ ھَا عَلیٌّ بَشَرٌ کَیفَ بَشَرٌ، الی آخرہ۔

جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میرا دل تڑپ رہا تھا اور کثرت سے پسینہ نکلا ہوا تھا گویا میں مر رہا تھا۔ میں خدا کا شکر بجالایا کہ بحمداللہ میری مدح عنایت اور توجہ کی مستحق قرار پائی۔

---

(۱۴۲)

بغیر عینک کے پڑھنا

جناب آقائے حاج محمد حسن ایمانیہ جن سے متعدد داستانیں اس کتاب کے اوائل میں نقل کی جا چکی ہیں۔ ماہ رجب ۹۴ھ میں مشہد مقدس میں امام رضا علیہ السّلام کی زیارت سے مشرف ہوئے وہاں سے واپسی کے بعد بتایا کہ زائرین کی اس قدر کثرت تھی کہ حرم مطہر کے اندر پہونچنے میں سخت دشواری تھی ایک روز میں شدید زحمت اور مشقّت کے بعد حرم میں وارد ہوا اور مفاتیح کھول کے عینک نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا کیونکہ چند برسوں سے میں بغیر عینک کے لکھنے پڑھنے سے معذور تھا۔ معلوم ہوا کہ میں عینک ساتھ لانا ہی بھول گیا ہوں۔ میں سخت رنجیدہ اور شکستہ خاطر ہوا۔ کہ کس مصیبت اور پریشانی سے تو حرم میں داخل ہو سکا اور اب زیارت بھی نہیں پڑھ سکتا۔ اسی وقت میری نگاہ مفاتیح کی عبارت کے اوپر پڑی تو دیکھا کہ حروف صاف نظر آرہے ہیں۔ اور میں انھیں بخوبی پڑھ سکتا ہوں۔ میں بہت خوش ہوا پوری سہولت کے ساتھ زیارت پڑھی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ زیارت سے فراغت اور حرم سے باہر آنے کے بعد پھر مفاتیح کھول کے دیکھی تو معلوم ہوا کہ اب نہیں پڑھ سکتا اور پہلے ہی کی طرح بغیر عینک کے حروف پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ اور اس کے بعد سے ابتک اسی حالت میں ہوں۔

میں نے سمجھ لیا کہ یہ لطف وعنایت انھیں حضرتؑ کی جانب سے تھی۔

(۱۴۳)

زیارت عاشوراء سے ردّ بلا

علامۂ بزرگوار حضرت آقائے شیخ حسن فرید گلپایگانی نے جو تہران کے صفِ اوّل کے علماء میں سے ہیں اپنے استاد مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ عبد الکریم یزدی حائری اعلی اللہ مقامہ سے ان کا یہ بیان نقل کیا کہ میں جن ایّام میں سامراء کے اندر دینی علوم کی تحصیل میں مشغول تھا ایک بار وہاں کے باشندے طاعون کی وبائی بیماری میں مبتلا ہوئے اور روزانہ کئی کئی موتیں ہونے لگیں۔

ایک روز میرے استاد مرحوم سیّد محمد فشارکی اعلی اللہ مقامہ کے مکان پر کچھ اہلِ علم یکجا تھے۔ ناگاہ مرحوم آقائے میرزا محمد تقی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ جو علمی مرتبے میں مرحوم فشارکی کے ہم پلّہ تھے۔ تشریف لائے اور وبائی بیماری کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ کہ اس وقت سبھی لوگ موت کے خطرے سے دوچار ہیں۔ مرحوم میرزا نے فرمایا کہ اگر میں حکم کروں تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس کو انجام دیا جائے گا یا نہیں۔؟ سب نے اس پر عمل کرنے کی تائید کی پس انھوں نے فرمایا کہ میرا حکم یہ ہے کہ سامراء میں رہنے والے سبھی شیعہ آج سے دس دنوں تک روزانہ زیارت عاشوراء پڑھیں اور اس کا ثواب حضرت حجت العصر عجل اللہ فرجہ کی والدۂ ماجدہ جناب نرجس خاتون کی روح پاک کو ہدیہ کریں تاکہ یہ بلا ان سے دور ہو جائے۔ اہلِ مجلس نے یہ حکم تمام شیعوں کو پہونچایا اور سب زیارت عاشوراء پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

دوسرے ہی دن سے شیعوں کا اتلاف جان موقوف ہو گیا۔ لیکن اہلسنّت میں برابر موتیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ یہ صورتحال سبھی پر ظاہر ہو گئی۔

کچھ سنّیوں نے اپنے شیعہ دوستوں سے پوچھا کہ اب تم لوگوں کا کوئی جانی نقصان نہیں ہو رہا ہے؟ اس کا کیا سبب ہے؟ انھوں نے کہا زیارت عاشوراء۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اسمیں مشغول ہو گئے۔ اور ان سے بھی یہ بلا برطرف ہو گئی۔

جناب آقائے فرید سلمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ایک بار مجھے ایک سخت پریشانی کا سامنا ہوا تو مجھ کو ان مرحوم کی ہدایت یاد آئی۔ اور میں نے محرم کی پہلی تاریخ سے زیارت عاشوراء پڑھنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ کو غیر معمولی طریقے سے خوشحالی اور نجات حاصل ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرزائے شیرازی کی منزل اس سے بالاتر ہے۔ کہ اپنی طرف سے کوئی نئی بات کہدیں۔ اور چونکہ یہ توسّل یعنی دس روز تک زیارت عاشوراء پڑھنا کسی بھی روایت میں کسی معصوم سے منقول نہیں ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوار کو رویائے صادقہ (سچے خواب)، یا مکاشفے، یا مشاہدے کے ذریعے امامؑ کی طرف سے ایسا کوئی حکم دیا گیا ہو۔ اور اس عمل کی تاثیر بھی سامنے آ گئی۔

مرحوم حاج شیخ محمد باقر شیخ الاسلام موصوف نے نقل کیا کہ کربلائے معلّٰی میں ایامِ عاشورہ کے اندر مرحوم میرزائے شیرازی کے گھر پر روضہ خوانی کی مجلسیں ہوتی تھیں اور بروز عاشوراء وہ طلّاب اور علماء کی ہمراہی میں حضرت سیّد الشہداءؑ اور حضرت ابو الفضل العبّاسؑ کے روضوں پر جا کے عزاداری کرتے تھے میرزا کی عادت یہ تھی کہ روزانہ اپنے بالاخانے میں زیارت عاشوراء پڑھتے تھے اس کے بعد نیچے آ کر مجلسِ عزاء میں شریک ہوتے تھے ایک روز جبکہ میں خود وہاں موجود تھا ناگاہ اپنے آنے کے وقت سے پہلے ہی میرزا غیر معمولی طور سے پریشان حال اور نالہ و زاری کرتے ہوئے زینوں سے نیچے آئے اور مجلس میں داخل ہو کے فرمانے لگے کہ آج آپلوگ حضرت سیّد الشہداءؑ کی پیاس کی مصیبت بیان کر کے نوحہ و ماتم کیجئے۔ یہ سُن کے تمام اہلِ مجلس بے حال ہو گئے۔ اور بعض اشخاص پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد اسی عالم میں ہملوگ میرزا کے ہمراہ صحن مبارک اور حرم اقدس میں حاضر ہوئے۔

گویا جناب میرزا اس یاددہانی پر معمور ہوئے تھے کہ بالجملہ جو شخص زیارت عاشوراء حضرت سیّد الشہداءؑ سے توسل کی نیت سے (نہ کہ معصومؑ سے مروی ہونے کی غرض سے) ایک روز یا دس روز یا چالیس روز تک پڑھے تو یقیناً یہ عمل درست اور موثر ہوگا۔ اور بیشمار اشخاص اس وسیلے سے اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مرحوم میرزا تقی محمد شیرازی نے سنہ ۱۳۳۰ھ میں کربلائے معلّٰی میں وفات پائی اور جنوب مشرقی صحن مبارک میں دفن ہوئے۔

MAULANA NASIR DEVJANI
MAHUVA, GUJARAT, INDIA
PHONE : 0091 2844 28711
MAIL : devjani@netcourrier.com

(۱۴۴)

ایک مردِ خدا کی کرامتیں

میں دسویں جمادی الثانیہ سنہ ۹۷ ہجری کو کربلائے معلّٰی میں سیّد مجاہد اعلی اللہ مقامہ کے مقبرے میں تھا، اور جناب آقائے حاج سیّد نور الدین آیۃ اللہ زادۂ میلانی، آقائے حاج سیّد عبد الرسول خادم، فاضل محترم آقائے حاج سیّد محمد طبا طبائی ابن سیّد مرتضٰی برادر سیّد محمد علی جو سیّد مجاہد کے پوتوں اور کربلا کے ائمہ جماعت میں سے ہیں نیز چند اہلِ علم موجود تھے۔ جب عالم مجاہد مرحوم حاج سیّد محمد علی سے جو سیّد مجاہد کے پوتوں اور سیّد صاحب ریاض کے نواسوں میں سے تھے اور جن کے انتقال کو تقریباً دس سال ہو رہے ہیں۔ ایک عجیب داستان نقل ہوئی جسے آقائے عبد الرسول نے انھیں بزرگوار مرحوم سے سنا تھا اور آقائے سیّد محمد طبا طبائی نے اپنے مرحوم والد سیّد مرتضٰی سے جو مرحوم آقائے سیّد محمد علی کے بھائی تھے اور آقائے میلانی نے بزرگوار عالم مرحوم آقائے بنی صدر ہمدانی کے واسطے سے ان مرحوم سے نقل کیا ہے۔ مرحوم آقائے سیّد محمد علی ایک غیور انسان، دین کے بارے میں سخت عقیدے کے حامل، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیز دینی جہاد میں کوشاں رہتے تھے اور عراق پر انگریزوں کے تسلّط کے زمانے میں دو سال تک قید میں بھی رہ چکے تھے۔ الخ

ان کے خصوصیات میں سے یہ چیز بھی تھی کہ حرم مطہر کے اندر اپنی حاضری کے اوقات میں صرف نماز و دعا اور زیارت کے کسی سے بات نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی شخص ان سے کوئی سوال بھی کرتا تھا تو اس کو جواب نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ اسے ادب کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور اسے

اشارے سے بتادیتے تھے کہ حرم کے باہر پوچھنا۔

ایک روز اپنے سجّادے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شیخ (جن کا نام بعد کو غالباً شیخ محمد علی بتایا تھا) آئے اور باوجود اس کے ان سے کوئی سابق تعارف اور جان پہچان نہیں تھی فرمایا کہ، سیّد محمد علی اٹھو اور میرے لئے ایک مکان کا انتظام کرو۔

باوجود اس کے کہ سیّد مرحوم عادتاً حرم اقدس کے اندر کسی بزرگ شخصیت کی جانب بھی کوئی اعتنا نہیں کرتے تھے۔ بے بس ہو کر کہنے لگے میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد حرم سے باہر نکل گئے اور انھیں مقبرۂ مرحوم شریف العلماء کے کوچے میں ایک مکان پہ لے گئے۔ جو بالکل درست حالت میں تھا۔ اور ان سے سفارش کی کہ یہ مکان خالی بھی ہے۔ اور صاف ستھرا بھی، پھر انھیں اسمیں ٹھہرا کے واپس آئے۔ دوسرے روز ان کی زیارت کے لئے گئے۔ تو شیخ نے انھیں بٹھانے کے بعد چونے کے چند چھوٹے ٹکڑے جو حجرے کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے تھے اٹھا کے ان کے ہاتھ میں دیئے اور فرمایا، دیکھو کیا چیز ہے؟ انھوں نے دیکھا تو سب بیش قیمت جواہرات تھے۔ اس کے بعد فرمایا، اگر ضرورت ہو تو لیتے جاؤ۔ سیّد نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان سے واپس لے کر پھر زمین پر ڈال دیئے۔ اور وہ اپنی حالت پر پلٹ گئے۔ اسی روز یا دوسرے روز انھوں نے سیّد سے کہا۔ کہ ہم قبر حضرت حرؑ کی زیارت کو چل رہے ہیں۔ اور نہر فرات کے کنارے سے پاپیادہ روانہ ہوئے۔ پس وہ ایک بار پانی پر چلتے ہوئے اسکے وسط میں پہونچے۔ اور بیٹھ کے وضو کیا، پھر سیّد سے کہا تم بھی آ کے اسی جگہ وضو کرو۔ سیّد نے کہا میں پانی پر نہیں چل سکتا وہ شیخ وضو تمام کر کے سیّد کے پاس واپس آئے اور ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ایک ناگاہ بہت بڑا سانپ نظر آیا جو انھیں لوگوں کی طرف آ رہا تھا۔ سیّد بہت مضطرب اور خوفزدہ ہوئے تو شیخ نے کہا۔ کیا تم ڈر گئے؟ سیّد نے کہا ہاں! میں بہت ڈرتا ہوں فرمایا ڈرو نہیں، جب وہ نزدیک آیا تو فرمایا "یاحیۃ مت باذن اللہ" یعنی اے سانپ خدا کے اذن سے مرجا۔ اور سانپ بے حس و حرکت ہو گیا۔ سیّد کہتے ہیں میں نے اس پر سخت تعجب کیا۔ اور دوسرے روز صبح کو دل میں کہا کہ چل کر تحقیق کرنا چاہیئے۔ کہ آیا واقعاً کوئی سانپ تھا یا مجھے نظر ہی آیا تھا۔ اور آیا حقیقتاً وہ مر گیا تھا یا وقتی طور سے بے حس ہو گیا تھا اور ہم لوگوں کے

پہلے آنے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔

چنانچہ اسی مقام پر پہونچ کے دیکھا تو اس کے مردار کو جانوروں نے کھالیا تھا۔ اور اس میں سے تھوڑا ابھی باقی تھا۔ میں نے یقین کرلیا کہ شیخ کے کام میں حقیقت تھی۔ میں شیخ کی ملاقات کے لئے گیا تو میرے پہونچتے ہی فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ سانپ کی تحقیق کے لئے چلے گئے کیونکہ عین الیقین بہتر ہوتا ہے۔

اُسی دن یا دوسرے روز فرمایا کہ، اب ہم اہل قبور کی زیارت کے لئے چلیں گے۔ جب ہم وادئ ایمن میں پہونچے تو (کربلائے معلّٰی کے قبرستان کو وادئ ایمن کہتے ہیں) اور فاتحہ پڑھنے میں مشغول ہوئے تو فرمایا کہ، مجھے اس مقام پر دفن کرنا۔ لیکن میں نے ان کی اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم جناب امیرؑ کی زیارت کے لئے نجف اشرف چلنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو اور آنکھیں بند کرلو۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں فرمایا کہ آنکھیں کھول دو۔ میں نے دیکھا کہ ہم امیرالمومنین علیہ السّلام کے صحن مقدس میں ہیں ہم دونوں حرم مقدس سے مشرف ہوئے اور نماز و دعا کے بعد باہر آئے تو فرمایا، تمھاری کیا خواہش ہے۔ ہم لوگ آج کی رات نجف اشرف میں رہیں یا کربلائے معلّٰی واپس چلیں؟ میں نے کہا واپسی بہتر ہے۔ انھوں نے پھر میرا ہاتھ تھاما اور میں نے آنکھیں بند کیں۔ ابھی کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے آنکھیں بند کیں۔ تو کربلائے معلّٰی میں کھڑا تھا۔ وہ اپنے گھر گئے اور میں بھی اپنے گھر جاکے سوگیا۔

صبح کو اٹھا تو شیخ کی ملاقات کے لئے گیا۔ جب وہاں پہونچا تو دیکھا کہ مالک مکان رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، شیخ مرحوم ہوگئے۔ جب میں حجرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ خود سے قبلہ رو لیٹے ہوئے ایسی نیند سو رہے ہیں جس کے لئے بیداری نہیں۔

بظاہر وہ شیخ ابدال میں سے ایک فرد تھے جو سیّد مرحوم کی تقویت ایمان کے لئے خدا کی طرف سے مامور تھے۔ اور انھوں نے ان کو آیات الٰہی کے ایک جزء کا مشاہدہ کرایا۔ اس داستان کی نظیر وہ واقعہ ہے جسے ایک بزرگ عالم نے نقل فرمایا، کہ نجف اشرف کے

مجاورین میں سے ایک شخص خارق عادت اور ماورائے طبیعت امور کی نسبت وسوسے میں مبتلا تھا۔ اور اپنے اس مرض کے علاج کے لئے حضرت سیّدالشہداء علیہ السّلام سے متوسّل ہوا تھا۔

ایک مرتبہ کربلائے معلّٰی سے نجف اشرف جانے کے لئے بس میں سوار ہوا تو ایک اجنبی اور ناشناس آدمی آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اور راستے میں غیبی امور کے بارے میں گفتگو کی۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر بس نے توقف کیا۔ اور مسافر نیچے اتر گئے وہ اجنبی اس کا ہاتھ تھام کے ایک گڑھے کے پاس لایا تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک مُردہ پرندہ پڑا ہوا ہے۔ اس نے کہا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مُردہ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پس اس شخص نے اس مرے ہوئے طائر سے خطاب کیا اور کہا "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ"، دفعتاً وہ طائر زندہ ہوکر ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ اس کے بعد اس اجنبی نے فرمایا کہ مُردے کو زندہ کرنا تو اس درگاہ کے طفل مکتب کا کام ہے۔ اس کے بعد سب لوگ سوار ہوکے روانہ ہوئے۔ نجف اشرف کے قریب پہونچ چکے اس شخص نے اس بزرگ سے پوچھا۔ کہ اب آپ سے کہاں ملاقات ہوگی فرمایا کہ کل صبح کو قبر کمیل کے نزدیک۔

دوسرے روز جب یہ شخص وہاں پہونچا تو اس مقام پر ان مرحوم کا جنازہ نظر آیا۔

(۱۴۵)

اہلبیتؑ کے برکات اور توسّل سے شفاء

بتاریخ ۱۶ رجمادی الاولی ۱۳۹۷ھ کربلائے معلّٰی میں جناب آقائے عبدالرسول خادم حضرت ابو الفضل العبّاس علیہ السّلام نے نقل کیا کہ چند سال قبل مرحوم حاج عبدالرسول رسالت شیرازی نے تہران سے تار برقی کے ذریعے اطلاع دی کہ آقائے ناصر رہبری (اگریکلچر یونیورسٹی تہران کے نگراں زیارت کے لئے حاضر ہو رہے ہیں۔ ان کی مہمانداری کی جائے چند روز کے بعد میرے گھر پر خبر دیدی گئی۔ کہ چند ایرانی زائرین کو تمھاری تلاش ہے۔ جب میں کار کے قریب پہونچا تو دیکھا کہ ایک مرد اور ان کے ہمراہ ایک خاتون ہیں۔ خاتون کار سے نیچے اتریں اور آہستہ سے مجھے سمجھایا کہ یہ میرے شوہر آقائے رہبری ہیں جو ایک مدّت سے بیمار ہیں۔ ان کے پشت کے مہروں کی ہڈّی خشک ہوگئی ہے یہ آٹھ ماہ سے ہسپتال میں داخل تھے لیکن اب ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ اور لندن کے ہسپتال نے بھی یہی بتایا ہے کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اور یہ جلد ہی مر جائیں گے اور ہم لوگ اب شفا طلب کرنے کے لئے یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ وہ تنہا جنبش کرنے پر قادر نہیں تھے لہٰذا دو حمّال بلائے گئے جو انھیں بغلوں میں ہاتھ دے کر مکان کی طرف لے چلے۔ آہنی آلات کے ذریعے ان کے سینے اور پشت کی بندش کی گئی تھی اور وہ انتہائی زحمت کے ساتھ چند منٹ میں ایک قدم اٹھاتے تھے۔ ان کی نگاہ گنبد مطہر کے اوپر پڑی تو پوچھا کہ یہ آقا امام حسین علیہ السّلام ہیں یا قمر بنی ہاشمؑ، میں نے کہا قمر بنی ہاشمؑ ہیں۔ انھوں نے شکستہ دلی اور چشمِ گریاں کے ساتھ عرض کیا۔ آقاؑ میں امام حسین علیہ السّلام کی

بارگاہ میں کوئی عزّت و آبرو نہیں رکھتا۔ آپ اپنے بھائی حسینؑ سے درخواست کر دیجئے کہ وہ خدا سے سفارش کر دیں کہ اگر میری زندگی تمام ہو چکی ہے تو میں اسی جگہ آپ کے زیرِ سایہ مر جاؤں۔ اور اگر کسی قدر عمر باقی ہے تو اس حالت میں واپس نہ جاؤں کہ دشمن خوش ہو اور وہ میرا علاج کرے۔ ان کا تقریباً آٹھ سال کا ایک بچّہ بھی ان کے ہمراہ تھا وہ گریہ و زاری کرتا ہوا کہہ رہا تھا کہ اے قمر بنی ہاشمؑ! قریب ہے کہ میں یتیم ہو جاؤں۔ میں نے وہاں آپکی مجلس عزاء میں خدمت کی ہے اور میں وہاں فنجانوں کو جمع کرتا تھا۔ میرے باپ کو شفا دیجئے۔

اس کے بعد انھوں نے کہا، مجھے حرم مبارک میں لے چلو، تاکہ زیارت کر سکوں، میں نے کہا اس حالت میں یہ ممکن نہیں ہے لیکن وہ نہیں مانے اور ہم نے اسی حال میں انھیں دونوں حرموں تک پہونچا دیا۔ راستے میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہوئے اور میں نے انتہائی زحمت کے ساتھ انھیں گھر تک لا کے تخت کے اوپر لٹا دیا۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ خود سے جنبش نہیں کر سکتے تھے اور دوسرے لوگوں کو انھیں کروٹ بدلوانا پڑتی تھی۔ دوسرے روز اصرار کیا کہ مجھے نجف لے چلو۔ ہم انھیں سخت دشواری کے ساتھ نجف اشرف لے گئے۔ لیکن وہ حرم کے اندر تک مشرف نہ ہو سکے اور باہر ہی سے زیارت کی اس کے بعد کربلائے معلّٰی واپس لائے۔ اب انھوں نے اصرار کیا کہ مجھ کو کاظمین اور سامراء لے چلو، میں نے کہا راستے کی تکان سے ہلاکت کا خطرہ ہے۔ تو کہا، میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مرنا ہی ہے تو ان مشاہد مشرفہ کی زیارت کے بعد موت آئے بالآخر کسی طرح سے انھیں روانہ کیا۔ واپسی میں ان کی بیگم نے نقل کیا کہ سامراء سے باہر نکلنے کے بعد ڈرائیور نے پوچھا کہ آیا تم امام زادہ سیّد محمد (فرزند حضرت ہادی علیہ السّلام) کی زیارت بھی کرنا چاہتے ہو۔ (اس زمانے میں ان حضرت کی قبر ڈامر کی پختہ سڑک سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور راستہ بھی خام اور ناہموار تھا) آقائے رہبری نے کہا مجھے لے چلو، پس ہم لوگوں نے انتہائی جانفشانی کے ساتھ زیارت کی۔ واپسی پر ایک مرد عرب نے جو سر پر سبز عمامہ باندھے ہوئے تھے گاڑی کا راستہ روک لیا۔ اور ڈرائیور سے عربی میں بات کرنے لگے اور ڈرائیور بھی جواب دیتا رہا آقائے رہبری نے پوچھا۔ یہ سیّد صاحب کیا کہہ رہے ہیں ڈرائیور نے

بتلایا، کہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے پختہ سڑک تک گاڑی میں بٹھالو، لیکن میں نے کہہ دیا کہ پوری گاڑی ان کے لئے ریزرف ہے۔ اور مجھے کوئی دوسری سواری بٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ آقائے رہبری نے کہا انھیں سوار کرلو۔ جب وہ سوار ہوئے تو سلام کیا اور ڈرائیور کے پاس بیٹھ گئے۔

اثنائے راہ میں آقائے رہبری نالہ و فریاد کرتے تھے اور کہتے تھے یا صاحبؑ الزمان! سیّد نے فرمایا تم حضرتؑ سے کیا چاہتے ہو۔ میں نے (بیگم رہبری نے) ان کی بیماری کے حالات بیان کئے تو سیّد نے کہا، میرے قریب آؤ۔ انھوں نے کہا میں جنبش نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد کوشش کرکے کچھ نزدیک ہوئے۔ سیّد نے ہاتھ بڑھا کے ان کی ریڑھ کی ہڈّی کے مہروں کے اوپر پھیرا اور فرمایا اگر خدا نے چاہا تو انشاء اللہ صحتیاب ہو جاؤ گے۔ سیّد کی بات سے ہم لوگوں کے دلوں میں ایک امیّد پیدا ہوئی۔ میں نے کہا، آقا! ہم آپ کے لئے کچھ نذر کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا بہتر ہے۔ میں نے کہا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا "سیّد عبداللہ" (بندۂ خدا) آقائے رہبری نے کہا، آپ کا قیام کہاں ہے؟ تاکہ ڈاک کے ذریعے وہاں بھیج سکوں۔ فرمایا ڈاک کے ذریعے ہمکو نہیں پہونچتا ہے۔ تم جو کچھ میرے لئے نذر کرو جس سے ملاقات ہو اسے دیدینا۔

جب ہم پختہ سڑک کے پاس پہونچے تو فرمایا، ذرا ٹھہرو۔ پھر جب اترنے لگے تو فرمایا۔ آقائے رہبری! آج کی رات شب جمعہ ہے۔ اور خدا نے اجابت دعا کو میرے جدّ حسینؑ علیہ السّلام کے قبّے کے نیچے اور شفا کو ان کی تربت میں قرار دیا ہے۔ آج کی شب اپنے کو ان کی قبر مطہر تک پہونچاؤ اور ان سے میرا پیغام عرض کرو۔ انھوں نے کہا جو فرمائیگا میں عرض کروں گا۔ فرمایا کہنا یا امام حسینؑ! آپ کے فرزند نے میرے لئے دعا کی ہے۔ آپ آمین کہہ دیجئے۔ اس کے بعد وہ بزرگوار سیّد چلے گئے۔ اور یہ اپنی محویت سے ہوش میں آئے تو کہا کہ یہ آقا کون تھے؟ اور ڈرائیور سے کہا کہ دیکھو وہ کس طرف گئے ہیں، ان کا پتا لگاؤ، ڈرائیور نے ہر طرف نگاہ دوڑائی لیکن انکا سُراغ نہیں ملا۔

خلاصہ یہ کہ آقا سیّد عبدالرسول کہتے ہیں کہ ہم اسی شب انھیں حرم امام حسین علیہ السّلام میں لے گئے اور وہ بار بار یہی عرض کر رہے تھے کہ آقا! میں آپ سے ایک آمین چاہتا ہوں آپ کے فرزند نے یہی کہا ہے۔ اور ان کی حالت ایسی تھی کہ جو لوگ ان کے قریب تھے دیکھ دیکھ کے

اور رہے تھے۔ پھر ہم نے انھیں قیام گاہ پر لاکر تخت کے اوپر لٹادیا۔ چونکہ ان کے اوپر سفر کے تعب اور تکان کا بہت اثر تھا۔ اس وجہ سے ان کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔

صبح کی اذان سے قبل میں سو رہا تھا جب گھر کی خادمہ نے حجرے سے مجھے آواز دی، میں باہر نکلا اور پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا آ کے تماشہ دیکھئے۔ آقائے رہبری نماز پڑھ رہے ہیں مجھ کو تعجب ہوا اور دروازے کے شیشے سے نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ سجادے پر کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے ان کی بیگم سے ماجرا دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ سحر کے وقت انھیں نے مجھے آواز دی، میں اٹھی تو کہا وضو کے لئے پانی لے آؤ۔ میں نے کہا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ وضو نہیں کرسکیں گے۔ انھوں نے کہا عالمِ خواب میں امام حسین علیہ السّلام نے مجھ سے فرمایا ہے کہ خدا نے تمھیں شفا بخشی ہے۔ اٹھ کے نماز پڑھو اور میں بھی اپنے اندر کافی طاقت پا رہا ہوں پس میں وضو کے لئے پانی لائی انھوں نے بغیر کسی زحمت کے اٹھ کے وضو کیا۔ پھر کہا مصلّے لے آؤ۔ میں نے کہا، بیٹھ کے نماز پڑھ لیجئے۔ انھوں نے کہا، چونکہ امامؑ نے فرمایا ہے لہٰذا میں یقیناً کھڑے ہو کے پڑھ سکتا ہوں۔ یہ آہنی بند میرے سینے اور پُشت سے کھول دو۔ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر میں نے ساری بندشیں کھول دیں۔ اور یہ اس کے بعد سے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں نماز پڑھنے میں مشغول ہیں۔

میں حجرے کے اندر داخل ہو کے ان سے بغلگیر ہو گیا اور ہم دونوں فرط شوق میں گریہ کرتے ہوئے خدا کی حمد و شکر بجالائے۔

پھر خوشخبری کا تار دیکر تہران میں اس کی اطلاع کی۔ ان کے چند اعزاء آئے اور وہ پوری صحت و عاقبت کے ساتھ شام کی زیارت سے مشرف ہو کر تہران واپس گئے اور آج کی تاریخ تک مکمل صحت کی حالت میں وہاں موجود ہیں۔ اپنی شفایابی کے بعد کئی مرتبہ کربلائے معلّٰی کی زیارت سے اور ایک مرتبہ حج سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بزرگوار سیّد جن سے حضرت سیّد محمد کی راستے میں ملاقات ہوئی تھی رجال الغیب یا ابدال یا پروردگار کے عباد صالحین میں سے ایک فرد تھے جو غیب کی طرف سے اس امر پر مامور تھے کہ بیمار مذکور کو اس مایوسی کی حالت سے چھٹکارا دلا کر امیدوار

بنائیں اور دوسروں کو اس واقعے سے مندرجہ ذیل عبرت اور سبق حاصل کرنے کا موقع دیں۔

پہلی بات یہ کہ قبولیت دعا میں تاخیر کی وجہ سے کسی وقت مایوس نہ ہونا چاہیئے۔
دوسری یہ کہ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے، اس امر پر یقین رکھنا چاہیئے کہ قبۂ حسینیہ کے نیچے دعا مستجاب ہوتی ہے۔
اس کے علاوہ خدا کی راہ میں نذر کرنے کو ایک مطلوب اور مرغوبِ عمل سمجھنا چاہیئے۔

(۱۴۶)

فوری قبولیت اور امام رضاؑ کی عنایت

جناب آقائے محمد حسین رکنی سلمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ میں ۱۳۴۲ھ میں اپنی اہلیہ اور چھ سال کے بچّے کے ساتھ مشہد مقدس کی زیارت سے مشرّف تھا۔ ایک روز ہم ظہر کے بعد حرم اقدس میں حاضر ہوئے۔ میں صحن نو میں اہلیہ اور بچّے کے باہر آنے کا منتظر تھا۔ بہت دیر انتظار کرنے کے بعد میری اہلیہ پریشان حال روتی ہوئی آئیں اور کہا میرا بچّہ کھو گیا ہے۔ میں نے بہت ڈھونڈا لیکن وہ نہیں ملا۔ پس ہم نے حرم اقدس اور صحن مبارک کے ملازمین کو مطلع کیا۔ اور کوتوالی جا کر بھی خبر دی۔ اس کے بعد میں نے امام رضا علیہ السّلام سے عرض کیا کہ میں جیسا بھی ہوں آپ کا مہمان ہوں۔ رات ہونے سے پہلے میرا بچّہ مجھ تک پہونچا دیجئے۔
میں نے کئی مرتبہ صحن کے گرد کی سڑک کا چکر لگایا رستے کی بالائی جانب اور نیچے کی طرف جو نگران اور پہرہ دار نظر آتا تھا اس سے بھی گزارش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو گیا، میں حضرت رضا علیہ السّلام کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا، آقا! رات ہو گئی، اب میں کیا کروں؟ پھر میں روش کے اوپر والے چھجّے پر پہونچا۔ تھکن اور خستگی کی وجہ سے میرے اندر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تھی لہٰذا دونوں ہاتھ اسی آہنی پائپ پر ٹیک دیئے۔ جو راستہ روکنے کے لئے نصب ہے۔ ناگاہ میرا ہاتھ کانپا اور پھسل کے نیچے بیٹھے ہوئے ایک بچّے کے سر پر لگا۔ جسے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے روتے ہوئے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ یہ تو میرا ہی بچّہ ہے۔
معلوم ہوا کہ وہ تھکن اور خوف کی وجہ سے پائپ کے نیچے بیٹھ گیا تھا۔ اور راستے کا منظر دیکھنے میں محو تھا

(۱۴۷)

بسمہ تعالےٰ

میں یعنی عبد الحمید حسانی فرزند عبد الشہید حسانی ساکن فراشبند فارس کتاب ! "داستانہائے شگفت" مؤلفۂ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے حاج سید عبد الحسین دستغیب شیرازی میں امام حسین علیہ السّلام کی خون آمیز تربت کا تذکرہ پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ پھر میرے گھر کے دیگر افراد نے بھی جو فارسی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اسے پڑھا اور سال کے آخر میں محرّم سے قبل میرے والد عازم کربلا ہوئے اور تھوڑی تربت خرید کے لے آئے میری بہن "سارہ خاتون حسانی" ائمہ علیہم السّلام سے متوسّل ہوئیں اور اس تربت میں سے جو میرے والد لائے تھے تھوڑی سی خاک پاک لے کر حرم حضرت ابو الفضل العبّاس علیہ السّلام سے لائے ہوئے ایک پارچے سے لپیٹ دی۔ پھر اسی رات (یعنی شب عاشورہ) شب بیداری کرنے کے بعد ائمہ علیہم السّلام اور جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے التجا کی کہ اگر ہم لوگ آپ کے نزدیک ذرّہ برابر بھی اہلیت رکھتے ہیں تو یہ تربت ہمارے لئے اسی حالت میں آجائے جو آقا نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔

پھر اسی روز عاشورہ نماز ظہر اور وقت ظہر گزرنے کے گیارہ منٹ بعد اس پر نظر ڈالی میری دو بہنیں اور میرے بھائی کی اہلیہ اسے دیکھ کر یکبارگی روتی پیٹتی ہوئی گر پڑیں۔ انھوں نے دیکھا کہ وہی حالت جو آقا نے کتاب میں لکھی تھی موجود ہے۔ اور مذکورہ تربت خون کی صورت اختیار کر چکی ہے۔

اس کے بعد میں مسجد سے آیا تو خود میں نے بھی یہی دیکھا اور اسمیں سے تھوڑی مقدار حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ دستغیب کی خدمت میں بھی لے گیا۔ وہ تربت اب بھی موجود ہے۔ اور

اسکا رنگ کلیجیا ہو چکا ہے۔ اس میں جو تھوڑی سی رطوبت پیدا ہوئی تھی وہ بعد کو بتدریج خشک ہو گئی تھی۔ اس کی وہ کیفیت اب بھی باقی ہے۔

اس واقعے کی نظیر یہ ہے کہ مذکورہ تربت کی تھوڑی سی مقدار ۹۸ھ محرم میں دوبارہ فراشبند فارس کے کوچۂ مسجد الزہراؑ مکان مشہدی عبد الرضا نوشادی میں بھی موجود تھی اور جلسۂ عام میں لوگوں کو دکھائی گئی کہ خون میں مبدّل ہو گئی تھی اور سبھی نے اس کا مشاہدہ کیا۔

بزرگوار عالم حضرت آقائے شیخ محمد تقی ہمدانی نے جن کی فضیلت اور پرہیزگاری پر سارا حوزۂ علمیہ قم متفق ہے۔ اور جو مسجد فرہنگ قم کے امام جماعت بھی ہیں حضرت حجت العصر عجل اللہ فرجہ سے توسّل کی برکت سے عادت کے برخلاف اور غیر معمولی طور سے اپنی زوجہ کی صحت یابی کا حال رقم فرمایا ہے۔ اور ان کی وہی تحریر اس مقام پر نقل کی جا رہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بتاریخ ۱۸ر ماہ صفر ۱۳۹۷ھ روز دوشنبہ ایک ایسا اہم مرحلہ پیش آیا جس نے مجھے اور دیگر افراد کو پریشانی میں ڈال دیا یعنی میری اہلیہ کوہستان شمیران کے اندر ایک ہی وقت میں اپنے دو نوجوان فرزندوں کے جاں بحق ہونے کے صدمے اور سوگ میں دو سال کے مسلسل غم و اندوہ اور گریہ وزاری کے اثر سے اس روز سکتے کے مرض میں مبتلا ہو گئیں۔ ہم لوگ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق دوا اور علاج میں مشغول ہوئے۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ مرض کے اس حملے کے چار روز بعد یعنی ۲۲ر صفر کو شب جمعہ میں تقریباً گیارہ بجے رات کو میں بالاخانے کے اپنے کمرے میں استراحت کے لئے چلا گیا۔ وہاں پہونچ کے کلام اللہ کی چند آیتوں کی تلاوت اور شب جمعہ کی مختصر دعائیں پڑھنے کے بعد خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ امام زمانہ حضرت حجت ابن الحسن صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ المعصومین کو اس امر کی اجازت عطا فرمائے کہ وہ ہماری فریاد کو پہونچیں۔ اور ان حضرت سے متوسل ہونے اور

خدائے تبارک وتعالیٰ سے براہِ راست حاجت طلب نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس حادثے سے تقریباً ایک ماہ قبل میری چھوٹی بیٹی فاطمہ مجھ سے اصرار کر رہی تھی کہ میں اسے ان لوگوں کی حکایتیں اور واقعات پڑھ کے سناؤں۔ جو حضرت بقیۃ اللہ الاعظم امام زمانہؑ روحی وارواح العالمین لہ الفداء کے مورد عنایت قرار پائے اور ان مولاو آقا کے الطاف واحسانات سے سرفراز ہوئے ہیں۔ میں نے بھی اپنی دس سال کی لڑکی کے مطالبے کو قبول کیا اور حاجی نوری کی کتاب "النجم الثاقب" اسے پڑھ کے سنائی۔ اس ضمن میں میں نے بھی غور کیا کہ دیگر صدہا اشخاص کی طرح میں بھی حجت منتظر امام ثانی عشر علیہ السّلام اللہ الملک الاکبر سے کس لئے متوسّل نہ ہوں لہٰذا جیساکہ اوپر کی سطروں میں ذکر کر چکا ہوں رات کے تقریباً گیارہ بجے ان حضرت سے متوسّل ہوا اور غم واندوہ سے بھرے ہوئے دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ سو گیا۔ پھر حسب معمول نصف شب جمعہ کے چار گھنٹوں کے بعد بیدار ہوا تو ناگاہ محسوس ہوا کہ نیچے کے کمرے سے جہاں سکتے کی مریضہ تھی کچھ ملی جلی آوازیں آرہی ہیں۔ اور پھر یہ آوازیں کچھ تیز ہو گئیں۔ جبکہ ان ایام میں اذان صبح کا یہ اوّل وقت ہوتا تھا میں وضو کے قصد سے نیچے اترا تو دیکھا کہ میری بڑی بیٹی جو عام طور پر اس وقت محوِ خواب رہتی تھی بیدار اور نشاط ومسرّت میں غرق ہے جب مجھ پر اس کی نظر پڑی تو کہا آقا! میں آپکو خوشخبری دیتی ہوں۔ میں نے کہا کیا خبر ہے؟ میں نے خیال کیا کہ میری بہن یا بھائی ہمدان سے آئے ہوں گے۔ اس نے کہا بشارت ہو۔ میری ماں کو شفا عطا فرمائی۔ میں نے کہا کس نے شفا دی؟ اس نے کہا کہ میری ماں نے نصف شب کے چار گھنٹے گزرنے کے بعد عجلت واضطراب کے عالم میں مجھے جگایا۔ (چونکہ مریضہ کی دیکھ بھال کے لئے ان کی بیٹی، اور اس کے بعد ان کے بھائی حاجی مہدی اور بھانجے مہندس غفاری علاج کی غرض سے انھیں تہران لیجانے کے لئے آئے ہوئے تھے اور یہ تینوں افراد بھی اسی کمرے میں تھے۔) دفعتاً ان کی داد وفریاد کی آواز تیز ہوئی اور یہ کہہ رہی تھیں اٹھو، آقا کی مشایعت کرو! اٹھو آقا کی مشایعت کرو! جب انھوں نے دیکھا کہ جب تک یہ لوگ نیند سے ہوشیار ہوں گے اور آقا چلے جائیں گے تو بذات خود ہی دو چار روز سے جنبش بھی نہیں کر سکتی تھیں اپنے بستر سے اچھل کے کھڑی ہو گئیں۔ اور آقا کے پیچھے پیچھے گھر کے دروازے تک چلی گئیں۔ ان کی لڑکی جو اپنی ماں کے حالات کی نگراں تھی، کہتی ہے کہ وہ

ماں "آقا کی مشایعت کرو" کی بلند آواز سے بیدار ہو گئی تھی لہٰذا وہ بھی یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کی ماں کہاں جارہی ہے۔ ان کے عقب میں دروازے تک گئی۔ وہاں پہونچنے تک مریضہ ہوش میں آئی۔ لیکن اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے پیروں سے چل کر یہاں تک آئی ہے۔ چنانچہ اپنی بیٹی سے پوچھتی ہے کہ، زہرا! میں سو رہی ہوں یا جاگ رہی ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ امّی جان آپ کو صحت عطا ہوئی ہے آقا کہاں پر تھے کہ آپ کہہ رہی تھیں "آقا کی مشایعت کرو" ہم نے تو کسی کو نہیں دیکھا؟ ماں نے بتایا کہ اہل علم کے لباس میں ایک بزرگوار آقا اور بلند مرتبہ سیّد جو نہ زیادہ جوان تھے نہ بوڑھے تھے میرے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا اٹھو خدا نے تمھیں شفا دی۔ میں نے کہا میں اٹھ نہیں سکتی تو انھوں نے ذرا تیز آواز میں فرمایا۔ تم نے شفا پائی، اٹھو۔ میں ان حضرت کی ہیبت سے اٹھ کے بیٹھ گئی تو فرمایا تم صحتیاب ہو گئی ہو اب دوا نہ کھانا۔ اور گریہ بھی نہ کرنا۔ جب انھوں نے کمرے سے باہر جانا چاہا تو میں نے تمھیں جگایا۔ ان کی مشایعت کرو۔ لیکن میں نے دیکھا کہ تم کو اٹھنے میں دیر لگی تو میں خود اٹھ کے ان کے پیچھے گئی۔

اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ اس توجہ اور عنایت کے بعد مریضہ کی حالت فوراً سنبھل گئی۔ اور ان کی داہنی آنکھ بھی جسمیں سکتے کی وجہ سے دھندھلاپن پیدا ہو گیا تھا صاف ہو گئی اور ان چار دنوں کے بعد جب کہ انھیں غذا کی خواہش نہیں رہ گئی تھی اسی وقت کہا کہ مجھے بھوک لگی ہے کھانا لاؤ۔ گھر میں ایک گلاس دودھ موجود تھا وہ انھیں دیا گیا۔ تو اسے پوری رغبت کے ساتھ استعمال کیا اور مزید غذا کی خواہش کی۔

ان کے چہرے کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آگیا اور حضرت کے اس فرمان کے نتیجے میں کہ گریہ نہ کرو غم واندوہ ان کے دل سے برطرف ہو گیا۔

میری اہلیہ پانچ سال قبل سے مرض روماتیسم (رُمیٹزم) میں مبتلا تھیں، امام علیہ السّلام کے لطف وکرم کے ساتھ ہی ساتھ اس سے بھی شفا حاصل ہو گئی۔ حالانکہ اطباء اس سے عاجز ہو چکے تھے۔

مزید برآں یہ بات بھی بتانے کے لائق ہے کہ میں نے جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا کے ایام غم میں اس نعمت عظمیٰ کے شکریے کے طور پر اپنے گھر میں ایک مجلس منعقد کی

اور اس موقع پر اہلیہ کے معالج ڈاکٹروں میں سے ایک جناب آقائے ڈاکٹر دانشی سے مریضہ کے صحتیاب ہونے کی کیفیت بیان کی۔ تو انھوں نے کہا کہ میں نے سکتے کا جو مرض دیکھا تھا وہ معمول کے مطابق علاج سے ٹھیک ہونے والا نہیں تھا بجز اس کے کہ خرق عادت اور اعجاز کے طریقے پر شفا حاصل ہو۔

الحمد لله رب العالمین وصلّی الله علی محمّد وآله المعصومین

محمد تقی ابن محمد متّقی ہمدانی

۲۵ ماہ صفر الخیر ۱۳۹۷ھ ہجری قمری،

والسلام علیکم ورحمة الله برکاته

تمام شد

تصویر عزا

مصنفہ / حجۃ الاسلام مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

تاریخ عزاداری ، ثبوت عزاداری ، اہمیت عزاداری

پر ایک وہابی مولوی اور حنفی بیوی کے درمیان دلچسپ اور علمی مکالمہ

صفحات ۳۰۴ ، قیمت ۱۵ روپئے

ملنے کا پتہ

دفتر اصلاح مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

سیرت فاطمۃ الزہراؑ

مولفہ / جسٹس آغا محمد سلطان مرزا دہلوی مرحوم (صاحب البلاغ المبین)

تاریخی و تحقیقی اسلوب پر ایک گرانقدر و مقبول کتاب

صفحات ۳۶۸ ، قیمت صرف ۳۵ روپئے

ملنے کا پتہ

دفتر اصلاح مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	عرض ناشر	۵
۲	عرض مترجم	۶
۳	مقدمہ (از مؤلف)	۷
۴	صدقہ موت کو ٹال دیتا ہے	۹
۵	حتمی موت کا کوئی علاج نہیں	۱۱
۶	موت کے وقت قرآن کی تلاوت	۱۲
۷	جنابت باطنی گندگی ہے	۱۳
۸	طیّ الارض کی کرامت	۱۷
۹	موت کے بعد زندہ ہونا	۲۰
۱۰	دشمن سے نجات	۲۲
۱۱	ضریح امیرالمومنینؑ کی نور افشانی۔	-
	باب نجف کا کھلنا	۲۴
۱۲	امام رضاؑ کا معجزہ، بیمار کی شفا	۲۵
۱۳	امام رضاؑ کی عنایت اور صلہ	۲۷
۱۴	امام حسین علیہ السّلام کی عنایت	۲۹
۱۵	دو عجیب واقعے	۳۱
۱۶	ہلاکت سے ہزاروں افراد کی نجات	۳۳
۱۷	غرق سے نجات	۳۴
۱۸	امیرالمومنینؑ کی عنایت	۳۵
۱۹	علماء کی فضیلت و بزرگی	۳۶
۲۰	علماء کی کرامت	۳۸
۲۱	مشتبہ لقمے سے پرہیز	۴۰
۲۲	آئندہ حالات کی خبریں	۴۳
۲۳	رہزنوں سے نجات	۴۴
۲۴	موت سے نجات	۴۵
۲۵	صدقے کے ذریعہ وبا سے نجات	۴۶
۲۶	موت سے نجات	۴۹
۲۷	چشمے کا جاری ہونا	۵۰
۲۸	مفلوج کی شفا	۵۴
۲۹	سچّا خواب	۵۶
۳۰	ایک لمحے میں سات مریضوں کی شفا	۵۷
۳۱	فوری قبولیت	۶۰
۳۲	قرآن مجید کا فیض	۶۱
۳۳	قرآن مجید سے توسّل اور خوشحالی میں عجلت	۶۴
۳۴	ایک بہت ہی عجیب داستان	۶۵
۳۵	حسینی معجزہ	۶۹
۳۶	موت سے نجات	۷۰
۳۷	حضرت ولی عصرؑ کی دادرسی	۷۲

۳۸	موت کے وقت کی خبر	۷۴	۶۱	سچا خواب	۱۲۲
۳۹	خیال سے آگاہی	۷۵	۶۲	نیک انجام	۱۲۴
۴۰	مومن کی تحقیر نہ کرنا چاہیئے	۷۷	۶۳	حج کو ترک کرنے پر تہدید	۱۲۶
۴۱	خدا کی مہربانی اور بندے کی ناشکری	۷۸	۶۴	حضرت سید الشہداءؑ کا وسیلہ	۱۲۷
۴۲	فوری فریادرسی	۸۱	۶۵	زکوٰۃ دینے کا اثر	۱۳۱
۴۳	عنایت حسینی اور قاتل سے انتقام	۸۳	۶۶	قرآن مجید سے طلب شفا	۱۳۲
۴۴	امیرالمومنینؑ کا انتقام	۸۵	۶۷	صحیح تعبیر	۱۳۳
۴۵	امیرالمومنینؑ کی عنایت	۸۸	۶۸	حضرت امام حسینؑ کی مصیبت عظمیٰ	۱۳۵
۴۶	شیطان اپنی ظاہری شکل میں	۹۰	۶۹	خون آمیز تربت	۱۳۶
۴۷	بخل کے برے اثرات	۹۲	۷۰	ایک عجیب حساب	۱۳۹
۴۸	عزاداری سید الشہداء کا اثر	۹۴	۷۱	امر بالمعروف نہی عن المنکر	۱۴۱
۴۹	امیرالمومنینؑ کا معجزہ	۹۵	۷۲	ہلاکت سے نجات	۱۴۵
۵۰	دفن کے بعد قبر سے نجات	۹۷	۷۳	جو مناسب ہو وہی مانگنا چاہیئے	۱۵۱
۵۱	ایک عجیب نصیحت	۹۹	۷۴	کتے کی حیرت انگیز حیا	۱۵۴
۵۲	توبہ کی توفیق	۱۰۳	۷۵	کتے کی اپنے مالک کے لئے قربانی	۱۵۵
۵۳	سچا خواب	۱۰۶	۷۶	اسیری سے نجات اور حلال روزی کا حصول	۱۶۰
۵۴	سچا خواب	۱۰۷	۷۷	جناب میثم کی کرامت	۱۶۳
۵۵	سچا خواب	۱۰۸	۷۸	نابینا کی شفا	۱۶۴
۵۶	جناب سیدہ کی عنایت	۱۱۲	۷۹	عطائے حسینی	۱۶۵
۵۷	سچا خواب	۱۱۴	۸۰	عزادار حسینؑ سے بدگمانی	۱۶۶
۵۸	امیرالمومنینؑ کی عنایت	۱۱۶	۸۱	احسان کا بدلہ	۱۶۷
۵۹	سچا خواب	۱۱۸	۸۲	زائرین کی طرف التفات	۱۷۰
۶۰	سچا خواب	۱۲۱	۸۳	جہنم سے آزادی اور عنایت رضوی	۱۷۱

۸۴	عورتوں کے چھ فرائض اور سچا خواب	۱۷۶	۱۰۷	قم کے اندر اہلبیتؑ کا معجزہ	۲۲۹
۸۵	امام حسینؑ کی عنایت اور غرق سے نجات	۱۷۸	۱۰۸	حضرت ولی عصر کا معجزہ اور مریض کی شفا	۲۳۲
۸۶	حضرت حجتؑ کی فریادرسی	۱۷۹	۱۰۹	ایک عجیب سرگزشت، سختی کے بعد کشادگی	۲۳۵
۸۷	حضرت فاطمہؑ کے نام پر قفل کا کھلنا	۱۸۰	۱۱۰	قیر اور کازرین فارس کا زلزلہ	۲۳۹
۸۸	مصیبت کے بعد راحت	۱۸۱	۱۱۱	دعا کی فوری قبولیت	۲۵۷
۸۹	خیال کی اطلاع	۱۸۳	۱۱۲	تنگدستی کے بعد خوشحالی	۲۶۱
۹۰	گمشدہ چیز کی بازیابی	۱۸۴	۱۱۳	ہدیہ قبولیت زیارت کی نشانی	۲۶۲
۹۱	اپنے زائرین پر امام حسینؑ کا کرم	۱۸۶	۱۱۴	زیارت عاشورہ کی اہمیت	۲۶۴
۹۲	فقیہ عادل کا درجہ	۱۸۸	۱۱۵	امام رضا علیہ السّلام کے عنایات	۲۶۶
۹۳	انجام کا خوف	۱۹۰	۱۱۶	مفاتیح اور قرآن کی عجیب داستان	۲۶۷
۹۴	شش ماہہ لڑکی کی زندگی اور مرب کی موت	۱۹۷	۱۱۷	شب قدر میں روحوں کی زیارت قبر حسینؑ	۲۷۰
۹۵	علیؑ کے حق میں غفلت نہ کرو	۱۹۸	۱۱۸	جناب سیدہ کی عنایت اور بیمار کی شفا	۲۷۱
۹۶	سادات کی عظمت اور شان	۲۰۳	۱۱۹	معجزۂ عسکریینؑ	۲۷۳
۹۷	حضرت ابوالفضل العبّاسؑ کی کرامت	۲۰۵	۱۲۰	حضرت عسکریینؑ کی برکت سے نابینا کی شفا	۲۷۶
۹۸	شمع کی روشنی قائم رہتی ہے	۲۰۶	۱۲۱	حضرت امام حسین علیہ السّلام کی توجہ	۲۷۹
۹۹	غم حسینؑ میں شیر کا گریہ	۲۰۷	۱۲۲	شادی کی شب میں داماد کی موت	۲۸۰
۱۰۰	وسیلۂ حضرت سیّد الشہداء سے شفا	۲۱۳	۱۲۳	مہمان کا دشمن مکان	۲۸۹
۱۰۱	حضرت حُر کی کرامت	۲۱۵	۱۲۴	سیدانی کی اہانت	۲۹۸
۱۰۲	سڑی ہوئی لاش اور دنیا کا مُردار	۲۲۰	۱۲۵	جنازے کے اوپر ایک کُتّا	۳۰۸
۱۰۳	میّت بہتر سال کے بعد بھی تازہ	۲۲۴	۱۲۶	توسّل کی تاثیر	۳۱۲
۱۰۴	نجف اشرف کا سفر اور بیٹے کی شفا	۲۲۵	۱۲۷	بلندی سے گرنا	۳۱۷
۱۰۵	پیسوں کا حصول اور ان کا دوام	۲۲۶	۱۲۸	دوسرے عالم میں حسینی سلطنت	۳۲۰
۱۰۶	مریض کی شفا اور قبر میثم کی تعمیر	۲۲۷	۱۲۹	سچا خواب اور اعمال کے اثرات	۳۲۵

۱۳۰	چشمہ بند کرنے سے کور چشمی	۳۲۷	۱۴۱	بدعہدی کی سزا	۳۵۴
۱۳۱	توفیق زیارت اور ضیافت	۳۲۸	۱۴۲	آسمان سے مچھلیاں برستی ہیں	۳۵۷
۱۳۲	زیارت کربلا کے مقدمات کی فراہمی	۳۳۴	۱۴۳	سمندر میں پینے کا صاف پانی	۳۵۸
۱۳۳	عالمِ احتضار میں دادرسی	۳۳۶	۱۴۴	قید سے نجات اور مقصد میں کامیابی	۳۶۰
۱۳۴	بیابان کے تھکے ماندے کی فریادرسی	۳۳۸	۱۴۵	مدح امیر المومنینؑ میں قصیدہ اور عجیب خواب	۳۶۲
۱۳۵	سوٹ کیس کی کنجی کا دامن میں گرنا	۳۴۰	۱۴۶	بغیر عینک کے پڑھنا	۳۶۷
۱۳۶	قبلۂ حقیقی امام حسینؑ کی طرف رُخ	۳۴۲	۱۴۷	زیارت عاشوراء سے ردّ بلا	۳۶۸
۱۳۷	جسد کے صحیح و سالم رہنے کے اسباب	۳۴۶	۱۴۸	ایک مردِ خدا کی کرامتیں	۳۷۰
۱۳۸	کیسے کے پیسوں میں برکت	۳۴۹	۱۴۹	اہلبیتؑ کے برکات و توسّل سے شفا	۳۷۴
۱۳۹	مکاشفات	۳۵۰	۱۵۰	فوری قبولیت اور امام رضاؑ کی عنایت	۳۷۹
۱۴۰	فرنگی مجالس میں نوحہ خوانی کرتا ہے	۳۵۲	۱۵۱	بسمہ تعالیٰ	۳۸۰

۱۹۹۷ء میں سو سال پورا کرنے والا دینی جریدہ

ماہنامہ **اصلاح** لکھنؤ

پہلے کھجوہ ضلع سیوان بہار سے شائع ہوتا تھا، اور اب مستقل سرزمین علم و ادب لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ عام شماروں کے علاوہ سال میں دو خصوصی شمارے "حُسینی جنتری" اور "محرّم نمبر" کی بھی اشاعت ہوتی ہے۔ فی الحال جنوری تا دسمبر ۹۷ء اصلاح کا زر سالانہ ساٹھ روپئے ہے۔

(پتہ)

ماھنامہ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

مفید کتابیں

مفید و کار آمد، دلچسپ و سبق آموز معلوماتی یہ کتابیں
ادارۂ اصلاح میں دستیاب ہیں تاجرانِ کتب کے لئے رعایت

سیرت فاطمۃ الزہراؑ ۔ جسٹس سلطان مرزا دہلوی مرحوم	(دوسرا اڈیشن)	35/-
سچے واقعات ۔ آیۃ اللہ دستغیب شہیدؒ ۔ ترجمہ مولانا محمد باقر جوراسی		35/-
عالم برزخ " " "	(تیسرا ایڈیشن)	20/-
امام قائمؑ العالمؑ " " "		30/-
حیرت انگیز واقعات " " "		45/-
عبد صالح ۔ (مختصر حیات امام موسیٰ کاظمؑ) مدیر اصلاح		5/-
انتخاب رہبر کامل ۔ مولفہ رحمت علی مرحوم۔	(اقوال امیر المومنینؑ)	5/-
ایران و عراق کا عظیم سفر ۔ مولانا محمد داؤد المومی		20/-
عقیدت کے پھول ۔ (قصائد) " " "		15/-
اسلام میں ناری کے ادھیکار (ہندی) آیۃ اللہ مطہریؒ	(پہلی جلد)	15/-

---

ان کے علاوہ دیگر کتابیں اور، ماہنامہ اصلاح بھی اس ادارہ سے حاصل کریں۔ سال میں ۲ خصوصی شماروں کے ساتھ ۱۔ حسینی جنتری ۲۔ محرم نمبر۔

(ملنے کا پتہ)

فون ۲۶۱۹۵۴

ادارہ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۶